فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن دل

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ،وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ أَمَّا بَعْدُ :

قارئین محترم! السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاته ، و بعد !

مولائے کریم سبحانہ وتعالیٰ کا جس قدر بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے کہ اس مہربان ہستی کے فضل وکرم سے آج آپ بھائیوں کی خدمت میں ''تمام نعمہ'' پیش کی جارہی ہے؛ جو کہ شرح الدروس المھمۃ کا اردو ترجمہ ہے اور یہ کتاب دراصل عقیدہ کی مشہور کتاب ''الدروس المھمۃ لعامۃ الأمۃ'' کی عربی شرح ہے۔

شارح شیخ عبدالرزاق بن عبدالمحسن البدر حفظہ اللہ عالم اسلام کے مشہور علمائے دین میں سے ہیں۔آپ کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ آپ ہر جملہ کی ایسی جامع اور مانع شرح کردیتے ہیں؛ جو کہ عوام کے لیے بہت مفید ہے۔

اردو قارئین کی ضرورت کے پیش نظر اس کتاب کا مکمل ترجمہ کردیا گیا ہے۔کوشش کی گئی ہے کہ احادیث اور آیات کا عربی متن باقی رہے؛ اور اس متن پر اعراب بھی لگا دیے گئے ہیں۔ ایسے ہی احادیث مبارکہ کی تخریج بھی کردی ہے۔ اور ساتھ ہی جا بجا احادیث کی شرح اور وضاحت میں مفید حواشی کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گوہوں کہ وہ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں؛ اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میری تمام قارئین سے گزارش ہے کہ اگر کہیں پر کوئی غلطی نظر آئے؛ خواہ وہ ترجمہ میں ہو یا طباعت یا اعراب میں؛ تو خیر خواہی کے جذبہ کے تحت وہ ضرور اس سے آگاہ کریں۔آپ کا اجر اللہ کے پاس ہے۔

اصل میں یہ کتاب ہمارے ادارہ ''مرکز حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما'' میں عوام الناس کو پڑھانے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ جدہ شہر میں قائم یہ ادارہ گزشتہ پندرہ سال سے اپنی شبانہ روز محنتوں میں اللہ کے دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ ہم نہ صرف معمر افراد کو دین کی تعلیم دینے کی کوشش کرتے ہیں؛ بلکہ بچوں کے لیے بھی ہمارے اسکول قائم ہیں۔ جہاں پر ان کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کی جاتی ہے۔

حج اور عمرہ کے مواسم میں ہمارے داعی حضرات اور داعیات زائرین بیت اللہ کی خدمت میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ان کی مناسب رہنمائی کرنا؛ ان تک اچھی کتاب پہنچانا اور ان کے مسائل کے حل میں مدد دینا ہماری اوّلین ترجیح

ہوتی ہے۔

ہمارے ادارہ سے فارغ طالبات امریکہ؛ یورپ؛ کینیڈا اور دنیا کے دیگر کئی ممالک میں اپنی خدمات پیش کر رہی ہیں۔

آپ بھی ہمارے مرکز میں تشریف لا کر ہماری حوصلہ افزائی کریں؛ اور اپنے مفید مشوروں سے آگاہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔آمین

والسلام

ادارہ

مرکز حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما

جدہ

جامعہ احیاء العلوم لبنات الاسلام مظفرآباد آزاد کشمیر۔

مترجم

پیرزادہ شفیق الرحمن شاہ الدراوی

00966501253804

facebook: dadapota2003

Email: dadapota2003@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَامُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ،وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ۔ أَمَّا بَعْدُ :

اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب ''الدروس المهمة لعامة الأمة ''ایک انتہائی عمدہ اور اہم رسالہ ہے؛ جو کہ امامِ علم؛ ناصح شیخ اور مربی اور مشفق جناب عزت مآب علامہ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ ؛مفتی اعظم مملکت سعودی عرب ؛ کی تالیف ہے۔ جوانہوں نے عام امت کے افراد کے لیے ترتیب دیا ہے تا کہ وہ عقیدہ ؛ اخلاق اور عبادت میں ان دینی امور کی تعلیم حاصل کرسکیں ؛ جن کی تعلیم ان کے لیے ضروری ہے۔ انہوں نے اسے ایک انتہائی نفع بخش اور مفید انداز میں ترتیب دیا ہے۔ اور اس رسالے میں آپ رحمہ اللہ نے ضروریات دین اور وہ اہم ترین حتمی واجبات بیان کیے ہیں جن کا جاننا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے۔

یہ کتاب عوام الناس کی تعلیم کے لیے ایک انتہائی مرتب اور عمدہ کتاب شمار ہوتی ہے جو کہ انہیں امور دین کی تعلیم دیتی ہے۔ اور ضروریات دین کی معرفت کرواتی ہے۔ اور یہ بتاتی ہے کہ دین ؛ عقیدہ اور عبادت کے کون سے امور کی تعلیم حاصل کرنا ان پر واجب ہے۔

اس کتاب کا پہلا ہدف عوام الناس ہیں ؛ جس میں ان کے لیے خیر خواہی اور ضروریات دین کی تعلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس کتاب کی شرح سے پہلے شروع میں اس سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کی شرح کا اسلوب انتہائی آسان اور واضح ہوگا؛ جو کہ ان کے ساتھ مناسب ہوگا جن کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے اور وہ ہیں عوام۔

اس کتابچہ کو شیخ رحمہ اللہ نے بہت عمدگی کے ساتھ مفید عام بنایا ہے۔ آپ نے خیر خواہی کی ؛ اور اس کا حق ادا کر دیا۔ یہ کتابچہ شیخ رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی توجہ اور اہتمام کا محور و مرکز رہا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جس سال آپ کا انتقال ہوا؛ اس سال یہ کتابچہ آپ کی زندگی میں آپ کی تصحیح اور تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ بعض دروس کا اضافہ کیا گیا؛ اور بعض دروس میں اضافہ کیا گیا؛ جو کہ بطور تکملہ تھے۔ اور بعض نئے دروس شامل کئے گئے۔ اور اس کی ترتیب میں بھی کچھ تبدیلی لائی گئی۔ میں نے اپنی اس شرح میں اس آخری طبع پر اعتماد کیا ہے جو کہ آپ کی وفات کے سال طبع ہوئی۔ یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ زندگی کے آخری ایام میں شیخ کے نزدیک اس کتابچہ کی اہمیت کیا تھی؟ اور وہ اس کا کس قدر اہتمام کرتے تھے؟

اصل میں یہ شرح ان دروس سے عبارت ہے جو کہ میں نے مسجد نبوی میں درس دیے تھے؛ جن کی تعداد بارہ ہیں۔ جو کہ چودہ سو پینتیس کے آخری مہینے میں دیے گئے تھے۔ جس میں بعد میں کچھ ردو بدل اور اضافات کر کے کتابی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ واللہ الموفق۔

میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ یہ شرح اس جلیل القدر امام اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ وفاداری کا حق ادا کرنے اور اس عظیم علم کو عام کرنے میں مددگار ثابت ہوگی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم سب کو علم نافع اور نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہر اس نیک عمل اور راست قول کی توفیق دے جس سے وہ راضی ہوتا ہو۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی نبینا محمد و علی وآلہ و صحبہ و سلم۔

مترجم
ابوشراحیل/شفیق الرحمن شاہ الدراوی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ، وَصَلَّى اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی عَبْدِہٖ وَرَسُوْلِہٖ نَبِیِّنَآ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، أما بعد:

عام مسلمانوں کے لیے دین اسلام سے متعلق جن باتوں کا جاننا ضروری ہے انہی میں سے چند باتوں کے بیان میں یہ مختصر کلمات ہیں جن کا نام میں نے ''عام مسلمانوں کے لیے اہم اسباق'' رکھا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس رسالہ کو مسلمانوں کے لیے فائدہ مند بنائے اور میری یہ کوشش قبول فرمائے۔ بے شک وہ بڑا سخی اور کرم نواز ہے۔ (عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ)

شرح:

اس کتابچہ کے شروع کا مقدمہ ہے؛ جسے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کی حمد و ثناء سے شروع کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اچھا انجام کار؛ اور عزت کا اختتام دنیا اور آخرت میں اہل تقوی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اہل تقوی وہ لوگ ہیں جو باقاعدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچ کر رہتے ہیں۔ اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں؛ اور ممنوعہ امور سے بچ کر رہتے ہیں۔ جن کے اعمال بجالانے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس سے ملاقات کے دن جنت کا حصول ہے۔

پھر اس کے بعد رسول مجتبیٰ و نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام؛ جو کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے سب سے بہترین ہستی ہیں؛ اس کے بندوں میں سے منتخب شدہ ہیں آپ کی ذات پر درود و سلام اور برکات ہوں۔

پھر یہ بیان کیا ہے کہ یہ مختصر کتابچہ ہے۔ اس میں نہ ہی اتنی طوالت ہے جس سے اکتاہٹ ہو؛ اور نہ ہی اتنا اختصار ہے جس سے مقصد ہی بیان نہ ہو۔ بلکہ اس میں اختصار و ایجاز سے کام لیا ہے۔ اور عبارت کی سہولت کو مدنظر رکھا ہے۔ اور صرف ان امور پر توجہ مرکوز رکھی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقصود پورا ہو جاتا ہو۔

پھر اس میں خصوصی طور پر بعض ان چیزوں کو بیان کیا ہے جن کی معرفت حاصل کرنا عوام الناس پر واجب ہے۔ یعنی وہ واجبات اور ضروریات دین؛ خصوصاً جن سے جاہل رہنے کا عذر معتبر نہیں ہوتا۔ حالانکہ بعض مسائل مستحب ہوتے ہیں؛ فرائض میں سے نہیں ہوتے۔ لیکن پھر بھی وہ ایسے اہم امور ہیں کہ امت کے عام افراد کو بھی ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اور اس کتابچے کا نام رکھا ہے: "الدروس المهمة لعامة الأمة" اسم مسمیٰ کے عین مطابق ہے۔ اور یہ عنوان

ان معانی کے عین مطابق ہے جن پر یہ کتابچہ مشتمل ہے۔ اسے دروس کی شکل میں انتہائی بدیع ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔ پہلا درس؛ دوسرا درس؛ تیسرا درس...... الخ

"**المهمة**": یعنی وہ اسباق جو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں؛ جن کی عوام الناس کو ضرورت ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس کتابچہ میں مختلف مضامین لائے ہیں۔ پہلے آپ نے اعتقادی پہلو کو بھی بیان کیا ہے؛ اور اس کے ساتھ ہی امور عبادت بھی واضح کیے ہیں۔ خصوصاً اسلام کے پانچ بنیادی ارکان۔ مزید برآں اس رسالہ میں مسلمان کے ضروری اخلاق بھی بیان کئے ہیں۔ اور کبیرہ گناہوں سے بھی خبردار کیا ہے۔ اور ان میں سے بعض گناہوں کا یہاں پر ذکر بھی کیا ہے اور ساتھ ہی شرک اکبر سے بہت سخت ڈرایا ہے جو اس دین کا ناقض اور ملت سے خارج کرنے والا ہے۔

یہ مختصر سا کتابچہ بہت سے ان اہم ترین عظیم مضامین کو شامل ہے جن کی عام عوام الناس کو بہت سخت ضرورت ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ''میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ اس کتابچہ کو مسلمانوں کے لیے فائدہ مند بنا دے۔ اور میری اس خدمت کو قبول فرمائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت ہی سخی و کریم اور مہربان ہے۔''

یہ بہت ہی عظیم دعا ہے؛ جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کتابچہ کو نفع بخش بنانے کا سوال ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہے کہ اس رسالہ کو بڑے پیمانہ پر قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ بہت ساری مجالس کا اہتمام صرف اس کی تعلیم کے لیے کیا گیا۔ اور بہت سارے لوگوں کو مساجد میں پڑھ کر سنائی گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے مضامین بھی بیان کئے گئے۔ اور پھر اسے عوام الناس کی تعلیم اور امور دین سکھانے کے لیے ایک منہج کے طور پر اپنایا گیا۔ اور بہت ساری زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ یہ تمام امور اس کتاب کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ان شاء اللہ۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اس کے مؤلف کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے؛ اور قیامت کے دن ان کے اعمال نامہ کے بھاری ہونے کا ذریعہ بنا دے۔ اور ہم تمام کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اس شرح کو بھی قبولیت سے نواز دے۔ اور اسے عوام الناس کے لیے فائدہ مند بنا دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ دعائیں سننے اور قبول کرنے والے ہیں۔

پہلا سبق

سورۂ فاتحہ اور چھوٹی سورتیں

سورہ فاتحہ اور چھوٹی سورتیں یعنی سورہ زلزال تا سورہ الناس میں سے جس قدر سورتیں ہو سکیں انہیں سمجھانا، پڑھانا اور پڑھائی درست کرانا، حفظ کرانا نیز ان باتوں کی تشریح کرنا جن کا سمجھنا ضروری ہو۔

شرح:

یہ اس کتاب ''الدروس المهمة لعامة الأمة '' کا پہلا درس ہے جو کہ سورہ فاتحہ اور چھوٹی سورتوں کی تعلیم کے بارے میں ہے۔ شیخ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ سورہ زلزال سے لے کر و الناس تک کی تعلیم عوام کو دی جائے؛ ان کے لیے اتنا ہی کافی ہے تاکہ وہ اپنی فرض اور نفل نماز اور تہجد وغیرہ ادا کرسکیں۔حتی کہ اگر کوئی انسان تہجد میں ایک ہی سورت کو بار بار پڑھنا چاہے تو بھی ٹھیک ہے۔حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سحری کے وقت سے کھڑے ﴿قل هو الله أحد﴾ پڑھتے رہے ۔ان کے سوا اور کچھ نہیں پڑھتے تھے ۔جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے تذکرہ اس طرح کیا گویا وہ اس کو بہت کم سمجھ رہا ہے،تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ:

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔''[بخاری5014]

تعلیم میں یہ طریقہ بہت سارے عوام الناس کے لیے علم حاصل کرنے اور سورتیں یاد کرنے میں حوصلہ افزائی کا سبب بنتا ہے۔ بیشک جب یہ کہا جائے کہ جس چیز کی آپ کو ضرورت ہے؛ اس کے لیے اس قدر سورتیں کافی ہیں کہ زلزال سے لے کر والناس تک کی تعلیم حاصل کرلی جائے۔تو انسان میں یہ شعور بیدار ہوتا ہے کہ اسے اپنی عبادت بجا لانے کے لیے جس قدر ضرورت ہے وہ تو بہت آسان ہے؛ تو پھر انسان ان کی تعلیم حاصل کرنے کا بڑا اہتمام کرتا ہے؛ تاکہ وہ ان سورتوں کو حفظ کرسکے اور ان کے معانی اور مدلولات سمجھ سکے اور ان کی تلاوت درست کرسکے۔ پس اس کے لیے اگر مساجد میں عوام الناس کی تعلیم کے لیے حلقے قائم کئے جائیں جن میں صرف ان سورتوں کی تعلیم پر اکتفاء کیا جائے؛ اور جو کوئی ان کی تعلیم مکمل کرلے؛ اسے کہا جائے کہ آپ نے اپنی ضرورت کو مکمل کرلیا۔ اب اگر اس سے آگے مزید کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو مکمل حفظ قرآن کریم کے حلقات میں تشریف لے جائیں۔

بعض لوگ تو ایک ماہ میں ان دروس میں پختگی اور مہارت حاصل کرلیتے ہیں۔اور بعض لوگ دو ماہ میں۔ یہ انسان کی اپنی قدرت و وسعت اور حافظہ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

پس یہ اسلوب اختیار کرنا بہت اہم ہے تاکہ عام انسان میں یہ شعور بیدار ہو کہ جس قدر تعلیم کی اسے ضرورت ہے؛ وہ کوئی بڑی مقدار نہیں ہے؛ بلکہ چند ایک سورتیں ہیں جن کی تعلیم اور مہارت وہ بہت کم عرصہ میں حاصل کر سکتا ہے۔ باذن اللہ عوام کی ان سورتوں کی تعلیم دینے کے لیے طریقہ بھی وہی ہونا چاہیے جو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ اس کے چار مراحل ہیں:

پہلا مرحلہ:...... تلقین (پڑھانا): آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام یا حافظ یا قاری صاحب اس پڑھنے والے کو ایک ایک آیت کر کے یہ سورت پڑھائیں۔ پہلے دو تین مرتبہ اسے ایک آیت پڑھائیں؛ پھر دوسری آیت۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتے رہنا چاہیے۔ قرآن مجید کا سلسلہ پڑھنے پڑھانے سے چلتا ہے۔ جب قرآن پڑھ کر سنایا جائے تو اس کی تلاوت صحیح ہو۔

دوسرا مرحلہ:...... اس کے بعد ان سے وہ کچھ پڑھایا جائے جو انہوں نے سنا ہے۔ یہ امام صاحب؛ قاری صاحب یا تلاوت کی تصحیح کروانے والے ان کی تلاوت کی تصحیح کریں۔ جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''قرأت کی تصحیح کروائی جائے۔''

تیسرا مرحلہ:...... حفظ کرنا: یعنی جتنا سبق شیخ سے پڑھا ہے؛ اور تلاوت کی تصحیح کی ہے؛ اسے صحیح تلفظ کے ساتھ زبانی یاد کیا جائے۔ اور حسب کفایت اس کا تکرار کیا جائے۔ بعض لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ ایک سورت کو پچاس بار یا سو بار یا اس سے زیادہ بار دھرائیں۔ تاکہ اسے اچھی طرح سے زبانی یاد کر لیا جائے۔

چوتھا مرحلہ:...... اس سورت کی اتنی تفسیر کی جائے جس کا فہم حاصل کرنا واجب ہے۔ اس سورت کے معانی اور تفسیر؛ مدلولات کا بیان سمجھایا جائے؛ اس کے لیے سورہ فاتحہ سے ابتداء کی جائے؛ پھر سورہ زلزال سے والناس تک کی تفسیر کی جائے۔

اتمام فائدہ کے لیے یہاں پر ان سورتوں کے کچھ معانی اور تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ جسے سورہ فاتحہ سے شروع کیا جائے گا۔ پھر سورہ زلزال سے والناس تک ان کی مختصر اور منتخب تفسیر بیان کی جائے گی۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

''میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

''شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔''

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷﴾

''سب تعریفیں اللہ ہی کی ہیں جوتمام جہانوں کے رب ہیں ۔مہربان رحم والے۔انصاف کے دن کے حاکم۔
ہم آپ کی ہی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ہمیں سیدھی راہ پر چلا ۔ان لوگوں کی راہ
جن پر آپ نے انعام کیا؛ نہ ان کی راہ جن پر غصے ہوا اور نہ گمراہوں کی راہ۔''

اعوذ باللہ پڑھنا:......مشروع طریقہ یہ ہے کہ مسلمان جتنی بار بھی قرآن مجید پڑھے؛ ہر بار شروع میں اعوذ باللہ پڑھے۔

(استعاذہ یعنی) اعوذ باللہ پڑھنے میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء اور طلب ہوتی ہے کہ وہ بابرکت ذات اسے شیطان مردود کے شر سے بچا کر محفوظ رکھے۔

قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا اس لیے مشروع ہے کہ شیطان کی بہت سخت کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کو اس قرآن سے دور کردے۔قرآن پڑھنے کی کامیابی نہ پاسکے اور نہ ہی اس کے معانی و مفاہیم اور مضامین سمجھ کر ان سے متأثر ہوسکے۔تو انسان کے لیے مشروع ٹھہرایا گیا کہ وہ شیان مردود کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے ۔تاکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے اس کی قرآن پاک کی تلاوت شیطانی وسوسوں اور چالوں اور بہکاووں سے محفوظ ہوجائے۔

شیطان :......سرکش نافرمان؛ بہکا ہوا؛ اللہ کے بندوں کو بہکانے والا۔ اور ان کی تاک میں لگا ہوا تاکہ انہیں بہکا سکے۔

رجیم :......لعنتی؛ راندہ ہوا؛ رحمت سے دور کردہ۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کردیا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے راندہء درگاہ ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو بھی اس کی رحمت سے دور کردے۔ پس انسان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس سرکش شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے جس کا کام ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت؛ اطاعت اور عبادت سے دور کرنا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○: بسم اللہ :......کتاب اللہ کی ایک آیت ہے جسے سورہ توبہ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں پڑھا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ :...... یہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے مدد طلب کرنے کا ایک کلمہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ میں بسم اللہ سے تلاوت شروع کرتا ہوں؛ یعنی کتاب اللہ کی تلاوت اللہ تعالیٰ کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔بسم اللہ میں ''باء'' استعانت کے لیے ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے۔

لفظ (اللّٰهِ):......اللہ تعالیٰ کا اسم علم ہے۔اس کا معنی ہے : اپنی تمام مخلوق پر الوہیت اور عبودیت کا حق رکھنے والی ہستی۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر دلالت کرتا ہے۔ جو اس کے کمال وعظمت اور جلال کے اوصاف پر دلالت کرتا ہے جن کی بنا پر وہ الوہیت کا مستحق ہے؛ اور یہ کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے سامنے پستی اور خضوع اختیار کیا جائے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ :...... یہ دو اسمائے مبارکہ رحمت سے مشتق ہیں؛ جو اللہ تعالیٰ کے لیے صفت رحمت کے ثبوت پر

دلالت کرتے ہیں۔ اسم گرامی (الرَّحْمٰنِ) وسیع اور شامل رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ﴾ [الاعراف 156]

''اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔''

الرَّحِيْمِ:...... اس مخصوص رحمت پر دلالت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور برگزیدہ بندوں کے لیے خاص کر لی ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴾ [الأحزاب 43]

''اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا مہربان ہے۔''

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ:...... حمد: محبت میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کی جو تعریف کی جائے اسے حمد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اس کے اسماء حسنیٰ اور صفات العلیٰ پہ کی جاتی ہے۔ اور اس کی بے شمار و لا تعداد نعمتوں ؛ نوازشات ؛ انعامات اور احسانات پر بھی اس کی حمد و ثنا بیان کی جاتی ہے۔

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ:...... تمام جہانوں کا خالق و مالک؛ ان کے امور کا مدبر و متصرف؛ جس کا ان امور میں کوئی شرک نہیں۔ عالم سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:...... یعنی اللہ تعالیٰ خاص رحمت اور عام رحمت سے موصوف ہیں؛ جیسا کہ گزر چکا۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ:...... ''بدلے کے دن کا مالک ؛ ایک قرأت میں ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ ہے۔ یعنی بدلے اور حساب کے دن کا بادشاہ۔ پس دین کا مطلب حساب ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام ''الدَّیان'' ہے؛ یعنی حساب کرنے والا اور بدلہ دینے والا۔ اس جملہ میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے اور اس کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف دلایا جا رہا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ﴾

''اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟ پھر تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟ جس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا۔''

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ:...... اس میں اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنے اور اس سے مدد طلب کرنے کا ذکر ہے۔ پس یہ کہا جا رہا ہے کہ: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾؛ یعنی میں اپنی عبادت خالص تیرے لیے ہی کرتا ہوں؛ تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کروں گا۔ اور ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ اور میں اپنی مدد طلب کرنا بھی تیرے ساتھ خاص کرتا ہوں۔ تیرے سوا کسی سے مدد بھی نہیں مانگتا۔ پس ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ کہنے میں شرک سے برأت ہے؛ اور ﴿وَاِيَّاكَ

نَسْتَعِيْنُ ﴾ کہنے میں ہر قسم کی قوت وطاقت سے برأت ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾:......میں کلمہ لا إله إلا الله کے حقائق پائے جاتے ہیں؛ جب کہ ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾میں لاحول ولا قوة إلا بالله کے معانی پائے جاتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ :......شرک اور ریاکاری سے اخلاص ہے؛ جبکہ ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾:خود پسندی اور تکبر سے نجات۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ :......یعنی اے اللہ! ہمیں راہ دیکھا؛ اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس صراط مستقیم پر چل سکیں اور اس کی اتباع کرسکیں۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾[الانعام]

''اور بیشک یہ میرا سیدھا رستہ ہے پس تم اسی پر چلنا اور اور راہوں پر نہ چلنا کہ اللہ کی راہ سے الگ ہو جاؤ گے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے پسند کرلیا ہے۔اس کے علاوہ کوئی بھی دین اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾: جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام ؛ صدیقین ؛ شہداء اور صالحین کی جماعت ہیں؛ اور یہی حضرات بہترین ساتھی (اور قابل اتباع لوگ) ہیں۔جنہوں نے علم نافع اور عمل صالح کو جمع کیا تھا۔ بیشک حقیقی نعمت اس پر ہوتی ہے جو اہل علم ہو؛ اور اسے عمل کی توفیق دی گئی ہو۔

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾:اس سے مراد یہودی اور وہ لوگ ہیں جو ان کی راہ پر چلتے ہیں۔جو حق بات تو جانتے ہیں مگر اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔

﴿وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾:اس سے مراد عیسائی اور ان کی راہوں پر چلنے والے ہیں؛ جو بغیر علم و بصیرت کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

یہاں پر مقصود علمائے سوء اور گمراہ عابدوں (ملنگوں اور فقیروں) سے ڈرانا اور خبردار کرنا ہے۔جیسا کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''ہمارے علماء میں سے جو کوئی گمراہ ہو جاتا ہے اس میں یہود کی مشابہت پائی جاتی ہے؛ اور جو کوئی ہمارے عابدوں میں سے گمراہ ہوتا ہے اس میں عیسائیوں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔(تفسیر ابن کثیر 4/138)

اس سورت کو سمجھنے میں سب سے بڑی مددگار وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''نماز یعنی سورت فاتحہ میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دی گئی ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے جب بندہ کہتا ہے:﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میرے بندے نے میری حمد بیان کی۔اور جب وہ کہتا ہے:﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:''میرے

بندے نے میری ثناء بیان کی۔'' اور جب وہ کہتا ہے :﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ''میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔'' اور جب وہ کہتا ہے:﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا ہے۔'' جب وہ کہتا ہے :﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّاۗلِّيْنَ﴾:تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا۔'' (صحیح مسلم 395)

نماز تقسیم کردی ہے؛ میں نماز کا معنی ہے: سورت فاتحہ۔ اسے نماز بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جو انسان نماز میں یہ سورت نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی ۔ یہ اس سورت کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے ہے۔

بندے اور رب کے مابین اس کے تقسیم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ: اس کی شروع کی ساڑھے تین آیات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں؛ اور آخری ساڑھے تین آیات بندے کے لیے ہیں۔

شروع کے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد وثنا ہے؛ جب کہ آخری حصہ میں بندے کی اپنے لیے دعا ہے۔

اس سورت کا نام ام القرآن بھی ہے۔ اس لیے کہ یہ سورت اجمالی طور پر ان مضامین کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو تفصیل سے پورے قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔

یہ سورت مفید دروس اور سبق آموز باتوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں دین کے قواعد اور ایمان کے اصول بیان ہوئے ہیں اور امور شریعت ؛ اخلاق و آداب اور دوسرے امور بھی ہیں جو کہ یہ عظیم سورت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

سورت زلزال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَىِٕذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾

''جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی ۔ اور زمین اپنے (اندر) کے بوجھ نکال ڈالے گی ۔ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ ۔ اس روز وہ اپنے حالات بیان کردے گی ۔ کیونکہ تمہارے رب نے اس کو حکم بھیجا (ہوگا) ۔ اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تا کہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں ۔ تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا ۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔''

سورہ زلزلہ وہ عظیم الشان سورت ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قیامت سے پہلے کی بڑی ہولناکیاں بیان کی ہیں۔ قیامت قائم ہونے سے پہلے زمین پر ایک زلزلہ آئے گا؛ جس سے زمین میں ہلچل اور بھونچال برپا ہوگا۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ①:...... جب زمین حرکت میں آئے گی؛ اور زلزلہ برپا ہوگا۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ②:...... زمین اپنے اندر گڑے مردوں کو باہر نکال دے گی؛ اور اپنے خزانے اگل دے گی۔ لوگوں کا زمین سے نکالا جانا قیامت کے بپا ہونے اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کا اعلان ہوگا۔

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③:...... یعنی جب انسان اپنی قبر سے محشر کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے لیے کھڑا ہوگا؛ تو اس وقت وہ اس عجیب اور ہولناک منظر سے گھبرایا ہوا ہوگا۔ وہ کہے گا: اسے کیا ہوگیا؟ یعنی زمین کو یہ کیا ہوگیا؛ یہ کیا معاملہ پیش آگیا جو دیکھ رہے ہیں۔

يَوْمَئِذٍ:...... اس دن؛ یعنی بروز قیامت؛ ﴿تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④﴾: زمین بیان کرے گی جو کچھ اس کے اوپر ہوا کرتا تھا؛ اور جو کچھ بھی بھلائی یا برائی کا عمل لوگوں نے کیا تھا۔ اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ اس زمین پر لوگ جو کچھ عمل کرتے رہے ہیں؛ جو کچھ بولا یا کیا؛ زمین اس سب احوال واقوال کی گواہی دے گی۔ لوگوں کے خلاف زمین کی یہ گواہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگی۔ جیسا کہ آگے فرمان الٰہی ہے: ﴿بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤﴾: یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دی؛ اور اسے یہ گواہی دینے کا حکم دیا۔

پھر اس کے بعد لوگوں وہاں سے ارض مؤقف (میدان محشر) کی طرف پلٹیں گے تاکہ ہر انسان اپنے عمل کے اعتبار حساب وکتاب کا سامنا کرسکے۔ ﴿يَوْمَئِذٍ﴾: اس دن یعنی بروز قیامت ﴿يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا﴾: لوگ گروہ گروہ ہوکر آئیں گے'' یعنی جنس اور صنف کے اعتبار سے؛ ہر ایک اپنے اچھے یا برے عمل کے اعتبار سے ہوگا۔

لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥:...... تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھا دیئے جائیں۔'' یعنی وہ اپنے اعمال کا معاینہ اور مشاہدہ کرسکیں؛ اور جیسے بھی برے یا بھلے اعمال انہوں نے آگے بھیجے ان سے آگاہ ہوسکیں۔ بھلے وہ نیک اعمال تھے یا بد۔ انہیں شمار کرکے رکھا گیا ہوگا۔ ذرہ بھر کے وزن کے برابر عمل بھی موجود ہوگا۔ وہ اپنے تمام اعمال دیکھ لیں گے۔ ان کے اعمال میں کوئی کمی نہیں ہوگی؛ نہ ہی نیک اعمال میں اور نہ ہی برے اعمال میں۔ نہ ہی کم نہ ہی زیادہ۔ پھر وہ نیک اعمال پر ثواب حاصل کریں گے؛ اور برے اعمال پر سزا ملے گی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ⑧:...... ''ذرہ'' چھوٹی چیونٹی کو کہا جاتا ہے۔ قیامت کے دن اس چیونٹی کے وزن کے برابر اچھے اور برے اعمال کا وزن ہوگا۔ اس میں لوگوں کے لیے تنبیہ ہے کہ نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی (مگر ضرور صدقہ کرکے دوزخ کی آگ سے بچنے کی

کوشش کرو)۔'' [البخاری 1417؛ صحیح مسلم 1016]

اس لیے کہ بروز قیامت وزن چیونٹی کے وزن کے برابر ہوں گے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ:......پس جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کے اعمال کئے ہوں گے؛وہ انہیں دیکھ لے گا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ:......پس جس نے ذرہ بھر بھی برائی کے اعمال کئے ہوں گے؛ وہ اس برائی کو دیکھ لے گا۔یعنی وہ اپنے اعمال کی پوری پوری سزا کا مستحق ہوگا۔ اس آیت کریمہ میں خبردار کیا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ جیسا کہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے؛ فرمایا:

''حقیر و معمولی گناہوں سے بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بھی مواخذہ ہوگا۔''

[ابن ماجه 4243؛ نسائی /الکبری 11811]

بلکہ انسان پر واجب ہوتا ہے کہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہ سے بچ کر رہے۔ اگر ان میں سے کوئی گناہ اس سے سرزد ہوجائے تو اسے چاہیے کہ فوراً توبہ کرنے میں اور اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرنے میں جلدی کرے۔

سورت عادیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝١ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝٢ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝٣ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝٤ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝٥ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝٦ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝٧ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝٨ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝٩ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝١٠ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝١١﴾

''دوڑتے ہانپتے گھوڑوں کی قسم۔ جو مار کر آگ نکالتے ہیں۔ پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں۔ پھر اس میں گرد اٹھاتے ہیں۔ پھر دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے۔ بیشک وہ مال سے سخت محبت کرتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ جب قبروں والے باہر نکال لیے جائیں گے۔ اور دلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ بے شک ان کا رب اس روز ان سے خوب واقف ہے۔''

سورہ عادیات وہ عظیم الشان سورت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان مخلوقات کی قسم اٹھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہیں قسم اٹھا سکتے ہیں؛ جب کہ مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے نام کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اگر کسی کو قسم کھانی ہی ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھائے، ورنہ خاموش رہے۔''

[البخاری 2679؛ صحیح مسلم 1646۔]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''جس نے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا۔''[ابو داؤد 3251 ؛ ترمذی 1535]

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ①:......یہ اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑوں قسم اٹھائی ہے جن کی پشتوں پر صابر اور اجر کے طلبگار؛ اعلائے دین کیلئے لڑنے والے مجاہدین فی سبیل اللہ سوار ہوتے ہیں؛ اور وہ دشمن پر جھپٹ پڑتے ہیں۔عدو: کا معنی معروف ہے؛ یعنی تیزی کے ساتھ اللہ کے دشمنوں کے ٹھکانوں کی طرف بڑھنا۔ضَبح: گھوڑے کی سانس کو کہتے ہیں۔

فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ②:......یعنی انتہائی تیزی اور برق رفتاری کی وجہ سے جب ان گھوڑوں کے پاؤں زمین پر یا پتھروں پر پڑتے ہیں تو ان سے آگ اور چنگاریاں اٹھتی ہیں؛ جو کہ ان کی قوت اور سرعت کے ساتھ ساتھ دشمن کی طرف بڑھنے میں ان کی برق رفتاری کی دلیل ہے۔

فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ③﴾: فَالْمُغِيْرٰتِ:......دھاوا بولنے والے؛ مراد وہ گھوڑے ہیں جو صبح کے وقت دشمنوں کو ان کے ٹھکانوں پر جالیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی غالب عادت یہی تھی کہ وہ اس وقت میں دشمن پر حملہ کرتے تھے۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ④:......یعنی جب وہ اس سرعت اور قوت کے ساتھ دشمن کی طرف بڑھتے ہیں ؛ تو میدان جنگ سے غبار اٹھتی ہے؛ حتی کہ وہ میدان کارزار میں رنگ جمالیتے ہیں۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ⑤:......یعنی اللہ کی راہ میں لڑنے والے گھوڑوں کی پشتوں پر بیٹھے ہوئے دشمنوں کے جمگھٹے میں گھس جاتے ہیں۔ وہ گھوڑے دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور اپنے سواروں کو لے کر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے ہیں اور اللہ کے فضل و اذن سے ان کو پامال کر کے رکھ دیتے ہیں۔

یہ قسم ہے اور جس چیز پر قسم کھائی جارہی ہے وہ انسان کے حال کا بیان ہے؛ کہ:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ⑥:......''بیشک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔''عمومی طور پر انسان کا یہی حال ہوتا ہے ۔اللہ پاک انسان پر ہر طرح کے انعامات اور احسانات اور کرم نوازیاں کرتے ہیں؛ مگر انسان اپنے رب کے انعامات و احسانات اور اس کے فضل و کرم کا ناشکر ہی رہتا ہے؛ چیزوں کو اپنے پاس روک کر رکھتا ہے اور بخل سے کام لیتا ہے۔جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے؛ اس میں سے اللہ کی راہ میں کچھ بھی خرچ نہیں کرتا ؛ سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ تعالیٰ اس بخیلی سے بچالے؛ اور وہ نجات پالے۔

وَاِنَّهٗ :......اور بیشک یہ انسان ﴿عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ⑦﴾:''اس چیز پر گواہ ہے کہ وہ ان بری صفات اور مذموم اخلاقیات کا حامل ہے۔

وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ⑧:......اور بیشک وہ مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے؛ اس کا نفس کبھی بھی قناعت نہیں

کرتا بھلے اسے جتنا بھی مال دیا جائے۔ وہ مال کی محبت میں دیوانہ ہے۔ اتنی زیادہ محبت کہ اگر انسان کو مال کی ایک وادی بھی مل جائے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ اس کے پاس ایسی ہی ایک وادی مال کی مزید ہو۔

پھر اللہ پاک نے خبردار کیا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو انسان کو ان مذموم اخلاق سے نجات دلاسکتی ہے؛ تو فرمایا:

اَفَلَا یَعْلَمُ :......کیا انسان نہیں جانتا کہ ﴿اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝﴾: جب قبروں والے باہر نکال لیے جائیں گے۔'' انسان کے ساتھ ایسا ہو کر رہنا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ چوکنا اور آگاہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور انکار نہ کرے؛ مال کی محبت میں اس پر اوندھے منہ نہ گر جائے۔ اس مقصد کو بھول جانا جس کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور عدم سے وجود میں لایا گیا ہے؛[یہ بالکل نامناسب اور حماقت پر مبنی بات ہے۔ کیونکہ] آخر کو انجام کار انسان کی موت اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے؛ پھر جو کچھ قبروں میں ہے اسے نکالا جائے گا؛ اور لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر اللہ کے سامنے بدلہ اور حساب کے لیے پیش ہوں گے۔

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝:......''اور جو (بھید) دلوں میں ہیں وہ ظاہر کر دیئے جائیں گے'' اس دن پوشیدہ امور ظاہر ہو جائیں گے۔ تا کہ انسان کو اس کے بخل اور کنجوسی اور ناشکری اور دیگر بری اخلاقیات کا بدلہ دیا جا سکے۔

اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝:......بے شک ان کا رب اس روز ان سے خوب واقف ہوگا'' اللہ تعالیٰ ان کے ظاہری اور باطنی اعمال سے آگاہ ہیں؛ خواہ وہ اعمال کھلے ہوئے ہوں یا خفیہ۔ وہ ان سب پر انہیں بدلہ دے گا۔

الْخَبِيْرُ:...... اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام ہے۔ اس کا مطلب ہے باطنی امور اور خفیہ چیزوں کا جاننے والا؛ بالکل ویسے ہی جیسا کہ وہ ظاہری اور اعلانیہ چیزوں کو جانتا ہے۔

سورت قارعہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝﴾

''کھڑ کھڑانے والی۔ کھڑ کھڑانے والی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کھڑ کھڑانے والی کیا ہے؟ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ تو جس کے اعمال کے وزن بھاری نکلیں گے۔ وہ دل پسند زندگی میں ہوگا۔ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے۔ اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے۔ اور تمہیں کیا خبر ہاویہ کیا چیز ہے؟ دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

اَلْقَارِعَةُ①:...... کھڑکھڑانے والی؛ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ قیامت کی متعدد مواصفات کی وجہ سے اس کے نام بھی متعدد ہیں۔ جو کہ اس کے اسمائے علم یا اوصاف ہیں۔ یہ اوصاف اس دن کی ہولنا کی اور عظیم امور پر دلالت کرتے ہیں۔

مَا الْقَارِعَةُ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ③:...... یہ سوالیہ انداز ڈرانے اور اس عظیم دن سے خبردار کرنے کے لیے اپنایا گیا ہے۔ کہ وہ بہت ہی بڑا اور بہت سخت دن ہوگا۔

یَوْمَ یَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ④ :...... ''جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔'' اس دن لوگوں کا حال یہ ہوگا جیسے موجیں آپس میں ٹکرا رہی ہوں۔ اور آپس میں یوں ملے ہوئے/ اختلاط میں ہوں گے جیسے جب پتنگے بکھرتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل جاتے ہیں۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ملتی ہے: ﴿كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ⑦﴾ [۵۴:۷]

''گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔''

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ:...... اور پہاڑ ہو جائیں گے۔'' یعنی یہ خاموش اور سخت مضبوط پہاڑ جنہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو پکڑ رکھا ہے؛ یہ اس دن یوں ہوں گے: ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ⑤﴾: ''جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون۔'' دھنکی ہوئی اون کا جب ڈھیر لگ جاتا ہے؛ تو وہ آپس میں پیوست نہ ہونے کی وجہ سے مضبوط نہیں ہوتا؛ حتی کہ اگر معمولی سی ہوا بھی چلے تو اسے اڑا کر لے جائے ایسے ہی ان پہاڑوں کی سختی اور قوت ختم ہو جائے گی۔

پھر اس کے بعد اس دن میں لوگوں کے احوال بیان کئے؛ کہ لوگوں کی دو اقسام ہوں گی:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ⑥:...... ''تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے'' یعنی جس کی نیکیاں ؛ اطاعت گزاری اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے کام بھاری ہو جائیں گے؛ تو وہ ﴿فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ⑦﴾: ''وہ دل پسند عیش میں ہوگا'' یعنی جنت خلد میں؛ اور ان دائمی نعمتوں میں ہوگا جو نہ ہی چھینی جائیں گی اور نہ ہی ختم ہوں گی؛ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی؛ جن سے آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان سے ہوگا۔ اور نفوس اس پر راضی ہوں گے؛ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ قَالَ یَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى تُرِیدُونَ شَیْئًا أَزِیدُكُمْ؟ فَیَقُولُونَ: أَلَمْ تُبَیِّضْ وُجُوهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَیَكْشِفُ الْحِجَابَ، فَمَاأُعْطُوا شَیْئًا أَحَبَّ إِلَیْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَى رَبِّهِمْ عَزَّ وَجَلَّ)) [مسلم 181]

''جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہیں مزید کچھ دوں؟ تو وہ عرض کریں گے: اے اللہ! کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ اور کیا

تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا؟ کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اللہ ان کے اور اپنے درمیان سے پردے اٹھا دے گا؛ اور جنتی اللہ کا دیدار کریں گے تو ان کو اس دیدار سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوگی۔'' اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان لوگوں میں سے ہی بنا دے۔''

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸:...... ''اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے'' یعنی گناہوں؛ برائیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے؛ تو ﴿فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹﴾: ''اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے'' یعنی اس کی جگہ اور مقام۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''اُمُّہ'' کا معنی ہے: سر؛ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے سر کے بل جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝۱۰:...... ''اور تم کیا سمجھے کہ ہاویہ کیا چیز ہے'' ہاویہ (جہنم کی آگ) سے متعلق اس سوال کا یہ انداز اس معاملہ کی عظمت کے بیان کے لیے ہے تا کہ اس کا خطرہ واضح ہو سکے۔

نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱ :... ''دہکتی ہوئی آگ ہے'' انتہائی سخت جلا دینے والی آگ؛ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: ''تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔'' [بخاری 3265 مسلم 2843]

سورت تکاثر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸﴾

''کثرت کی طلب نے غافل کر دیا۔ حتی کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ پھر دیکھو تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم یقینی طور پر جانتے ہوتے۔ تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ پھر ضرور اس کو دیکھو گے کہ آنکھوں کو یقین آ جائے گا۔ پھر اس روز تم سے نعمت کے بارے میں پرسش ہو گی۔''

اس سورت کے متعلق علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''یہ سورت خالص وعد و وعید ڈراوے اور دھمکی پر مشتمل ہے۔ عقل مند کے لیے اس کا وعظ کافی ہے۔'' [الفوائد؛ ص 30]

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ :...... ''تم کو بہت زیادہ مال کی طلب نے غافل کر دیا'' یعنی تمہیں دوسرے کاموں میں مشغول کر دیا؛ اور تم یہ زندگی استمرار کے ساتھ غفلت سے گزارنے لگے۔ ﴿التَّكَاثُرُ ۝۱﴾: ''یعنی اتنا مال طلب کرنا جس سے لوگوں پر اپنا مالدار ہونا جتا سکیں؛ جیسے تجارت کا مال؛ رہائش؛ سواری کے ذرائع؛ اولاد اور دیگر چیزیں۔ جس کا

مقصد ہی ایک دوسرے پر اپنے مال کی کثرت ظاہر کرنا ہوتا ہے۔اس کثرت کی چاہت نے تمہیں اس مقصد سے غافل کر دیا جس کے لیے تم پیدا کیے گئے تھے اور اس کے حقائق کو پورا کرنے کے لیے تمہیں عدم سے وجود بخشا گیا تھا؛ اور وہ مقصد ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت۔ بہت سارے لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی تخلیق کے مقصد یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسری چیزوں میں مشغول ہو گئے ہیں۔

حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢:......'حتی کہ تم نے قبریں جا دیکھیں''یعنی تمہاری غفلت اور مشغولیت کا یہی حال رہا؛ اور تم ان چیزوں میں مگن رہے حتی کہ تمہاری موت آ گئی اور تمہیں قبروں میں داخل کر دیا گیا۔اکثر لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے ۔آپ دیکھیں گے کوئی ایک اسی مال کی طلب میں تھک ہار کر ہانپ رہا ہوتا ہے کہ اسے موت آ جاتی ہے۔ پھر اسے قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے۔قبروں میں داخل ہونے کو قبروں کی زیارت کا نام دیا گیا ہے؛ اس لیے کہ قبر دنیا اور آخرت کے مابین ایک برزخ ہے؛ اور دنیا سے آخرت کی طرف ایک گزر گاہ ہے؛ قبر میں مردہ ایسے ہی داخل ہوتا ہے جیسے زائر۔ کیونکہ وہ ہمیشہ قبر میں نہیں رہتا۔ بلکہ یہ صرف زیارت ہی ہے پھر وہاں سے دار آخرت میں منتقل ہو جاتا ہے۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣:......''دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا''﴿كَلَّا﴾:''دیکھو'' یہ لفظ اس حالت اور ان اوصاف پر زجر و توبیخ کے لیے ہے۔یعنی معاملہ ایسے نہیں ہے جیسے تم غفلت میں زیادہ مال بنانے کے چکر میں لگے ہوئے ہو۔عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا جب تم قبروں میں داخل کر دیے جاؤ گے اور تم اچھے اور برے عمل کا انجام کار دیکھ لو گے۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤:......''پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا''اس آیت میں پہلی آیت کی تاکید و تائید ہے تاکہ اس دن کی عظمت اور ہولناکی اور خطرہ بیان ہو سکے۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝٥:......''ہر گز نہیں اگر تم یقینی طور پر جانتے ہوتے ''یعنی اگر انسان یقینی طور پر اس انجام کار کو جان لیتا؛ اور اسے اس ٹھکانے کا علم ہوتا تو زیادہ مال کی چاہت اسے کبھی بھی غافل نہ کرتی اور نہ ہی اس مقصد سے ہٹا کر دوسرے کاموں میں لگاتی جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور عدم سے وجود بخشا گیا ہے۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝٦:......''تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے''یعنی تم قیامت کے دن آؤ گے تو اس جہنم کو دیکھ لو گے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے تیار کر رکھی ہے۔

جحیم سے مراد: جہنم کی آگ ہے۔جہنم کو بروز قیامت ارض محشر میں لایا جائے گا۔جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّونَهَا))

''جہنم کو لایا جائے گا اس دن جہنم کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر ایک لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوئے

کھینچ رہے ہوں گے۔''[مسلم 2842]

وہاں لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اس کا مشاہدہ کریں گے۔''

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝ :...... ''پھر اس کو دیکھو گے آنکھوں کو یقین آ جائے گا'' یعنی تم اسے حقیقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے؛ یہ قیامت کے دن ہوگا۔ جب لوگ اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہوں گے۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ :...... ''پھر اس روز تم سے (شکر) نعمت کے بارے میں پرسش ہو گی'' یعنی اللہ تعالیٰ بروز قیامت تم سے ان نعمتوں کے متعلق پوچھ گچھ کریں گے جو اس نے دنیا کی زندگی میں تم کو دی تھیں۔ اس میں مال کی نعمت بھی داخل ہے؛ اور صحت و عافیت اور اولاد اور سواری کی نعمت بھی؛ رہائش کی نعمت بھی۔ حتی کہ ٹھنڈے پانی کے متعلق بھی پوچھا جائے گا۔''❶

سورت عصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾

''عصر کی قسم! انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

یہ انتہائی عظیم، مختصر؛ بلیغ اور جامع سورت ہے جس نے ہر قسم کی خیر وبھلائی کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں عصر (زمانے) کی قسم اٹھائی ہے؛ زمانہ جس میں دن اور رات بدلتے ہیں اور انسان اچھے اور برے اعمال کرتے ہیں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ:...... بیشک جنس انسان (یعنی سارے لوگ) ﴿لَفِيْ خُسْرٍ ۝﴾: یقینی گھاٹے میں ہے؛ سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مستثنیٰ قرار دیا ہے؛ اور وہ وہ لوگ ہیں جن میں چار صفات پائی جائیں:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا:...... ''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے'' یعنی اللہ تعالیٰ پر اور ان احکام پر جو اس نے بندوں کے لیے جاری کئے ہیں۔ اس آیت میں علم کی بات ہورہی ہے۔ اس لیے کہ علم اور بصیرت کی بغیر ایمان ناممکن ہے۔

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ:...... ''اور نیک عمل کرتے رہے'' یعنی مختلف قسم کے نیکی کے کاموں سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتے رہے۔ اور اللہ کی رضامندی کی تلاش میں مختلف قسم کے نیک اعمال بجالاتے رہے۔ ان کے اس ایمان اور نیک اعمال میں ان کے اپنے نفوس کی تکمیل ہے۔

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ:...... ''اور آپس میں حق کی تلقین کرتے رہے'' حق سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دین ہے جسے اس نے اپنے

بندوں کے لیے چن لیا ہے؛ اوران کے لیے اسے شریعت مقرر کیا ہے۔ اس کی وصیت کرنے سے مراد ایک دوسرے کو اس دین کے اہتمام اور حفاظت کی ترغیب دینا ہے۔ اس میں اپنے نفس کی تکمیل کے بعد دوسروں کی تکمیل ہے۔

1 رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے جن نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا، (وہ یہ ہیں) اس سے کہا جائے گا: کیا میں نے تمہارے لیے تمہارے جسم کو تندرست اور ٹھیک ٹھاک نہ رکھا اور تمہیں ٹھنڈا پانی نہ پلاتا رہا؟'' امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔ قال الألبانی: صحیح، الصحیحة (539)، الترمذی (3358)؛ الحاکم (7203).

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③: ...... ''اور آپس میں صبر کی تاکید کرتے رہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری میں لگے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچ کر رہنے کی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے دکھ و درد والی تقدیر پر رضامندی کی تلقین کرتے رہے۔ اس آیت میں دعوت کی راہ کا بیان ہے؛ اس میں تکالیف اور پریشانی کا آنا ضروری ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھے تاکہ وہ اللہ کے فضل و کرم سے نجات یافتہ اور کامیاب لوگوں میں سے ہوجائے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان گرامی ہے:

''اگر لوگ اس سورت میں غور و فکر کریں تو انہیں کافی ہوجائے۔'' یعنی انہیں وعظ و زجر اور ممنوعہ کاموں سے توبیخ کے لیے کافی ہوجائے۔ اور انہیں مختلف قسم کے نیکی اور بھلائی کے کاموں کی طرف لے جائے۔

سورت ہمزہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ① الَّذِىۡ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ② يَحۡسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخۡلَدَهٗ ③ كَلَّا لَيُنۡۢبَذَنَّ فِى الۡحُطَمَةِ ④ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الۡمُوۡقَدَةُ ⑥ الَّتِىۡ تَطَّلِعُ عَلَى الۡاَفۡـِٕدَةِ ⑦ اِنَّهَا عَلَيۡهِمۡ مُّؤۡصَدَةٌ ⑧ فِىۡ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ⑨﴾

''ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے۔ جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔ اور اور آپ کو کیا معلوم حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں پر جا لپٹے گی۔ (اور) وہ اس میں بند کر دیئے جائیں گے۔ (یعنی آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔''

وَيۡلٌ: ...... خرابی؛ ہلاکت؛ خسارہ؛ گھاٹا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''ویل'' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔

لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ ①: ...... ''ہر طعن آمیز اشارتی چغل خور کے لیے'' یعنی اس کا کام دھندہ ہی ٹھٹھہ اڑانا اور لوگوں کی عزت و آبرو پر زبان درازی کرنا؛ ان کے نقائص بیان کرنا ہے۔

هُمَزَةٍ:......زبانی تنقیص کرنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ لُّمَزَةٍ:فعل اور اشارہ سے تنقیص کرنے کو کہتے ہیں۔

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿۲﴾:......''جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے''یعنی اس کی سوچ وفکر اور مشغلہ یہی ہے کہ مال جمع کرے؛ اسے بڑھانے کی فکر میں لگا رہے؛ اسے گنتا رہے؛ یہ کہ اس کے پاس اتنا اتنا مال ہے۔ اتنے غلام ہیں؛ اور اتنے جانور ہیں؛ اتنی اتنی رہائش گاہیں ہیں۔ اتنے سارے زرعی رقبے ہیں۔ وہ انہیں گنے اور اس پر فخر کرے اور لوگوں سے برابری کرتے ہوئے اپنے اس مال کی وجہ سے ان پر اپنی شان اور مقام ومرتبہ بڑھائے۔

یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ﴿۳﴾:......''وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا''وہ سوچتا ہے کہ جس آدمی کی یہ حالت ہو؛ اور اس کے پاس اتنا اتنا مال ہو؛ کہ اس نے جو مال جمع کیا ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں پر فخر جتلاتا ہے؛ اور مالدار بنا پھرتا ہے؛ تو اس کا مال اس کے لیے ابدی دنیاوی زندگی کا سبب بنے گا۔

كَلَّا:......''ہرگز نہیں''معاملہ ایسے نہیں ہے جیسے وہ خیال کرتا ہے اور بدگمانی میں پڑا ہوا ہے۔

لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ﴿۴﴾:......''وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا''اس کا انجام کار مرنا ہوگا؛ اور وہ مال کو اپنے پیچھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ پھر قیامت کے دن اس کا انجام یہ ہوگا کہ اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ''حطمہ'' بھی ہے (یعنی مٹا دینے والی)۔ اس لیے کہ جو کوئی اس آگ میں ڈالا جائے گا یہ اپنی شدت اور سختی کی وجہ سے اسے توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کردے گی۔

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿۵﴾:......''اور آپ کو کیا معلوم حطمہ کیا ہے؟ یہ الْحُطَمَةُ کیا ہے؟ اور کیسے ہوگی؟ یہ سوالیہ انداز اس کی ہولنا کی بیان کرنے کے لیے ہے تا کہ اس آگ کے خطرہ سے آگاہ کیا جائے سکے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿۶﴾:......''وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے''یعنی وہ آگ دھکائی گئی ہے؛ اس آگ میں بہت زیادہ ایندھن ہونے کی وجہ سے اس کی گرمی بھی بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آگ سے اور ہر اس قول وفعل سے دور رکھے جو اس کے قریب کرنے والا ہو۔

الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـِٕدَةِ ﴿۷﴾:......''جو دلوں پر جا لپٹے گی''اس آگ کے لپٹنے کے لیے دل کو بطور خاص ذکر کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ دل تمام اعمال کا منبع ومصدر اور اصلی محرک ہے۔ اعمال دل سے نکلتے ہیں۔ حدیث میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ)) (صحیح بخاری : ح 52)

''خبردار ہو جاؤ! کہ بدن میں ایک ٹکڑا گوشت کا ہے، جب وہ سنور جاتا ہے تو تمام بدن سنور جاتا ہے اور جب

وہ خراب ہوجاتا ہے تو تمام بدن خراب ہوجاتا ہے، سنو وہ ٹکڑا دل ہے۔''

اِنَّهَا:...... ''بیشک وہ آگ'' ﴿عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝۸﴾: ''اس میں بند کردیئے جائیں گے''، یعنی بہت اچھی طرح بند ہوگی۔

فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝۹:...... ''لمبے لمبے ستونوں میں''، یعنی جہنم کے دروازے پر لمبے لمبے ستون ہوں گے؛ اور پھر یہ دروازے بند کردیے جائیں گے اور وہ وہاں سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔

سورت فیل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵﴾

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کیا؟ اور ان پر ابابیل پرندے بھیجے۔ جو ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے۔ تو ان کو ایسا کردیا جیسے کھایا ہوا بھس۔''

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱:...... ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔'' اے نبی ﷺ! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابرہہ اور اس کے لشکر کے ساتھ کیا کیا؟ جن کے ساتھ ہاتھی بھی تھا؛ اور وہ بیت اللہ یعنی کعبہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے آئے تھے۔

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ:...... کیا ان کا داؤ؛ مکر اور چال اور بیت اللہ کو منہدم کرنے کی ان کی منصوبہ بندی کو ﴿فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝۲﴾: غلط نہیں کیا؟؛ ان کی کوششیں اکارت نہیں کیں۔ اور انہیں ذلت آمیز اور عبرتناک انجام سے دوچار نہیں کیا؛ پس ان کے اس کام اور مکر اور بری چال کو گھاٹے کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوسکا۔

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝۳:...... ''اور ان پر ابابیل پرندے بھیجے'' جو ٹولیوں کی شکل میں پرندوں کے جھنڈ تھے؛ وہ لوگ ہاتھی لے کر آئے تھے؛ جو کہ ان کی نظریں سب سے بڑا اور ضخیم جانور ہے؛ جسے نہ شکاری شکار کرسکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی بیت اللہ کے ہدم کرنے سے روک سکے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر چھوٹے چھوٹے پرندے بھیجے؛ جنہوں نے اپنی چونچوں میں کنکر اٹھائے ہوئے تھے۔

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝۴:...... ''جو ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے''، یعنی وہ پرندے بلندی سے ان پر

خاک آلود کنکر یلے پتھر پھینکتے؛ تو جب وہ کنکر ان میں سے کسی ایک پر گرتا تو وہ بہت بری طرح سے ہلاک ہو جاتا۔

فَجَعَلَهُمْ :......''تو ان کو ایسا کر دیا'' یعنی یہ جمگھٹ جو بیت اللہ کو ہدم کرنے کے ارادہ سے آیا تھا؛ ﴿ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝٥ ﴾:''جیسے کھایا ہوا بھس'' وہ کھیتی جس پر جانور پل پڑیں؛ اور اسے کھا بھی لیں اور اپنے پاؤں سے روند بھی ڈالیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔اور یہ کہ انسان جتنی بھی مرضی چالیں چل لے؛ اور منصوبے تیار کر لے؛ اللہ تعالیٰ بھی اس کی گھات میں ہوتے ہیں؛ اور ایسے لوگوں کا عبرتناک انجام دنیا اور آخرت میں ذلت و رسوائی اور گھاٹے کی شکل میں ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اسی واقعہ فیل والے سال پیدا ہوئے جس سے سال یہ اتنا بڑا حادثہ پیش آیا یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی جملہ نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

سورت قریش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝١ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝٢ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝٣ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝٤ ﴾

''قریش کے مانوس کرنے کے سبب۔ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب۔لوگوں کو چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔''

بہت سارے مفسرین کرام کہتے ہیں کہ آیت ﴿ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝١ ﴾: میں جار و مجرور اپنے سے پہلی سورت ؛سورت فیل سے متعلق ہے۔اس لیے کہ بلا شک وشبہ ابرہہ اور اس کے لشکر کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کی عظیم اور کامل قدرت اور بہت سخت پکڑ کی دلیل و علامت ہے۔اس واقعہ کے بعد قریش کی ہیبت بڑھ گئی؛ چنانچہ وہ اپنی رہائش پر اور گرمیوں اور سردیوں کے تجارتی سفروں میں اطمینان وسکون محسوس کرنے لگے۔

إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝٢:......''ان کو جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے سبب'' یعنی جن نعمتوں سے یہ لوگ مالا مال ہو رہے ہیں؛ جیسے امن ؛ وسعت بالی؛ اور یہ کہ ان کے تجارتی سفر بھی امن میں ہوتے ہیں ؛سردیوں میں وہ شام کی طرف سفر کرتے تھے؛ اور گرمیوں میں یمن کی طرف۔ وہ ہر جگہ پر امن سے جاتے اور واپس آتے۔تو یہ نعمتیں ان پر واجب کرتی تھیں کہ وہ ان کے انعام کرنے والے کا شکر ادا کریں اور صرف اسی کی عبادت کریں؛ اسی لیے آگے فرمایا کہ:

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝۳:...... ''پس چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں'' یعنی اپنی عبادات خالص اسی کے لیے بجالائیں اور اپنی عبادات میں اس کی توحید کا اہتمام کریں ؛ دین کو خالص اس کے لیے کردیں۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہی اس کا ہم پلہ بنائیں۔

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴ :...... ''جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا'' یعنی وہ ذات جس نے ان پر کھانے اور امن کا انعام کیا؛ پس یہ نعمتیں اور اس انعام کرنے والے کے شکر اور دین کو اس کے لیے خالص کرنے کو واجب کرتی ہیں ؛ کہ عبادت میں اس کی توحید بجالائی جائے۔تبارک وتعالیٰ ۔۔

سورت ماعون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰي طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاۗءُوْنَ ۝۶ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷﴾

''بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہ وہی ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لیے ترغیب نہیں دیتا۔تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے۔جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔جو ریا کاری کرتے ہیں۔اور برتنے کی چیزیں مانگے نہیں دیتے۔''

اَرَءَيْتَ :...... ''اے نبی ! بھلا آپ نے دیکھا ہے'' یہاں پر سوال تعجب کے لیے ہے۔ ﴿الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱﴾ : '' جو شخص روزِ جزا کو جھٹلاتا ہے؟'' یعنی بدلہ دیے جانے کو؛ دوبارہ اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے ؛ اور اس سے ملاقات کو جھٹلاتا ہے؟ اور اس دین کو جھٹلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے شریعت مقرر کیا ہے ؛ اور اپنے بندوں کو اس دین کے اختیار کرنے کی دعوت دی ہے جو دین اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے لیے اخلاص پر قائم ہے۔

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ وَلَا يَحُضُّ عَلٰي طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ :...... ''یہ وہی ہے، جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لیے ترغیب نہیں دیتا'' یعنی اس تکذیب کے ثمرہ اور نتیجہ میں انسان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ ﴿يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲﴾ وہ یتیموں کو دھکے دیتا ہے ؛ اور انہیں بہت سخت ڈانٹتا ہے ؛ اور بہت بری طرح سے دھتکار دیتا ہے۔ان کے ساتھ شفقت اور رحمت کا برتاؤ نہیں کرتا۔﴿وَلَا يَحُضُّ﴾ : اور نہ ہی دوسروں کو ترغیب دیتا ہے کہ ﴿عَلٰي طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳﴾ : مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔ کیونکہ وہ جب بذات خود نہ ہی کھانا کھلاتا ہے ؛ نہ ہی ان پر

خرچ کرتا ہے؛ اور نہ ہی ان کے کام آتا ہے تو پھر وہ کسی دوسرے کو یہ کام کرنے کی ترغیب کیسے دے سکتا ہے؟ پھر ارشاد فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝٤ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝٥ :...... ''تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے۔ جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں'' اللہ تعالیٰ ان کا وصف یہ بیان کیا ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں؛ نمازیں ترک کرنے والے نہیں ؛لیکن وہ ان نمازوں سے غافل ہی ہوتے ہیں۔ ان کا وقت گزار دیتے ہیں۔اس کی شروط ؛ارکان اور واجبات کی پابندی نہیں کرتے۔

نماز سے غفلت برتنے میں اور نماز میں غفلت (سہو) ہوجانے میں فرق ہے۔نماز میں انسان سے بھول ہو جاتی ہے جس کا ازالہ وہ سجدہ سہو سے کر لیتا ہے۔لیکن مصیبت تو نماز کو بھول جانے اور اس سے غفلت برتنے میں ؛اس کے اوقات ضائع کرنے ؛ شروط وارکان اور واجبات کے ضائع کرنے میں فرق ہے۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کے ہاں نماز کا کوئی مقام ومرتبہ کوئی شان اور عظمت نہیں ہوتی۔

الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝٦ :......''جو ریا کاری کرتے ہیں''یعنی اپنے اعمال اور نمازیں لوگوں کو دکھانے کے لیے بجا لاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''پوشیدہ شرک یہ ہے کہ آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے،تو اپنی نماز کو صرف اس وجہ سے خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے۔'' [أحمد 11252؛سنن ابن ماجہ 4204]

وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝٧ :......''اور برتنے کی چیزیں عاریۃً نہیں دیتے''یعنی اپنے بخل کی شدت کی وجہ سے عام استعمال کی چیزیں بھی برتنے کے لیے نہیں دیتے۔ عاریہ: اس چیز کو کہتے ہیں جو محدود وقت میں فائدہ حاصل کرنے کے لیے لی جائے اور پھر مالک کو واپس کردی جائے۔مثال کے طور پر: ہانڈی؛ کڑچھ؛ کدال؛ کلہاڑا؛ سوئی؛ اور اس طرح کی دیگر چیزیں جو پڑوسی ایک دوسرے سے ادھار مانگ لیا کرتے ہیں۔

سورت کوثر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝١ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣﴾

''بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے۔تو آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھا کریں اور قربانی دیا کریں۔ بیشک آپ کا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔''

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝١ :......''بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے''اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے احسان کا ذکر کیا ہے کہ ہم نے آپ کو کوثر یعنی بہت بڑی عظیم الشان خیر کثیر اور عام فضل

سے نوازا ہے؛ اور انعامات میں سے ایک وہ نہر بھی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر احسان کر کے عطا فرمائیں گے؛ اور وہ حوض بھی ہے جس پر لوگ پانی پینے آئیں گے۔

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢﴾: ''تو آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھا کریں'' اس کے انعامات اور عظیم فضل وعطاء کے شکرانے کے طور پر؛ ﴿وَانْحَرْ ۝٢﴾: ''اور قربانی دیا کریں'' یعنی آپ کا ذبح کرنا بھی خالص اللہ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝١٦٢ لَا شَرِيكَ لَهُ﴾ [٦:١٦٣]

''آپ فرما دیں بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔''

إِنَّ شَانِئَكَ: ...... ''بیشک آپ کا دشمن ہی'' آپ سے عداوت اور بغض رکھنے والا ﴿هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣﴾: ''بے اولاد رہے گا۔'' یعنی ہر خیر و بھلائی سے محروم ہوگا؛ نیز نہ ہی اس کا ذکر خیر ہوگا۔ بلکہ لوگ اسے ہمیشہ برے الفاظ میں اور برائی کے ساتھ ہی یاد کریں گے۔''

سورت کافرون

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝١ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝٢ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝٣ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝٤ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ۝٦﴾

''کہہ دو اے کافرو! میں اس کو نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو۔ اور تم اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور میں ان کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہوں۔ اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔''

یہ سورت ''سورہ کافرون'' حقیقت میں مشرکین اور شرک؛ اور کفار اور کفر سے برأت کی سورت ہے۔

قُلْ: ......یعنی اے نبی! آپ فرما دیجیے: ﴿يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝١﴾: ''اے کافرو! جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو؛ اور اللہ کے ساتھ بتوں اور مورتیوں کو پوجتے ہو۔

لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ۝٢: ...... ''جن کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا۔'' یعنی وہ بت اور مورتیاں جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم پلہ اور شریک بنا لیا ہے۔ [ہم ان کی عبادت نہیں کرتے۔]

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ :...... ''اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔'' حالانکہ اجمالی طور پر یہ لوگ جن کی بندگی کرتے ہیں ؛ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ مگر یہ عبادت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوتی۔ جب عبادت خالص نہ ہو تو وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوتی۔ جیسے نماز اس وقت تک نماز نہیں ہوسکتی جب تک اسے پاکیزگی کی حالت میں ادا نہ کیا جائے۔ اگر کوئی انسان بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے؛ تو اس کے حق میں یہ کہنا درست ہوگا کہ اس نے نماز ادا نہیں کی۔ ایسے ہی جو کوئی بغیر اخلاص کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتا ہے تو اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ اس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔ اس لیے کہ اخلاص کے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں ہوسکتی۔

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ :......اور میں ان کی پرستش کرنے والا نہیں ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہوں۔ اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔'' یہ کہا گیا ہے کہ پہلا انکار معبود کے اعتبار سے ہے۔ پس نبی کریم ﷺ پورے اخلاص کے ساتھ دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے تھے۔ جب کہ مشرکین بتوں اور مورتیوں کی پوجا کرتے تھے۔ دوم یہ کہ: بذات خود عبادت ! پس نبی کریم ﷺ کی عبادت اخلاص اور توحید پر مبنی تھی۔ جب کہ ان لوگوں کی عبادت میں شرک اور اللہ تعالیٰ کی ساتھ غیر کی برابری پائی جاتی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: تاکہ پہلا انکار فعل کے عدم وجود پر دلالت کرے اور دوسرا انکار اس کے لیے وصف لازم کا کردار ادا کرے۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶ :...... ''تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر۔'' یہ مشرکین سے اور ان کے دین سے برأت کا اعلان ہے۔ تم اپنے دین پر: یعنی جو تم بتوں اور مورتیوں کی عبادت کرتے ہو؛ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک اور ہم پلہ ٹھہراتے ہو۔ اور میرے لیے میرا دین توحید ہے جو کہ خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مبنی ہے۔

سورت نصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳﴾

''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی۔ اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔''

اس سورت میں نبی کریم ﷺ کے لیے عظیم الشان نصرت اور فتح مبین کی بشارت ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ①:...... ''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی'' مراد فتح مکہ ہے؛ اس میں آپ پر اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے احسان اور فضل عظیم کی طرف اشارہ ہے؛ اور بیشک یہ کام حقیقت میں اب ہو کر رہے گا۔

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③: اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ غول کے غول اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔تو اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو، بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔''یعنی آپ کثرت کے ساتھ تسبیح اور استغفار کریں۔یہ سورت نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ کثرت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللهُمَّ اغْفِرْ لِي))

''یا اللہ! ہمارے رب تو پاک ہے اور تیری تعریف ہے یا اللہ میری مغفرت فرما۔''اور حکم قرآن پر عمل کرتے۔''

متفق عليه: رواه البخاري في التفسير (4968)، ومسلم في الصلاة (484)

اس سورت سے مستفاد معانی میں سے یہ بھی ہے کہ: نبی کریم ﷺ کو آپ کی اجل کے قریب آجانے کی خبر دی جا رہی ہے۔جب یہ فتح اور نصرت حاصل ہوگئی ہے۔اب اس عظیم الشان اطاعت گزاری کے کام کو استغفار پر ختم کریں۔

نبی کریم ﷺ کی مبارک اور ایمان اور اطاعت والی زندگی بھی اسی پر ختم ہو رہی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر میں جو کلمات سنے گئے وہ یہ تھے:

((اللهمَّ اغْفِرْ لِي، وَارْحَمْنِي، وأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيْقِ الأَعْلَى)) [البخاري(4440) ومسلم (2444)]

''اے میرے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور مجھ کو رفیق اعلی سے ملا دے۔''

سورت تبت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ⑤﴾

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا؛ اور اس کی بیوی بھی لکڑیاں اٹھانے والی؛ اس کے گلے میں مونج کی رسّی ہوگی۔''

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ①:...... ''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔''اس سورت کی شان نزول میں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھے اور پکارا: یا صباحاہ! (لوگو دوڑو)۔اس آواز پر قریش جمع ہو گئے

اور پوچھا کیا بات ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہاری کیا رائے ہے اگر میں تمہیں بتاؤں کہ دشمن صبح کے وقت یا شام کے وقت تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق نہیں کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''پھر میں تم کو سخت ترین عذاب (دوزخ) سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔'' تو ابولہب (مردود) بولا تو ہلاک ہو جا، کیا تو نے اسی لیے ہمیں بلایا تھا۔ اس پر اللہ پاک نے آیت نازل فرمائی: ﴿تَبَّتۡ يَدَآ اَبِيۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝١﴾۔ [البخاری 4801 مسلم 208؛ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ]

مَآ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝٢:...... ''نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا۔'' یعنی جو اموال اس نے جمع کیے تھے؛ اور اس کی اولاد اور تجارت کوئی بھی چیز اللہ کے ہاں اسے کچھ بھی کام نہ آئی۔

سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝٣ وَّامۡرَاَتُهٗ :...... ''وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی بھی۔'' یعنی خود ابولہب اور اس کی بیوی جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ یہ سورت ابولہب اور اس کی بیوی کی زندگی میں نازل ہوئی۔ اور یہ آپ کے بڑے بڑے معجزات اور صداقت کی عظیم اور عجیب نشانیوں میں سے ایک تھی۔ اس میں یہ خبر دی جارہی ہے کہ یہ دونوں کفر کی حالت میں اللہ اور اس کے دین سے دشمنی پر ہی مریں گے؛ تو ان کی موت ویسے ہی واقع ہوئی۔ اس کی بیوی کا نام اروی بنت حرب؛ ام جمیل تھا۔

حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۝٤ :...... ''لکڑیاں اٹھانے والی'' یہ سعدان نامی خاردار جھاڑیاں اور گندگی اٹھا کر لاتی اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں ڈال دیتی تاکہ آپ کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دے سکے۔

فِيۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۝٥:...... ''اس کے گلے میں مونج کی رسّی ہوگی'' اس رسی سے کھینچ کر اسے جہنم کے دھانے تک لایا جائے گا اور پھر واپس اس کے نچلے گڑھوں میں پھینک دیا جائے گا۔ یا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ جہنم میں بھی اپنے گلے میں رسی ڈالے ہوئے لکڑیاں ڈھو کر لائے گی اور اپنے شوہر پر ڈالے گی۔

سورت اخلاص

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمۡ يَلِدۡ ۙ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۝٣ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٤﴾

''فرما دیجیے: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔''

یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا:

''کیا تم میں سے کسی کے لیے یہ ممکن نہیں کہ قرآن کا ایک تہائی حصہ ایک رات میں پڑھا کرے؟''

صحابہ کو یہ عمل بڑا مشکل معلوم ہوا؛ اور انہوں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا

ہے؟ ۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر فرمایا: ((اللہ الواحد الصمد)) قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے۔''

البخاری (5015) مسلم (811)

اس سورت کو سورہ اخلاص کہا جاتا ہے؛ اس لیے کہ اس میں توحید علمی کا خالص بیان ہے۔ سورہ کافرون کو بھی سورہ اخلاص کہا ہے؛ کیونکہ اس میں توحید عملی کا خالص بیان ہے۔ پس توحید کی دو اقسام ہیں عملی اور علمی۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①:...... ''فرما دیجیے: وہ اللہ ایک ہے'' یعنی وہ اکیلا ہے؛ اس کے ناموں میں یا صفات میں کوئی اس کا ہم مثل نہیں؛ نہ ہی ربوبیت یا الوہیت میں کوئی اس کا شریک ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ②:...... ''اللہ بے نیاز ہے'' صمد: بے نیاز کو کہتے ہیں ۔ وہ اپنے اسماء وصفات میں کامل ہے؛ اور اپنی سیادت اور تعریفات میں بھی کامل ہے۔ وہ بے نیاز ہے ساری مخلوقات اس کی بارگاہ کی نیاز مند ہیں۔ اور اپنی ضروریات میں اسی کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں کمال کی بنا پر اپنی تمام تر مخلوقات سے غنی اور بے نیاز ہے۔ اس کے کمال قدرت کی وجہ سے تمام تر مخلوقات اس کی بارگاہ کی محتاج ہیں۔ اور اسی کے سامنے اپنی ضروریات کے طلبگار ہوتے ہیں اور اپنی التجائیں پیش کرتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور بے نیازی اور کمال میں سے یہ بھی کہ وہ رب سبحانہ تعالیٰ: ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③﴾: ''نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا'' اس کی اصل اور فرع دونوں کی نفی کی گئی ہے؛ وہ ان چیزوں سے منزہ ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④:...... ''اور کوئی اس کا ہمسر نہیں'' کوئی اس کا مثیل یا ہم پلہ وہم نوا نہیں؛ اور نہ ہی کوئی اس کا ہم نام ہے۔ اللہ پاک ہے ہم نواء وہم مثل اور شریک سے۔

سورت فلق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤﴾

''فرما دیجیے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ۔ ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ۔ اور شب تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے ۔ اور گانٹھوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی برائی سے ۔ اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے۔''

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①:...... ''فرما دیجیے: میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں'' فلق صبح کو کہتے ہیں ۔ یعنی

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو صبح کو لانے والا ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے مراد گھٹلی کو پھاڑنے والا ہے۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿٢﴾ :......''ہر چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی''یعنی ہر اس مخلوق کی برائی سے جس میں شر یا برائی ہو۔اس میں عمومی طور پر ان تمام مخلوقات سے پناہ مانگی گئی ہے جو برائی پر قائم ہوتی ہیں۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿٣﴾:......''اور شب تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا چھا جائے''مراد رات ہے؛ رات میں جو کچھ کیڑے مکوڑے ہوتے ہیں؛ اور جو شیاطین حرکت میں آتے ہیں؛ اور مختلف شرور پیدا ہوتے ہیں۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿٤﴾ :......''اور گانٹھوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی برائی سے''مراد جادوگرنیاں ہیں؛ جو گانٹھوں پر پڑھ کر پھونکیں مارتی ہیں تاکہ جادو پختہ اور مؤثر ہو؛ مگر ایسا صرف اللہ کے حکم سے ہی ہوسکتا ہے۔

ان چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ جادو کی ایک حقیقت ہے؛ اور وہ اپنی جگہ مؤثر بھی ہوتا ہے؛ بعض اقسام کے جادو سے قتل تک ہوسکتا ہے۔ اور بعض جادو بیمار کر دیتے ہیں۔ اور بعض جادو کی وجہ سے میاں اور بیوی میں جدائی ڈال دی جاتی ہے۔ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں اور پناہ میں رکھے؛ آمین۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾ :......''اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب حسد کرنے لگے''یعنی ہر حسد کرنے والے کی برائی سے جب اس میں حسد حرکت میں آجائے۔ اس میں نظر لگانے والے بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ حسد کے بغیر نظر نہیں لگ سکتی۔

سورت الناس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿٥﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٦﴾﴾

''فرمادیجیے: میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔لوگوں کے معبود برحق کی۔ وسوسہ انداز کی برائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔وہ جنّات میں سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔''

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾:......''فرمادیجیے: میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔لوگوں کے معبود برحق کی''ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت؛ الوہیت اور

بادشاہی کا ذکر کرکے اس کی پناہ مانگی گئی ہے۔ یہ تینوں اسماء مبارکہ: رَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ إِلَٰهِ النَّاسِ ۝٣؛ اس سے پہلے سورت فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکے ہیں ۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ کی تعریف و ثناء کے موقع پر یہ الفاظ وارد ہوئے تھے؛ اور آخر میں کتاب کے اختتام پر ان اسماء کا ذکر کرکے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے۔

مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝٤:...... ''وسوسہ انداز کی برائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے'' یہ شیطان ہے جس کے یہ دو اوصاف بیان کئے گئے ہیں کہ:

1...... وہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

2...... الْخَنَّاسِ ۝٤:...... ''جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ اور انسان سے دور چلا جاتا ہے۔ اس میں با قاعدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہنے کی ترغیب ہے کیونکہ ذکر شیطان سے بچاؤ کا بڑا ہتھیار ہے۔

الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ۝٥:...... '' جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے'' یعنی لوگوں کے دلوں میں وسوسے اور شرور ڈالتا ہے؛ برے اور گندے خیالات لاتا ہے؛ ایسے ہی گندے اور فاسد عقائد اور خبیث اور گندی تاویلات بھی اسی کی طرف سے آتی ہیں ۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦:...... ''وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے'' یہ کہ وسواس جیسے شیاطین کی طرف سے ہوتے ہیں ؛ ایسے انسان بھی وسوسے پیدا کرتے ہیں ۔

حاصل کلام! مسلمان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ کلام اللہ کے معانی سمجھے۔ عوام کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ان سورتوں کو زبانی یاد کرلے۔ یعنی سورت فاتحہ؛ اور پھر سورہ زلزال سے والناس تک ۔ اور ان کے تکرار اور معانی کو سمجھنے کا اہتمام کریں؛ اور ان کی دلالت کی معرفت حاصل کریں۔ حتی کہ ہر بار ان کی تلاوت ایسے فہم اور تدبر پر مشتمل ہو جس میں عقل کو مخاطب کیا گیا ہو۔

دوسرا سبق

ارکان اسلام

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دوسرا سبق: ارکان اسلام کے بارے میں۔

''اسلام کے پانچوں ارکان کا بیان کرنا اور ان میں سب سے پہلے اور اہم رکن "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کے معانی کی تشریح اور شرائط کی وضاحت کے ساتھ گواہی دینا ہے۔اس کا معنی یہ ہے:

"لَا إِلٰهَ" سے ان سارے معبودوں کی نفی مقصود ہے جن کی اللہ کے علاوہ پرستش کی جاتی ہے اور "إِلَّا اللّٰهُ" سے اس بات کا اثبات ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔''

شرح:

اسلام کے کچھ ارکان ہیں جن کے بغیر اس کا قائم رہنا ممکن نہیں۔رکن کسی چیز کے اس مضبوط حصہ یا جانب کو کہتے ہیں جس کے بغیر اس چیز کا قائم رہنا ناممکن ہو۔ پس ایمان کے ارکان کی مثال ایسے ہی ہوتی ہے جیسے عمارت کے لیے ستون۔(شاعر کہتا ہے):

''گھر ستونوں کے بغیر نہیں بنایا جاسکتا۔ اور ستون اس وقت تک کام نہیں کرتا جب تک کیل مضبوط نہ گاڑی ہو۔''

پس اسلام کے ارکان اس کی بنیادیں اور ستون ہیں۔اور وہ مضبوط پہلو ہیں جن کے بغیر اسلام قائم نہیں رہ سکتا۔

اسلام کا معنی ہے: اللہ تعالیٰ کی توحید بجالاتے ہوئے اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ پس جو کوئی اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا انکار کرے؛ تو وہ کافر ہے؛ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی سرنگوں ہو اور غیر کے سامنے بھی تو وہ مشرک ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے مقابلہ میں دو چیزیں اس کی الٹ ہیں ؛1۔تکبر۔2۔شرک۔

اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر قائم ہوتی ہے؛ جنہیں نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ ۔))(البخاری 8 ؛ مسلم 16)

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے ؛ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ؛ اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔''

یہ اسلام کے پانچ بنیادی فرائض ہیں۔اسلام کی عمارت ان پانچ ستونوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔

ان ارکان میں سے سب سے بڑا اور عالیشان رکن ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه محمد رسول اللّٰه '' کا اقرار ہے۔ اسی لیے اسے دیگر ارکان پر مقدم رکھا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ))

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے؛ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

پس یہ دو گواہیاں ہیں؛ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی دین اسلام کا سب سے بڑا رکن اور اہم ترین بنیاد ہیں۔ بلکہ یہ شہادت ہی وہ بنیاد ہے جس پر دین اسلام کی عمارت قائم ہے۔ ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار ان سب میں سے مطلق طور پر عظیم الشان؛ افضل اور جلیل القدر کلمہ ہے۔ اور یہی سب سے افضل ترین ذکر بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے بہتر ذکر ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه'' ہے۔'' (أخرجه الترمذی (3383) ابن ماجه (3800)

اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''سب سے بہتر دعا عرفہ والے دن کی دعا ہے اور بہترین دعا جو میں کرتا ہوں؛ اور مجھ سے پہلے دوسرے نبیوں نے کی ہے؛ وہ یہ ہے:

((لا إله إلا اللّٰه وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير))

''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں؛ اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہت ہے، اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

[أخرجه أحمد 6961 ؛ الترمذی 3585 ؛ حسنه الألبانی فی الصحیحة برقم 1503]

اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدُونِ ۝٢٥﴾ [۲۱:۲۵]

''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے قبل بھیجا ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔''

یہ کلمہ تمام مرسلین کی دعوت کا نچوڑ اور ان کی رسالت کا خلاصہ ہے۔ اور یہ وہ سب سے پہلا کلمہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام سے ان کی اقوام نے سنا۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کا سب سے پہلا خطاب یہی ہوتا تھا:

﴿ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ﴾ [۷:۵۹]

''اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود برحق نہیں۔''

شیخ رحمہ اللہ نے اس جانب توجہ دلائی ہے؛ کہ بیشک یہ مقام شہادتین کی تعلیم کا مقام ہے؛ پس اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے معانی کی شرح کی جائے اور "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّه" کی شروط بیان کی جائیں۔

جہاں تک "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّه" کے معانی کا تعلق ہے؛ تو شیخ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ: "لَا إِلَهَ" نافیہ ہے؛ جس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر معبود کی نفی کی گئی ہے۔ جبکہ "إِلَّا اللَّه" میں اثبات ہے؛ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کو ثابت مانا گیا ہے۔ یہ کلمہ دو اہم اور بنیادی ارکان پر قائم ہے؛ اور ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کی توحید ممکن نہیں ہوسکتی۔ یہ دو چیزیں ہیں: نفی اور اثبات۔

نفی عام ہے؛ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر معبود کی نفی ہے خواہ وہ معبود کوئی بھی ہو؛ جمادات یا حیوان یا نباتات یا اس کے علاوہ کوئی دیگر۔ اور اثبات خاص ہے؛ یعنی عبادت کو تمام تر معانی میں صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے خاص کرنا۔

پس جو کوئی نفی تو کرتا ہے مگر اثبات نہیں کرتا؛ وہ موحد نہیں ہوسکتا۔ اور جو کوئی اثبات تو کرتا ہے مگر نفی نہیں کرتا تو وہ بھی موحد نہیں ہوسکتا۔ پس توحید صرف نفی اور اثبات ان دونوں صورتوں میں ہی ممکن ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ﴾ [۱۷:۲۳]

"اور تمہارے رب نے فیصلہ فرما دیا: اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾ [۹۸:۵]

"اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (اور) یکسو ہوکر۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلْخَالِصُ﴾ [۳۹:۳]

"دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے (زیبا ہے)۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا۟ بِهِۦ شَيْـًٔا﴾ [۴:۳۶]

"اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔"

اور اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی کے متعلق حکایت کرتے ہوئے فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى﴾ (زخرف)

"جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا۔"

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ [١٦:٣٦]

''اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ [٢:٢٥٦]

''تو جو شخص بتوں کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔''

یہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کا معنی ہے۔ پس توحید طاغوت سے انکار اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کا نام ہے؛ اور کلمہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کا مدلول یہی ہے۔ یہ صرف ایسا کلمہ نہیں ہے جس کا کوئی معنی ہی نہ ہو۔ یا پھر ایسا لفظ نہیں جس کا کوئی مدلول ہی نہ ہو۔ بلکہ یہ کلمہ بہت بڑے اور عظیم الشان معانی اور انتہائی جلیل قدر مقاصد عمدہ ترین اہداف پر مشتمل ہے۔ ان میں سب سے بڑی چیز اللہ تعالیٰ کی توحید ہے۔

کوئی انسان تب تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ ان حقائق کو پورا نہ کردے جن پر کلمہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' دلالت کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک سے عبودیت کی نفی کرے؛ اور ہر معنی میں عبودیت کو اللہ کے لیے ثابت کرے۔

پس حقیقی موحد مؤمن وہ ہے جو سچے دل سے صحیح معنوں میں ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کہتا ہے؛ اور وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتا؛ اور نہ ہی مشکلات میں کسی سے حاجت روائی چاہتا ہے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر توکل کرتا ہے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی سے مدد کا طلبگار رہتا ہے؛ اور نہ ہی غیر اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے؛ اور نہ ہی غیر اللہ کے نام کی نذر مانتا ہے؛ اور نہ ہی کسی قسم کی عبادت کسی غیر اللہ کے لیے بجالاتا ہے؛ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:)

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾ [٦:١٦٣]

''کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اوّل فرمانبردار ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ صرف اس کلمہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کا زبانی اقرار کرنا ہی کافی نہیں؛ بلکہ اس کے معانی کو جاننا اور اس کے مدلول کا فہم حاصل کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ اور اس کی غایت اور مقصود کو پورا کرنا بھی ضروری ہے؛ یعنی کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی توحید بجالائی جائے؛ اور دین کو اسی کے لیے خالص کیا جائے۔ رہ گیا یہ کہ کوئی انسان ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار کرتا ہے؛ پھر کوئی ایسی بات کہہ کر یا کام کرکے اس کو توڑ ڈالتا ہے؛ مثلاً یہ کہ کوئی غیر اللہ کو پکارے؛ یعنی یوں کہے: اے فلاں مدد! اے فلاں صاحب میری مشکل کشائی کردیں؛ یا میں فلاں کی پناہ حاصل کرتا ہوں؛ یا میں فلاں کی پناہ میں آتا ہوں؛ یا غیر اللہ کے لیے ذبح کرے یا اس کے نام کی نذر مانے؛ تو یہ تمام باتیں کلمہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه''

کے اقرار کو توڑنے والی اور اس کے مخالف ہیں۔ پس ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کا کلمہ اپنا اقرار کرنے والے کو اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دے سکتا جب تک اس کے معانی کی سمجھ نہ حاصل کر لی جائے اور اس کے مدلول کو سمجھ لیا جائے۔ اور اس کے اصل مقصود و غایت اللہ تعالیٰ کی توحید کو بجالا یا جائے۔ اور دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیا جائے۔

وہ مشرکین جن میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے؛ وہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کے معانی سمجھتے تھے؛ لیکن انہوں نے اس کو قبول کرنے سے تکبر کیا؛ (جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:)

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝﴾[۳۷:۳٦]

''ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کرتے اور کہتے: بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔''

وہ سمجھتے تھے کہ اس کلمہ کا مطلب اللہ کے علاوہ تمام معبودوں کی عبادت کو باطل قرار دینا ہے۔ اسی لیے وہ کہتے تھے:

﴿اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾[۳۸:۵]

''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

یعنی یہ انتہائی تعجب کی بات ہے۔ اور پھر آپس میں ایک دوسرے کو ان بتوں کی عبادت پر ہی لگے رہنے کی وصیت کرنے لگے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓي اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝﴾[۳۸:٦]

''تو ان میں سے بڑے چل پڑے؛ اور بولے: چلو اور اپنے معبودوں پر صبر کرو۔ بیشک یہی بات تو مقصود ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر ہم صبر کا لباس نہیں اوڑھیں گے تو قریب ہے کہ یہ ہمیں ان معبودوں سے اور ان کی عبادت سے دور کر دے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کو ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کے معانی کی سمجھ تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾[۲:۲۵٦]

''تو جو شخص بتوں کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کو مضبوطی سے پکڑ رکھا؛ بخلاف اس متأخر زمانہ کے مشرکین کے؛ انہوں نے زبان سے تو اس کا اقرار کرنے میں تکبر نہیں کیا؛ بلکہ وہ دن میں کئی کئی بار اس کلمہ کا ورد کرتے ہیں؛ لیکن اپنے عقیدہ اور عمل سے اس کو توڑ ڈالتے ہیں؛ (اس کے خلاف کرتے ہیں)۔ وہ قبروں والوں کو پکارتے ہیں؛ ان سے مشکل کشائی چاہتے ہیں؛ اور تنگی دور کرنے اور ضروریات پوری کرنے کے لیے ان کے سامنے گریہ وزاری کرتے ہیں اور ان کی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ ان کے نام پر ذبح کرتے ہیں اور نذریں مانتے ہیں اور اس طرح کے دیگر کام کرتے ہیں۔ تو پھر اس کلمہ کا اقرار کرنا ان کو کیا فائدہ دے گا؟

حاصل کلام !اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کلمہ ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ' اپنا اقرار کرنے والے کو اس وقت فائدہ دیتا ہے جب وہ اس کے ان حقائق کو پورا کرے جن پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''یعنی ان تمام کی نفی کی جائے جن کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندگی کی جاتی ہے۔'' پس وہ اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارے؛ اور نہ ہی کسی سے مشکل کشائی چاہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر توکل کرے۔ اور نہ ہی کسی کے لیے ذبح کرے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے نام کی نذر و نیاز مانے۔ اور عبادت کا کوئی بھی کام اللہ وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی کے لیے بھی نہ بجالائے۔

کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی شروط

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی شرائط حسب ذیل ہیں:

۱۔ایسا علم جو جہالت کے منافی ہو۔ ۲۔ایسا یقین جو شک کے منافی ہو۔

۳۔ایسا اخلاص جو شرک کے منافی ہو۔ ۴۔ایسی سچائی جو جھوٹ کے منافی ہو۔

۵۔ایسی محبت جو نفرت کے منافی ہو۔ ۶۔ایسی اطاعت جو نافرمانی کے منافی ہو۔

۷۔ایسی قبولیت جو انکار کے منافی ہو۔ ۸۔ان تمام معبودوں کا انکار جن کی اللہ کے ماسوا پرستش کی جاتی ہے۔

اور یہ سب شرائط حسب ذیل دو اشعار میں جمع کر دی گئی ہیں:

عِلْمٌ وَيَقِيْنٌ وَإِخْلَاصٌ وَصِدْقُكَ مَعَ
مُحَبَّةٍ وَانْقِيَادٍ وَالْقُبُولُ لَهَا
وَزِيْدَ ثَامِنُهَا الْكُفْرَانُ مِنْكَ بِمَا
سِوَى الْإِلَهِ مِنَ الْأَشْيَاءِ قَدْ أُلِهَا

''علم، یقین، اخلاص اور سچائی نیز محبت و اطاعت اور ان کی قبولیت اور آٹھویں بات کا اضافہ کیا گیا ہے تیرا ان ساری چیزوں کا انکار جن کو اللہ کے سوا پوجا جاتا ہے۔''

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی شرائط حسب ذیل ہیں'' پھر آپ نے وہ آٹھ شرائط ذکر کی ہیں۔

اگر کوئی انسان اعتراض کرے اور کہے کہ: یہ آٹھ شرائط آپ کہاں سے لائے ہیں؟

تو کہا جائے گا: اسی مصدر سے جس سے نماز اور حج کی شرائط اور دیگر عبادات کی شرائط کا خلاصہ نکالا ہے۔ پس جیسے نماز کی کچھ شروط ہیں جن کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی؛ اور حج بھی اپنی شروط کے بغیر قبول نہیں ہوتا؛ اور زکواۃ کی شروط ہیں جن کے بغیر اس کی قبولیت نہیں ہوتی؛ ایسے ہی دیگر اطاعت اور نیکی کے کام اپنی شروط کے بغیر مقبول نہیں ہوتے؛ تو

بالکل ایسے ہی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی شرائط ہیں جن کے بغیر اس کا اقرار کرنے والے کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ان شروط کا علم قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گہری نظر اور ان کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا: کیا "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" جنت کی چابی نہیں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: کیوں نہیں؛ لیکن کوئی چابی ایسی نہیں ہوتی جس کے دندانے نہ ہوں۔ اگر آپ ایسی چابی لے کر آئیں گے جس کے دندانے ہوں تو تالہ کھلے گا؛ ورنہ نہیں۔" [علقه البخاري في صحيحه ؛ تاريخ الكبير 95/1؛ الحليلة 66/4]

اگر کوئی کہنے والا کہے کہ: بیشک صرف "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کا اقرار بھی فائدہ دے گا؛ اور یہ اقرار بغیر کسی شرط اور ضابطہ کے قبول ہے۔ تو اسے کہا جائے گا: کیا منافقین کا یہ اقرار ان کے لیے فائدہ مند ہوگا (فرمان الٰہی ہے:)

﴿إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ [٦٣:١]

"جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ آپ بے شک اللہ کے پیغمبر ہیں۔"

اور ایسے ہی جب وہ ایمان والوں سے ملتے تو کہتے: ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ تو کیا انہیں یہ اقرار فائدہ دے گا۔ اس کا قائل تو کوئی ایک بھی نہیں۔

پس "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کا صرف زبانی اقرار اپنے قائل کو صرف زبانی ادائیگی سے فائدہ نہیں دیتا؛ جب تک کہ اس کی ان شروط اور ضوابط کو پورا نہ کر لیا جائے جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آتا ہے؛ آپ سے کہا گیا: "بیشک جو کوئی بھی "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کا اقرار کرے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا؟ تو آپ نے فرمایا: "ہاں جو کوئی "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کا اقرار کرے؛ اور اس کے حقوق و فرائض ادا کرے؛ تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔" [الحجة في بيان المحجة 152/2]

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کی شرائط یہ ہیں:

اوّل:...... ایسا علم جو جہالت کے منافی ہو۔ یعنی نفی اور اثبات کی صورت میں اس کے معانی کا علم ہو؛ اور اس حقیقت کا علم ہو جس پر اللہ تعالیٰ کی توحید دلالت کرتی ہے۔ اور پھر عبادت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو منفرد رکھا جائے۔ اور دین کو اسی کے لیے خالص کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن کی بھی بندگی کی جاتی ہے؛ ان کا انکار کیا جائے۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے کئی آیات ذکر کی ہیں جو "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه" کا معنی واضح کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ [٧:٥٩]

"اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا﴾ [٤:٣٦]

''اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [۹۸:۵]

''اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔''

یہ کہنا کہ: ''جہالت کے منافی ہو'' اس کا مطلب ہے کہ اس کلمہ کا ایسا صحیح علم اور درست فہم ہو جو انسان کو جہالت اور جاہلین کے طرز سے باہر نکال لائے۔ اگر کوئی آدمی اس کلمہ کا اقرار تو کرے مگر اسے اس کے معانی و مدلول کا علم نہ ہو؛ تو اس کا یہ اقرار اسے کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ [۴۷:۱۹]

''جان لیجیے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اہل ایمان مرد و خواتین کے لیے بھی۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے علم سے شروع کیا جو کہ اصل بنیاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [۴۳:۸۶]

''ہاں جو یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔''

اہل علم مفسرین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ﴿اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ﴾ ''ہاں جو حق کی گواہی دیں'' سے مراد ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه'' ہے؛ اور: ﴿وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔'' یعنی وہ اس چیز کے معانی جانتے ہوں جس کی گواہی دے رہے ہیں۔'' [تفسیر الطبری 662/20 ؛ تفسیر بغوی 7/ 224]

صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (مسلم 26؛ بروایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ)

''جو اس حال میں مر جائے کہ اسے یقینی علم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں؛ تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

تو یہاں پر علم کے ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔

دوم:...... ایسا یقین جو شک و شبہ کے منافی ہو۔ یقین علم کی منتہاء اور کمال ہوتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا﴾ [۴۹:۱۵]

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے۔''

یعنی انہیں ایسا یقین ہو جس کے بعد وہ کسی شک و شبہ کا شکار نہ ہوں۔ ایمان اور توحید میں یقین اور صحیح عقیدہ کا ہونا بہت ضروری ہے؛ جس کے ساتھ دل بندھا ہوا ہو۔ اگر کوئی شخص متردد اور شک و شبہ کا شکار ہو؛ تو ایسا ایمان قبول نہیں کیا

جاتا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے یہ کہا:

((أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ لَا يَلْقَى اللَّهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ)) (مسلم27؛ عن ابی ھریرہ)

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ان دونوں باتوں کی شہادتوں کا یقین رکھتے ہوئے ملے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔''

یہاں پر یقین کی شرط لگائی گئی ہے جس سے شک کی نفی ہوتی ہے۔ ایسے ہی دوسری حدیث میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((فَمَنْ لَقِيتَ مِنْ وَرَاءِ هَذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهُ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ)) (مسلم 31)

''جس شخص سے باغ کے باہر ملو؛ وہ دل کے یقین کے ساتھ لا الٰہ الاّ اللہ کہتا ہو؛ اس کو جنت کی بشارت دے دو۔''

یہ ضروری ہے کہ یہ کلمہ دل کے یقین کے ساتھ زبان سے جاری ہو؛ اور انسان کو اس کی حقانیت میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔ اور اگر اس کے ساتھ معمولی سا بھی شک وشبہ ہوا تو اس کے اقرار کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا؛ بھلے انسان اس کلمہ کا کتنی مرتبہ تکرار ہی کیوں نہ کرلے۔

سوم:...... ایسا اخلاص جو شرک اور ریا کاری کے منافی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾ [۹۸:۵]

''اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلْخَالِصُ ۚ﴾ [۳۹:۳]

''دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے (زیبا ہے)۔''

صحیح بخاری میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''قیامت میں سب سے زیادہ فیض یاب میری شفاعت سے وہ شخص ہوگا، جو سچے دل سے یا سچے جی سے لا الٰہ الا اللہ کہے گا۔'' (البخاری 99)

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاص کی شرط لگائی ہے۔ یعنی اس کلمہ کا اقرار اخلاص قلب سے ہو؛ اس کلمہ کے اقرار اور دین کے اعمال سے مقصود صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا حصول ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۝﴾ [۳۹:۳]

''دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے (زیبا ہے)۔''

خالص اس صاف اور پاکیزہ چیز کو کہتے ہیں جس میں کوئی ملاوٹ یا شبہ یا دکھلاوا؛ یا دیگر کوئی ایسی بات نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی میں لغوی اعتبار سے ''خالص'' کے معنی میں غور کریں؛ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶﴾ [۱۶:۶۶]

''اور بیشک تمہارے لیے چار پایوں میں بھی مقام عبرت ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو کے درمیان سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔''

خَالِصًا:...... یعنی پاک وصاف ؛جس میں گوبر یا خون کا شائبہ تک نہیں ہوتا؛ حالانکہ وہ خون اور گوبر کے درمیان سے نکل کر آتا ہے؛ لیکن انتہائی پاکیزگی اور پوری صفائی اور ستھرائی کے ساتھ۔

پس اللہ رب العالمین کی عبادت بھی بالکل صاف ستھری اور خالص ہونی چاہیے۔ اور اس سے مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو؛ جب غیر کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک بنالیا جائے تو اس میں وہ اخلاص اور صفائی و پاکیزگی باقی نہیں رہتی ؛ پس اس صورت میں عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمان الٰہی ہے:

((أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ))

''میں شرک والوں کے شرک سے بے پرواہوں جو آدمی میرے لئے کوئی ایسا کام کرے کہ جس میں میرے علاوہ کوئی میرا شریک ہو تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔''

اخلاص کا منبع اور مقام اصدار دل ہوتا ہے۔ اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''خلوص قلب سے۔''

چہارم:...... ایسی سچائی جو جھوٹ کے منافی ہو۔ یعنی سچے دل سے اس کلمہ کا اقرار کرے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ)) (البخاري 128 مسلم 32 ؛ برواية أنس)

''جو کوئی اپنے سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ سوا اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اللہ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کردیتا ہے۔''

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کلمہ کے اقرار میں صداقت/سچائی ہونے کی شرط لگائی ہے۔ اور اس کلمہ میں سچائی کا مطلب یہ ہے کہ انسان زبان سے اسی چیز کا اقرار کرے جو اس کے دل میں موجود ہے۔ اگر انسان زبان سے اس کا اقرار

تو کرتا ہو مگر دل سے اس کے مدلول پر یقین نہ رکھتا ہو؛ تو وہ منافق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴾[٦٣:١]

''جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں بے شک آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ جانتا ہے آپ یقیناً اس کے رسول ہیں؛ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین درحقیقت جھوٹے ہیں۔''

یعنی وہ اپنے اس اقرار میں جھوٹے ہیں؛ اس لیے کہ جس چیز کا وہ زبانوں سے اقرار کرتے ہیں دل سے اس کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ یہ صرف زبانی ایک بات ہے؛ اس کے مدلولات پر اعتقاد سے دل خالی ہے۔ تو اس صورت میں اس کلمہ کا اقرار قبول نہیں کیا جاتا۔

پنجم:......ایسی محبت جو بغض ونفرت کے منافی ہو۔ یعنی اس کلمہ کا اقرار کرنے والا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور دین اسلام سے محبت کرتا ہو؛ اور ان مسلمانوں سے محبت کرتا ہو جو دین دار ہیں؛ اور اللہ کی حدود اور اس کے احکام پر قائم ہوں ؛اور جو کوئی ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کی مخالفت کرتا ہو؛ یا پھر اس کے مخالف کفر و شرک کا اعتقاد رکھتا ہو؛ اس سے بغض رکھتا ہو۔ محبت کی اس شرط پر یہ آیت دلالت کرتی ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾[٢:١٦٥]

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک (اللہ) بناتے اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں۔ لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ سے اہل ایمان کی محبت خالص محبت ہوتی ہے؛ جبکہ مشرکین کی اللہ تعالیٰ سے محبت میں غیر کو بھی اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ پس جب انہیں بروز قیامت جہنم میں داخل کیا جائے گا تو وہ کہیں گے: (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:)

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[٢٦:٩٨]

''اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں تھے جب کہ تمہیں اللہ رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔''

پس ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار اس وقت فائدہ دیتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں دل سے نکل رہا ہو۔ اس کلمہ سے اور اس کے مدلولات سے محبت کا بہت بڑا مقام ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے دین کا اخلاص پایا جاتا ہے؛ اور اس کلمہ کا اقرار کرنے والوں سے اور ان کے اعمال سے محبت ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک عظیم الشان دعا منقول ہے جس میں آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

((أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَى حُبِّكَ))(أحمد 22190 ترمذی 3235)

''اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں؛ اور ان کی محبت کا جو آپ سے کرتے ہیں؛ اور اس

عمل کی محبت کا جو آپ کی محبت کے قریب کر دے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

'' تین خصلتیں جس میں پیدا ہو جائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پا لیا۔ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے لیے سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، اور یہ کہ وہ کسی انسان سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت رکھے۔ اور وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔'' (البخاری 16؛ مسلم 43)

اس میں تین چیزیں شامل ہیں:

1۔اصل 2۔فرع۔ 3۔اس کی ضد کی نفی

- اصل: اللہ تعالیٰ کی محبت
- فرع: اس چیز کی محبت جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔
- ضد کی نفی: یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔''

ششم:......''ایسی اطاعت جو نا فرمانی کے منافی ہو۔'' اطاعت گزاری (انقیاد) کا مطلب ہے: سر تسلیم خم کرنا؛ اطاعت گزاری کرنا؛ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا۔ پس جب انسان ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار کرتا ہے تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے؛ اور اس کی شریعت کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے احکام بجا لاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۭ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾[۳۱:۲۲]

''اور جو شخص خود کو اللہ کا فرمانبردار کر دے اور نیکوکار بھی ہو تو اُس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔ اور کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔''

عروہ وثقی سے مراد ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه'' ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ﴾[۳۹:۵۴]

''اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت گزاری کرو؛ اور اس کی بات مان لو؛ پس صدق دل سے ''لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار کرنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کرتے ہیں اور اس کے احکام بجا لاتے ہیں۔

ہفتم:......''ایسی قبولیت جو انکار کے منافی ہو۔'' یعنی اس کلمہ (اور اس کے ان معانی) کو قبول کرے؛ جو کہ اس کلمہ کا تقاضا ہیں؛ جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید؛ اس کے لیے دین کو خالص کرنا۔ مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا

لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾ [٣٧:٣٦]

''ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تکبر کرتے اور کہتے: بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔''

ان کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار کرنے سے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے لیے دین کو خالص کرنے کے مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

ھشتم:...... ''ان سارے معبودوں کا انکار جن کی اللہ کے ماسوا پرستش کی جاتی ہے۔'' اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ [٢:٢٥٦]

''جو شخص بتوں کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے؛ تو یقیناً اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔''

رسول اللہ ﷺ ک کا فرمان گرامی ہے: ''جس انسان نے ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار کیا؛ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک معبود کا انکار کیا؛ تو اس کا مال اور اس کا خون حرام ہو جاتے ہیں۔'' [مسلم برقم 23]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ﴾ [الزخرف]

''جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ [ممتحنہ 4]

''تمہارے لیے حضرت ابراہیم اور ان کے رفقاء میں اسوہ حسنہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور ان سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بیزار ہیں؛ تمہارا انکار کرتے ہیں [تمہیں کافر سمجھتے ہیں] اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔''

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور یہ سب شروط حسب ذیل دو اشعار میں جمع کر دی گئی ہیں:

عِلْمٌ وَيَقِيْنٌ وَاِخْلَاصٌ وَصِدْقُكَ مَعَ
مُحَبَّةٍ وَانْقِيَادٍ وَالْقُبُوْلُ لَهَا
وَزِيْدَ ثَامِنُهَا الْكُفْرَانُ مِنْكَ بِمَا
سِوَى الْاِلٰهِ مِنَ الْاَشْيَاءِ قَدْ اُلِهَا

''علم، یقین، اخلاص اور سچائی نیز محبت و اطاعت اور ان کی قبولیت اور آٹھویں بات کا اضافہ کیا گیا ہے تیرا ان ساری چیزوں کا انکار جن کو اللہ کے سوا پوجا جاتا ہے۔''

شرح:

''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ'' کا اقرار کرنے کی یہ آٹھ شروط ہیں۔ بعض اہل علم نے صرف سات شرائط ذکر کی ہیں ؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک آٹھویں شرط پہلی شرائط میں داخل ہے۔ اور جن علماء نے ان شرائط کو جمع کیا ہے؛ ان میں سے ایک شیخ حکمی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں؛ انہوں نے اپنے منظومہ ''سلم الوصول'' میں ان شرائط کو جمع کیا ہے؛ [ان ابیات کا ترجمہ]:

''اور انہیں سات شروط کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جو کہ حق کے ساتھ نصوص وحی میں وارد ہوئی ہیں۔ اس لیے یہ کلمہ اپنا اقرار کرنے والے والے کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ ان شرائط کو مکمل نہ کرلے۔ علم، یقین، اور قبولیت؛ اور اطاعت ؛ ان کو اچھی طرح سمجھ لیں جو میں کہہ رہا ہوں۔ اور سچائی اور اخلاص نیز محبت ؛ اللہ تعالیٰ تمہیں اس چیز کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے۔''

اس کی شرح ان کی کتاب '' معارج القبول شرح منظومة سلم الوصول '' میں ہے۔ یہ کتاب مطبوع اور متداول ہے۔ لوگوں کو اس سے فائدہ حاصل کرنے کی نصیحت کی جاتی ہے۔ یہ کتاب اپنے باب میں بہت بہترین اور عظیم الشان کتاب ہے؛ جو کہ مصنف رحمہ اللہ کی بہترین کارکردگی کا شاہکار ہے۔ آپ نے بہت عمدہ اور مدلل لکھا ہے اور اعتقاد اور اصول دین کے متعلق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔

کلمہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کے تقاضے

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس کے ساتھ ہی ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کی گواہی کا مطلب اور اس کے تقاضے پورے کیے جائیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن باتوں کی خبر دی ہے ان میں آپ کو سچا جاننا۔

۲۔ جن باتوں کا حکم دیا ہے ان میں آپ کی اطاعت کرنا۔

۳۔ جن کاموں سے روکا ہے ان سے باز رہنا۔

۴۔ اللہ کی عبادت اسی طریقہ پر کرنا جسے اللہ اور اس کے رسول نے جائز و مشروع ٹھہرایا ہو۔

شرح:

یہ حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی سے متعلق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی سے ملا ہوا ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا شرف اور عظیم الشان قدر و مرتبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی کو اپنی

وحدانیت کی گواہی کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ پس صرف ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' کا اقرار اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی اور اقرار شامل نہ ہو۔

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا اقرار آپ کی رسالت کی گواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [النساء:۶۴]

''اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ بحکم الٰہی اس کا حکم مانا جائے۔''

رسولوں کو مبعوث کرنے کی غایت اور وجہ یہی ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے؛ صرف اتنا ہی ہرگز کافی نہیں ہوتا کہ کوئی زبان سے کہہ دے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ بلکہ اس گواہی کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت گزاری اور اس کے احکام کی بجا آوری اور منع کردہ چیزوں سے اجتناب؛ اور ان کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق بھی بہت ضروری ہے۔ اسی لیے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''اور اس کے تقاضے حسب ذیل ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے جن باتوں کی خبر دی ہے ان میں آپ کو سچا جاننا۔

۲۔ جن باتوں کا حکم دیا ہے ان میں آپ کی اطاعت کرنا۔

۳۔ جن کاموں سے روکا ہے ان سے باز رہنا۔

۴۔ اللہ کی عبادت اسی طریقہ پر کرنا جسے اللہ اور اس کے رسول نے جائز و مشروع ٹھہرائے ہیں۔'' یہ کلمہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا اقرار کرنے کی اصل حقیقت ہے کہ انسان اطاعت رسول کے تقاضوں کو پورا کرے؛ آپ کے اوامر کو بجا لائے؛ اور منع کردہ چیزوں سے رک جائے؛ اور آپ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کرے۔ اس لیے کہ آپ ﷺ یہ تین امور لے کر آئے ہیں: اوامر؛ نواہی اور اخبار۔ پس جو کوئی آپ کے رسول ہونے کی گواہی دے؛ اسے چاہیے کہ وہ پ کی باتوں کی تصدیق کرے؛ اوامر کی اطاعت کرے اور نواہی سے اجتناب کرے۔ آپ پر درود و سلام ہوں۔

پس ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا اقرار کرنے کا مطلب اطاعت کو آپ کے لیے خاص اور خالص کرنا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے لا إلہ إلا اللہ کے اقرار کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید بجا لائی جائے اور دین کو اس کے لیے خالص کیا جائے۔ پس کسی انسان کا شمار ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کا سچا اور برحق اقرار کرنے والوں میں اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس شہادت کے تقاضوں کو پورا نہ کر دے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اطاعت گزاری؛ نواہی سے اجتناب اور آپ کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی آپ کی بتائی ہوئی شریعت کے مطابق ہی کی جائے۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں؛ رسولوں کی ذمہ داری اللہ کے پیغام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ [النور:۵۴]

''اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکام الٰہی کا) پہنچا دینا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر یہ تبلیغ کردی؛ کوئی خیر و بھلائی کی بات ایسی نہیں چھوڑی جس کی طرف اپنی امت کی رہنمائی نہ کردی ہو؛ اور کوئی برائی ایسی نہیں جس سے انہیں آگاہ نہ کردیا ہو۔ آپ پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور رسول کا کام اس کی تبلیغ ہوتا ہے؛ ہمارا کام اس کو ماننا ہوتا ہے۔'' [1]

''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ'' کا اقرار کرنے والا ان تمام امور کو تسلیم کرتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ [الحشر:۷]

''سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو۔ اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵﴾ [النساء:٦٥]

''آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کردیں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ [۳۳:۳٦]

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ [۴:۸۰]

''جو رسول کی فرمانبرداری کرے تو بے شک اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ [۳:۳۱]

''فرمادیں: اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا۔''

---

[1] یہ بات حضرت امام زہری رحمہ اللہ سے ثابت ہے؛ اور امام بخاری نے اسے کتاب التوحید میں تعلیقاً اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ﴾ [۵:٦۷] ''اے رسول پہنچا دو جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے؛ اور ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا کوئی پیام نہیں پہنچایا۔'' امام خلال نے ''السنہ'' 1001 میں اسے موصول کہا ہے۔ دیکھو فتح الباری 13/ 504۔ تغلیق التعلیق 5/ 366۔

اس آیت کو ''آیت امتحان'' کہا جاتا ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعوی کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس آیت کی دلالت کی روشنی میں اپنے نفس کی سچائی کا امتحان لے۔

شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور یہ کہ اللہ کی عبادت اسی طریقہ پر کرنا جو اللہ اور اس کے رسول نے جائز و مشروع ٹھہرایا ہو'' نہ کہ اپنی خواہشات اور بدعات کے مطابق۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ احادیث میں کثرت کے ساتھ بدعات سے ڈرایا گیا اور ان سے منع کیا گیا ہے۔ وہ عظیم الشان احادیث جنہیں علمائے کرام نے دین کے ان اصولوں میں سے ایک اصول شمار کیا ہے جن پر دین اسلام کی عمارت قائم ہے وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ)) [البخاري 2697 مسلم 1718]

''جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات نکالی جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ۔)) [مسلم 1718]

''جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ نامقبول ہے۔''

یعنی وہ عمل اس عمل کے کرنے والے پر لوٹا دیا جاتا ہے؛ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب لوگوں میں خطبہ ارشاد فرماتے تو فرمایا کرتے:

((أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهُدَى هُدَىُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔)) [مسلم 867]

''اما بعد! بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے اور سارے کاموں میں بدترین کام بدعات ہیں (یعنی دین کے نام سے نئے طریقے جاری کرنا) اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

((فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))[أحمد 17144 أبو داؤد 4607 ابن ماجه 42]

''پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا تو عنقریب وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو پکڑے رہو اور اسے ڈاڑھوں سے محفوظ پکڑ کر رکھو اور دین میں بدعات سے بچ کر رہو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

ان معانی میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔

ان دو گواہیوں یعنی "لا إله إلا الله محمد رسول الله" کے اقرار پر سارا دین قائم ہے۔ پس "لا إله إلا الله" کا مطلب ہے اخلاص؛ اور "محمد رسول الله" کا مطلب ہے متابعت (اتباع)۔ اور دین ان ہی دو چیزوں پر قائم ہے؛ معبود برحق کے لیے اخلاص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اتباع۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [٦٧:٢]

"تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔"

یعنی "جو کام خالص اور درست ہو۔" آپ سے پوچھا گیا: اے ابوعلی! خالص اور درست کیا ہوتا ہے؟

تو آپ نے فرمایا: "اگر عمل خالص ہو مگر درست نہ ہو تو وہ قبول نہیں ہوتا۔ اور اگر عمل درست ہو مگر خالص نہ ہو تو وہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ حتی کہ وہ خالص اور درست ہو جائے۔ خالص وہ ہوتا ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو اور درست وہ ہے جو سنت کے موافق ہو۔" [ابن ابی الدنیا: الاخلاص والنية 22؛ ابو نعیم فی الحلية 95/8]

خالص وہ ہوتا ہے جو صرف اللہ کی رضا کے لیے ہو؛ یہ "لا إله إلا الله" کا مدلول ہے۔ اور درست وہ ہے جو سنت کے موافق ہو یہ "محمد رسول الله" کا مدلول ہے۔

پس ان دو کلمات پر پورا اللہ کا دین قائم ہے اور ان دو کلمات کے بارے میں اگلوں اور پچھلوں سے پوچھا جائے گا۔

1۔ تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ اس کا جواب ہے: "لا إله إلا الله"

2۔ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ تو اس کا جواب ہے: محمد رسول الله۔

ان میں سے پہلا اخلاص اور دوسرا متابعت کا تقاضا کرتا ہے۔

ارکان اسلام کی وضاحت

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس کے بعد طالب علم کے لیے اسلام کے باقی ارکان کی وضاحت کی جائے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) نماز ادا کرنا (۲) زکوۃ دینا

(۳) رمضان کے روزے رکھنا (۴) جس کو استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرنا۔"

شرح:

یہاں سے آپ اہمیت کے اعتبار سے باقی ارکان اسلام اور ان کے کچھ احکام بیان فرما رہے ہیں۔

نماز:...... اسلام کے ارکان میں سے دوسرا رکن ہے اور توحید کے بعد اس کے سب سے بڑے مبانی/ بنیادی

ارکان میں سے ایک ہے۔نماز بروز قیامت کسی انسان کے سچے ایمان کی دلیل و برہان ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَه، نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَ نَجاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَه، نُوْرًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ اُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ)) [أحمد 6576؛ مسند دارمي 2763 ؛ شعب الايمان للبيهقي 2565 ؛ بسند جيد]

''جو آدمی نماز پر محافظت کرتا ہے؛ تو اس کے لئے یہ نماز نور و برہان ہوگی، نیز بروز قیامت نجات کا ذریعہ بنے گی اور جو آدمی نماز پر محافظت نہیں کرتا تو اس کے لئے نماز نہ نور ہوگی، نہ برہان؛ اور نہ نجات کا ذریعہ۔ بلکہ ایسا آدمی قیامت کے روز قارون، فرعون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ (عذاب میں مبتلا) ہوگا۔''

پس نماز ہی برہان ہے؛ یعنی کسی انسان کے سچے ایمان کی گواہ اور دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ﴾[۹:۱۸]

''اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور نماز پڑھتے۔''

ہمارے نبی اکرم ﷺ سے وارد مبارک حدیث میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

((العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر)) (أحمد22937 ؛ترمذی 2621/صحيح)

''ہمارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان نماز ہے، پس جس نے نماز کو چھوڑا، اس نے کفر کیا۔''

(احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔)

اللہ کے دین میں نماز کی شان بہت بڑی ہے۔ اور بروز قیامت سب سے پہلے انسان سے اسی کے بارے میں سوال ہوگا۔ اگر نمازیں مقبول ہوں گی؛ تو وہ نجات پا جائے گا اور کامیاب ہوگا۔ اور اگر نمازیں رد کردی گئیں تو ناکام و نامراد ہوا۔ قرآن کریم میں بہت ساری نصوص نمازیں قائم کرنے اور ان کی حفاظت اور ان کے اوقات کی پابندی کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور نمازوں سے غفلت برتنے سے اور ان میں کمی بیشی کرنے سے؛ اور وضائع کردینے سے ڈرایا گیا ہے۔ ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾﴾[۲:۲۳۸]

''نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیانی نماز؛ اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾[۲:۱۱۰]

''اور نماز ادا کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔''

قرآن مجید کے اکثر مواقع پر یہ حکم وارد ہوا ہے۔ اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾﴾[۴:۱۰۳]

''بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ﴾ [۲۰:۱۳۲]

''اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝﴾ [۱۹:۵۹]

''پھر ان کے بعد نالائق جانشیں ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب ان کو گمراہی کی سزا ملے گی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝﴾ [۴۲:۴۳-۷۴]

''کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔''

ان کے علاوہ دیگر آیات بھی ہیں جن میں نماز کی شان وعظمت بیان ہوئی ہے؛ جو کہ اللہ کے ہاں اس کے عظیم مقام و مرتبہ اور اللہ کے دین میں اس کی رفعت شان کو واضح کرتی ہیں۔

ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس عظیم الشان فریضہ کا خوب اہتمام کرے جو اس کے اور رب کے مابین رابطہ اور صلہ ہے۔ اور اس کے ارکان و واجبات ؛ اور شروط وغیرہ ان امور کا خوب اہتمام کرے جو اللہ تعالیٰ نے مشروع ٹھہرائے ہیں۔ اور نماز کو پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ؛ اور ظاہری ؤ باطنی احسان و اطمینان کے ساتھ ادا کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا اجر وثواب حاصل کر سکے۔ صحیح مسلم میں ہے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

((مَا مِنْ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوئَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنْ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً وَذَلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ)) (مسلم 228)

''جو مسلمان فرض نماز کا وقت پائے اور اچھی طرح وضو کرے اور خشوع وخضوع سے نماز ادا کرے؛ اچھا رکوع کرے؛ تو وہ نماز اس کے تمام پچھلے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائے گی بشرطیکہ اس سے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ ہوا ہو اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔''

تیسرا رکن زکاۃ:...... کتاب اللہ میں اس کا بیان نماز کے ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ زکاۃ سے انسان کی پاکیزگی اور اس کے دل کا تزکیہ ہوتا ہے؛ مال کی پاکیزگی ہوتی ہے؛ اور اس کی جان و مال میں برکت کا سبب بنتی ہے۔ حدیث میں ہے:

''صدقہ کرنے سے کبھی بھی مال میں کمی نہیں ہوتی۔'' (مسلم 2588)

زکوۃ اس بہت سارے مال میں سے ایک تھوڑا سا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مالدار لوگوں کو عطا کیا ہے۔ یہ صدقہ مال دار لوگوں سے لے کر فقیروں پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ اور اس پر بہت ساری مصلحتیں اور منافع مرتب ہوتے ہیں۔ آپس میں محبت بڑھتی ہے؛ ایک دوسرے کی کفالت؛ باہمی ہمدردی اور تعاون پیدا ہوتے ہیں۔ اور مذموم خصلتوں سے نجات ملتی ہے جیسے حسد و بغض؛ دشمنی اور دیگر امور۔ یہ دین اسلام کے بڑے محاسن میں سے ایک ہے۔ کیونکہ اس سے اسلامی معاشروں کی بہت بڑی مصلحتیں پوری ہوتی ہیں۔ اور اس سے اسلام کے نظام تکافل کی قوت کا اظہار ہوتا ہے جس کی وجہ سے زکواۃ واجب کی گئی ہے۔ ''یہ ایسا صدقہ ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے وصول کر کے ان کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔''

[البخاري 1496 مسلم 19 ؛ من حديث ابن عباس]

اس لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ مسلمان اس عظیم الشان فریضہ کا اہتمام کرے۔ پس جس کسی کے پاس اتنا مال ہو جو نصاب کی مقدار کو پہنچتا ہو؛ تو اس پر زکواۃ کے احکام سیکھنا واجب ہو جاتے ہیں تاکہ وہ ویسے ہی یہ فریضہ پورا کر سکے جیسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور یہ کہ انسان دل کی خوشی سے زکواۃ ادا کرتا رہے؛ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قربت کا امیدوار رہے تاکہ اس عظیم عبادت کے حقائق کو پورا کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کی قربت چاہنے والے کسی نفلی عمل سے اللہ کی قربت اس سے بڑھ کر حاصل نہیں کر سکتے جتنی قربت اس کا عائد کردہ فریضہ ادا کرنے سے ملتی ہے۔

چوتھا رکن روزہ: ......رمضان بہت ہی مبارک اور عظیم مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہ کے روزے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ١٨٣﴾ [٢:١٨٣]

''اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔''

روزہ سے اللہ تعالیٰ کے تقوی کے حقائق پورے ہوتے ہیں اور نفوس کو اپنی رعونت؛ اتباع نفس اور ملذات و شہوات سے نجات ملتی ہے۔ اور نفوس کی ان چیزوں سے صبر کرنے پر تربیت ہوتی ہیں جو اس سے موافقت رکھتی ہیں؛ اور ان کی خواہش ہوتی ہے۔ پس جب روزہ کی وجہ سے نفس کی تربیت اس ڈگر پر ہو جاتی ہے تو اس کے لیے بہت سارے ان حرام کاموں کا ترک کرنا آسان ہو جاتا ہے جن کو چھوڑے بغیر تقوی پورا نہیں ہو سکتا۔

پس روزہ بندے کے لیے گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ایک ڈھال ہے۔ اس میں مصلحتیں اور بہت بڑی خیر و برکت ہے۔ یہ سال میں ایک مہینہ ہے جس کے روزے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں۔ جس انسان کو اس طرح سے روزہ رکھنے کی توفیق نصیب ہو گئی جیسے کہ ہونی چاہیے تو یہ اس کے سارے سال کے لیے زادِ سفر ہے۔ وہ ایک ماہ روزے رکھے گا؛ مگر اس کے اثرات ان شاء اللہ پورا سال باقی رہیں گے۔

پانچواں رکن حج:......اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی میں صرف ایک بار استطاعت رکھنے والوں پر حج فرض کیا ہے۔جو کوئی اس سے زیادہ حج کرے تو یہ نفلی ہوگا۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾[۳:۹۷]

''اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔''

نبی کریم ﷺ سے بہت ساری احادیث میں مبارکہ میں یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو حج کی ترغیب دی؛ اور اس عظیم الشان عبادت کے بجالانے پر ابھارا۔ اور حج کے نتیجہ میں جو بہت بڑے اجر وثواب ملتے ہیں ؛اور گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے؛ ان کو بیان کیا۔ پس جو انسان استطاعت رکھتا ہو اس پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ حج کے احکام سیکھے تاکہ اس عظیم الشان عبادت کو بصیرت کے ساتھ ادا کر سکے؛ تاکہ اس کی خیر وبرکات اور عظیم الشان اجر وثواب کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو۔

اللہ آپ کا بھلا کرے! ذرا غور کیجیے؛ یہ پانچ ارکان ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے۔اللہ کے دین میں ان ارکان کی عظمت وشان اور بلند مقام ومرتبہ پر غور وفکر کریں۔جس کو اللہ پاک ان کی توفیق دیدیں؛ اور وہ انہیں کما حقہ بجا لائے جیسا کہ مطلوب ہے؛ تو وہ قیامت کے دن جنت میں داخل ہوگا۔جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے۔ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا:

((أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الصلوات الْمَكْتُوبَاتَ وصمت رمضان وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، ولم أزد على ذلك شَيْئاً أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ ؟فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :نَعَمْ))

''آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں فرض نماز پوری پڑھتا رہوں اور رمضان کے روزے رکھوں؛ اور حرام کو حرام سمجھوں؛ اور حلال کو حلال سمجھوں تو کیا میں جنت میں داخل ہوجاؤں گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''ہاں۔''[مسلم برقم 15]

اور اس اعرابی کے واقعہ میں ہے؛ جس کے سامنے آپ ﷺ نے یہ ارکان گنے؛ تو وہ کہنے لگا:

''اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو عزت دی! جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کردیا ہے میں اس میں نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ مراد کو پہنچا۔''

ایک روایت میں ہے (آپ ﷺ نے یہ فرمایا):

"اگر اس نے سچ کیا؛ تو جنت میں جائے گا۔"[1]

پس یہ پانچ ارکان وہ بنیادیں ہیں جن پر دین اسلام قائم ہے۔ اور مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ ان کی انتہائی سخت حفاظت کرے اور ان کا خوب بڑھ چڑھ کر اہتمام کرے۔ یہ وہ سب سے بڑے اعمال ہیں جن کے ذریعہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے:

"اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔"[2]

پس جب انسان کو یہ توفیق دی گئی کہ وہ اپنی زندگی میں ان ارکان کی حفاظت کرے؛ تو بروز قیامت وہ ان شاء اللہ اہل جنت میں سے ہوگا۔

اس لیے اہل علم اور دین کے طالب علموں کو چاہیے کہ وہ عوام الناس کو ان ارکان کی حفاظت اور ان کے اہتمام کی ترغیب دیں۔ اور اللہ کے دین میں ان کا مقام و مرتبہ اور ان کی عظیم شان بیان کریں۔ اور یہ کہ جو کوئی ان ارکان کو بجا لاتا ہے تو یقیناً وہ دین کی سب سے عمدہ ترین بنیادوں کو بجا لاتا ہے۔ اور ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان ارکان دین کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد و نصرت اور معاونت اور اس کی طرف سے توفیق کا طلب گار رہے۔

---

[1] بخاری ح: 1891؛ مسلم 11۔ بخاری میں پوری حدیث اس طرح ہے: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک اعرابی پریشان حال بال بکھرے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! بتایئے مجھ پر اللہ تعالیٰ نے کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ نمازیں، یہ اور بات ہے کہ تم اپنی طرف سے نفل پڑھ لو، پھر اس نے کہا بتایئے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر روزے کتنے فرض کئے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے مہینے کے، یہ اور بات ہے کہ تم خود اپنے طور پر کچھ نفلی روزے اور بھی رکھ لو، پھر اس نے پوچھا اور بتایئے زکوٰۃ کس طرح مجھ پر اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے شرع اسلام کی باتیں بتا دیں۔ جب اس اعرابی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت دی نہ میں اس میں اس سے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کر دیا ہے کچھ بڑھاؤں گا اور نہ گھٹاؤں گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے سچ کہا ہے تو یہ مراد کو پہنچا یا (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ) اگر سچ کہا ہے تو جنت میں جائے گا۔"

[2] البخاری ح: 6502۔ پوری حدیث اس طرح ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:" جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔"

تیسرا سبق:

ارکان ایمان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تیسرا سبق: ارکان ایمان

ایمان کے چھ ارکان ہیں:

۱۔اللہ پر ایمان لانا۔ ۲۔اس کے فرشتوں پر ایمان لانا۔

۳۔اس کی کتابوں پر ایمان لانا۔ ۴۔اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔

۵۔روزِ آخرت پر ایمان لانا۔ ۶۔اس بات پر ایمان لانا کہ بری بھلی تقدیر اللہ کی طرف سے ہے۔

شرح:

ایمان سب سے اشرف مطلوب چیز اور سب سے جلیل قدر عطیہ؛ سب سے بڑا ہدف اور بلند شان مقصود ہے۔ پس ایمان کی بدولت انسان اس دنیا میں پاکیزہ زندگی گزارتا ہے۔ اور قیامت کے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ثواب حاصل کر کے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوگا۔ اور دائمی نعمتیں حاصل کرے گا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [۱۶:۹۷]

''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) اُن کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے''

بندہ مؤمن پر دنیا و آخرت میں ایمان کے اتنے مبارک ثمرات اور اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ ان کا اعداد و شمار ممکن نہیں رہتا۔ بلکہ انسان کو دنیا و آخرت میں جو بھی بھلائی حاصل ہوتی ہے؛ اور ہر وہ شر اور برائی جس سے دنیا و آخرت میں اس کا بچاؤ ہوتا ہے وہ ایمان کے عظیم الشان ثمرات اور مبارک اثرات کا نتیجہ ہے۔

ایمان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت اور عظیم الشان نوازشات؛ بڑے اور عظیم تر احسانات میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں یہ احسان فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (الحجرات)

''لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو عزیز بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں سجا دیا؛ اور کفر و گناہ اور نافرمانی سے تمہیں بیزار کر دیا؛ یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں؛ اللہ کے فضل و احسان سے اور اللہ علم و حکمت والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[۴۹:۱۷]

''آپ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ فرما دیں: اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ جتاؤ۔ بلکہ تم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا؛ اگر تم سچے (مسلمان) ہو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾.

''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہوسکتا۔ مگر اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔''

ان معانی میں آیات بہت زیادہ ہیں۔

اس کی بنیاد ان عظیم الشان اصولوں اور پختہ قواعد پر مبنی ہے؛ جن کے بغیر ایمان کا قیام ممکن نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایمان کے لیے یہ اصول ایسے ہی ہیں جیسے عمارت کے لیے سنگ بنیاد اور درخت کے لیے جڑیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی بھی دلالت کرتا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾(ابراھیم)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؛ جیسے پاکیزہ درخت ہو جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہو۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

پس اللہ تعالیٰ نے یہ مثال اپنے بندوں کے لیے بیان فرمائی ہے؛ اور انہیں اس میں غور و فکر اور تدبر (یعنی سوچ و بچار) کرنے کی دعوت دی ہے؛ جو کہ ایمان اور اس کے اصولوں کے بیان میں ہے؛ اور جس چیز پر ایمان قائم ہوتا ہے اور جو اس سے فروع نکلتی ہیں۔ اور جو کچھ اس کے ثمرات اور فوائد دنیا و آخرت میں اہل ایمان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس آیت کو یہاں پر ذکر کرنے کا مقصد ﴿اَصْلُهَا ثَابِتٌ﴾ کا بیان ہے۔ پس درخت جڑوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا؛ ایسے ہی ایمان بھی اپنے اصولوں اور ارکان اور مبادیات کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور جب درخت کی جڑیں کاٹ دی جائیں تو وہ مر جاتا ہے؛ ایسے ہی جب ایمان کی بنیادی ہی نہ ہوں؛ تو ایمان معدوم ہو جاتا ہے؛ اور کوئی بھی نیک عمل یا قربت کا کام فائدہ نہیں دیتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[۵:۵]

''اور جو شخص ایمان سے منکر ہوا اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔''

پس نیک اعمال اور اطاعات اور اللہ تعالیٰ کی قربت کے مختلف کام عمل کرنے والے سے اس وقت مقبول ہوتے ہیں جب وہ صحیح ایمان اور دل میں راسخ عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان اپنے عظیم تر اصولوں اور پختہ بنیادوں کی وجہ سے اعمال کی درستگی کرتا ہے۔ اسکے بغیر اعمال مقبول نہیں ہوتے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾[١٧:١٩]

''اور جو کوئی آخرت چاہتا ہوا اور اس کے لیے کوشش بھی کرے اور وہ مومن بھی ہو تو ان کی کوشش لائق شکر ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾[١٦:٩٧]

''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت وہ مومن بھی ہو؛ تو ہم اس کو پاک زندگی سے زندہ رکھیں گے۔''

ان معانی میں آیات بہت زیادہ ہیں۔

کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں کہ ایمان چھ ارکان پر قائم ہے۔ اس سے قبل ہم ''رکن'' کا معنی معلوم کر چکے ہیں؛ رکن کسی چیز کے اس مضبوط حصہ یا جانب کو کہتے ہیں جس کے بغیر اس چیز کا قائم رہنا ناممکن ہو۔ پس ایمان کے ارکان اس کی بنیادیں اور اصول ہیں؛ اور وہ ستون ہیں جن پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ ان کے بغیر ایمان کا قیام ممکن نہیں۔ یہ وہ چھ اصول ہیں جن کا بیان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں وارد ہوا ہے۔ یہ چھ ارکان بذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ پر ایمان؛ اس کے فرشتوں پر ایمان؛ اس کی کتابوں پر ایمان؛ اس کے رسولوں پر ایمان؛ آخرت کے دن پر ایمان؛ اور اچھی اور بری تقدیر کے اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان۔ یہ وہ اصول ہیں جن پر اول سے آخر تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا اتفاق رہا ہے؛ اور وہ ان امور کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں۔ بلکہ انبیاء کی دعوت کا بنیادی نکتہ اور محور ان ہی امور پر قائم ہوا کرتا تھا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''انبیاء علیہم السلام علاتی [باپ شریک] بھائیوں (کی طرح) ہیں۔ ان کے مسائل میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن دین سب کا ایک ہی ہے۔'' [بخاری حدیث نمبر: 3443؛ مسلم 2365]

یعنی ان کا عقیدہ ایک ہوتا ہے؛ اصول ایک ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کہتے ہیں: ''بلا شک وشبہ امور اعتقاد اور دین کے اصول منسوخ نہیں ہوسکتے۔ نہ ہی ایک نبی کی شریعت میں؛ اور نہ ہی ایک نبی سے دوسرے نبی کی نبوت میں۔ بلکہ نسخ (منسوخ ہونا) احکام اور شرائع میں ہوتا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ﴾[٥:٤٨]

''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔''

جب کہ عقیدہ ایک ہی ہوتا ہے۔ جو کوئی قرآن پڑھے؛ تو دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت اور اس کی اصولی بنیادوں کا ذکر کیا ہے؛ تو وہ دیکھے گا کہ انبیائے کرام ومرسلین علیہم السلام کی دعوت میں یہ نکتہ سب سے زیادہ

نمایاں رہا ہے۔

ایمان کے اصول آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم اور مربوط ہیں؛ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ایمان کے کچھ اجزاء اس کے باقی حصوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور ان میں بعض کا یا کسی ایک کا انکار کرنا باقی تمام کے انکار اور کفر کو لازم کرتا ہے۔ پس دین کا قیام ایمان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اور یہ اصول آپس میں یکجا ہیں۔ پس جو کوئی ان اصولوں میں سے کچھ بھی ترک کردے؛ اس پر ایمان نہ لائے؛ گویا کہ اس نے تمام ایمان کو اور سارے اعمال کو باطل کردیا۔ اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا۔ پہلے بھی گزر چکا کہ ایمان کے ان اصولوں کی مثال ایسے ہی ہے جیسے درخت کے لیے جڑیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اگر کسی درخت کی جڑیں کاٹ دی جائیں تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہی حالت ایمان کی ہے۔ جب ان عظیم اصولوں میں سے کسی ایک کا انکار کردیا جائے تو باقی ایمان قائم نہیں رہ سکتا۔

اس اصول کا بیان اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت میں وارد ہوا ہے۔ پس اس بنیاد پر جیسے انسان کا حصہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی تلاوت اور فہم اور تأمل وتدبر میں زیادہ ہوگا؛ تو ان اصولوں میں بھی اس کا نصیب اور حصہ زیادہ اور بڑا ہوگا۔ اس لیے کہ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ کے فہم اور سمجھ کے اعتبار سے لوگوں کے ایمان میں بھی فرق ہوتا ہے۔ پس جب انسان کی دل میں اس کی عظمت زیادہ ہوگی؛ اور ان اصولوں پر اس کے شواہد اور دلائل و براہین مضبوط اور متمکن ہوں گے؛ جن کی وجہ سے شیطان کی طرف سے وارد شبہات کا ازالہ کیا جاسکے؛ تو اس کا ایمان بھی مضبوط؛ راسخ اور متمکن (قرار پکڑے ہوئے) ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ﴿١٢٥﴾﴾ [۹:۱۲۵]

’’اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو بعض منافق پوچھتے کہ اس سورہ نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے۔ سو جو ایمان والے ہیں ان کا ایمان تو زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے، ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کفر کی حالت۔‘‘

قرآن کریم نے ان اصولوں کو پوری طرح سے اجمالاً وتفصیلاً کافی وشافی بیان کردیا ہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ کی سنت میں بھی اس کا مکمل اور شافی بیان ہے۔ یہاں پر کچھ دیر ہمیں ان آیات کے ساتھ تدبر کے لیے رکنا ہوگا جن میں ان ایمانی اصولوں کا بیان ہوا ہے؛ خصوصاً جامع آیات کے ساتھ۔

۞ اس میں سب سے پہلا بیان سورت بقرہ میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٢﴾ ٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِٱلْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣﴾ وَٱلَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِٱلْءَاخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ عَلَىٰ

﴿هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [۲:۵]

''ہدایت ہے متقین کے لیے۔ جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں؛ اور جو کتاب آپ پر نازل ہوئی اور جو کتابیں آپ سے قبل نازل ہوئیں ان پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات یافتہ ہیں۔''

ان آیات مبارکہ میں دین کے عظیم الشان اصولوں اور ان اہم ترین مضبوط قواعد کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کی صفات کے طور پر بیان کی ہیں۔ اس میں یہ بیان ہے کہ تقوی کی اساس جس پر یہ ساری عمارت قائم ہوتی ہے؛ اور وہ اصل جس پر صحیح ایمان و اعتقاد کی بنیاد رکھی جاتی ہے؛ وہ یہی عظیم اصول و ارکان ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی کہ: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' یعنی ہر اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ان سے غائب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں خبر دی ہے۔ یہ کامل مؤمن کے نمایاں ترین اوصاف میں سے ہے۔ حتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں؛ کوئی بھی ایمان بالغیب سے افضل ایمان نہیں لایا۔''[1]

ان جلیل القدر اور عظیم الشان اوصاف پر نظر ڈالیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کی صفات بیان کی ہیں؛ فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' پس ان کا ایمان صرف حواس کی حد تک موقوف نہیں ہوتا؛ کیونکہ بہت سے لوگ صرف اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جسے وہ اپنے حواس کے ذریعہ محسوس کرتے ہیں۔ حواس پانچ ہیں؛ چکھنا؛ سونگھنا؛ سننا؛ دیکھنا؛ اور چھونا۔ پس جو چیز ان حواس سے محسوس نہ ہو؛ وہ اس پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں؛ اس وجہ سے اس چیز کے منکر ٹھہرتے ہیں۔ جبکہ مؤمن کے پاس یہ عظیم الشان اصول ہے؛ وہ ہر اس غائب چیز پر ایمان رکھتے ہیں جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے۔ اس جملہ میں تمام اصول ایمان داخل ہوتے ہیں۔ ابن جریر اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے امام ابو عالیہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ تفسیر فرماتے ہیں: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ''جو غیب پر ایمان لاتے ہیں'' یعنی اللہ پر ایمان رکھتے ہیں؛ اور اس کے فرشتوں پر کتابوں پر اور رسولوں پر آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔'' [تفسیر طبري 242/1 ؛ تفسیر ابن کثیر 165/1]

یہ صفت وہ امتیازی خوبی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو شرفیاب کیا ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے؛ اور رسولوں کی طرف سے دی جانے والی ہر چیز کو قبول کرتے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ''ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کی مراد پر؛ اور ایمان لائے رسول اللہ پر ؛ اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہم تک پہنچا ہے؛ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد پر۔'' [الرسالہ ص 3]

---

[1] أخرجه سعید بن منصور فی سننه برقم 180 ؛ کتاب الایمان لابن منده 209 ؛ تفسیر ابن ابی حاتم 66؛ مستدرك الحاکم 3033 ؛ وقال : هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین و لم یخرجاه ؛ و وافقه الذهبی۔

رسالت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؛ رسولوں کا کام اس کی تبلیغ ہے اور ہم پر واجب اس کو ماننا ہے۔'' [سبق تخریجہ]

یہ اہل ایمان کا حال ہے۔ وہ ہر اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو رسولوں کی طرف سے ان تک پہنچے؛ یا انہیں اس کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ اور وہ اسے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں؛ اس میں کسی قسم کا تردد یا توقف نہیں کرتے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا﴾ [۴۹:۱۵]

''مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے۔''

یعنی انہوں نے پختہ یقین کرلیا اور کسی شک وشبہ کا شکار نہیں ہوتے۔

اس جملہ: ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ''غیب پر ایمان لاتے ہیں'' کے تحت تمام اصول ایمان داخل ہوتے ہیں: جیسے اللہ تعالیٰ پر ایمان؛ اس کے اسماء وصفات اور عظمت وجلال اور افعال پر ایمان؛ اور اللہ تعالیٰ کے متعلق؛ فرشتوں اور کتابوں کے متعلق؛ اور سابقہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے متعلق ان تمام چیزوں پر ایمان جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے۔ اور دیگر امور پر ایمان۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ ''اور جو کتاب آپ پر نازل ہوئی اس پر ایمان لاتے۔'' مراد قرآن کریم ہے؛ اور ﴿وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ '' اور جو کتابیں آپ سے پہلے نازل ہوئیں''یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابیں؛ اس میں ان رسولوں پر ایمان لانا بھی شامل ہے جن پر یہ کتابیں نازل ہوئی ہیں۔

﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ [۲:۵] ''اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔'' یہ بھی ایمان کے اصولوں میں سے ایک اصول کا ذکر ہے؛ یعنی آخرت کے دن پر ایمان رکھنا۔

پس سورت بقرہ کا یہ ابتدائی حصہ ان عظیم اصولوں اور مضبوط قواعد پر مشتمل ہے جن پر دین الٰہی کی بنیاد قائم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اسی سورت میں فرماتے ہیں:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ [۲:۱۳۶]

''فرمادیجیے: ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اتری، اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں، اور جو پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے ملیں، ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔''

یہ حکم اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کو؛ اور ہر اس چیز پر ایمان لانے کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے؛ اور اس کے اندر تمام اصول ایمان آجاتے ہیں۔ بیشک جب اللہ پر ایمان کہا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام ان احکام

پر ایمان کو شامل ہوتا ہے جو اس نے اپنی کتابوں میں نازل کئے ہیں ؛ یا جن کو رسولوں پر نازل ہونے والی وحی شامل ہے۔
اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایمان لانے کا حکم دے رہے ہیں : ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ''فرما دیجیے: ہم اللہ پر ایمان لائے۔'' اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی طرف خبر دی جاری ہے کہ یہ ساری باتیں ہوگئیں کیونکہ اہل ایمان نے وہ کچھ کر دیکھا یا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا۔ پس سورت کے شروع میں ایمان لانے کا حکم آیا تھا؛ اور آخر میں خبر دی گئی ہے کہ اہل ایمان میں یہ بات پوری ہوگئی ہے؛ اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ [۲:۲۸۵]

''رسول اس کتاب پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں؛ ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اس جملہ میں ﴿وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے'' میں آخرت پر ایمان کا اثبات ہے۔ پس یہ آیت اس سورت کے آخر میں آئی ہے جو ان عظیم الشان اصولوں پر مشتمل ہے۔ سورت بقرہ کی ابتداء بھی اصول ایمان سے ہوتی ہے؛ اور اختتام بھی اصول ایمان پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ [۲:۲۸۵]

''سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور قبول کیا۔ اے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے: ''جس نے سورۃ البقرہ کی دو آخری آیتیں رات میں پڑھ لیں وہ اسے ہر آفت سے بچانے کے لیے کافی ہو جائیں گی۔'' [البخاری 5009؛ مسلم 808]

اس حدیث مبارک میں ان آیات کی تلاوت کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور ہر رات ان کو بار بار دھرانے کا فائدہ ان عظیم الشان اصولوں پر اپنے ایمان کی تجدید ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ نبی کریم ﷺ سے وارد مشروع و ماثور اذکار کی تعلیم حاصل کرے؛ اور ان سب کو اسی باب میں شمار کرے: ایمان کی تقویت و تجدید۔ اس لیے کہ ایمان کو تجدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بیشک تم میں سے کسی ایک کے سینے میں ایمان ایسے ہی پرانا ہو جاتا ہے جیسے پرانا کپڑا بوسیدہ ہو جاتا ہے؛ پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ تمہارے دلوں میں ایمان کی تجدید ہو جائے۔''[مستدرك 5 ؛ معجم الكبير 84 ؛ صحيحه 1585]

پس ہر رات میں ان دو آیات کی تلاوت سے ایمان کی تجدید اور استحضار ہوتا ہے؛ اور وہ ان عظیم اصولوں پر کیا گیا وعدہ یاد آتا ہے۔ خصوصاً جب انسان غور و فکر کے ساتھ ان آیات کی تلاوت کرے۔ اور وہ کتنی ہی قابل قدر رات ہو گی جب مؤمن ان عظیم اصولوں پر تجدید عہد کرتا ہو گا جن پر تمام دین کی عمارت قائم ہے۔

❁ اس عظیم سورت کے درمیان میں بھی ان اصولوں کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ﴾[۲:۱۷۷]

''نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔''

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ان عظیم اصولوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ جتنی بھی آیات گزری ہیں؛ جن میں اصول ایمان کا بیان ہے؛ ان میں تقدیر پر ایمان کا بیان نہیں آیا؛ حالانکہ تقدیر پر ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان کو شامل ہے۔ اور تقدیر الٰہی پر ایمان کا ذکر دیگر کئی ایک آیات میں آیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝۴۹﴾[۵۴:۴۹]

''ہم نے ہر چیز اندازۂ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳﴾[۸۷:۳]

''جس نے بنایا پھر درست کیا۔ اور جس نے اندازہ ٹھہرایا پھر ہدایت دی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝۴۰﴾[۲۰:۴۰]

''پھر اے موسیٰ تم (قابلیت رسالت کے) اندازے پر آ پہنچے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝۲۳﴾[۷۷:۲۳]

''پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ کرنے والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲۰﴾[۲:۲۰]

''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

ان معانی میں اور بھی بہت ساری آیات موجود ہیں۔

جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے؛ قرآن کریم میں ان اصولوں کا اجمالی اور تفصیلی بیان وارد ہوا ہے؛ جب آپ قرآن پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے بہت ساری آیات اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے اسماء وصفات اور عظمت وافعال کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ اور بہت ساری آیات فرشتوں پر ایمان ان کے اوصاف؛ ان کے اعمال اور ذمہ داریوں کے بیان سے متعلق ہیں۔ اور بہت ساری آیات نازل کردہ کتب پر ایمان سے متعلق ہیں؛ اور بہت ساری آیات میں انبیاء کرام کے قصے اور ان کی خبریں ہیں۔ اور بہت ساری آیات آخرت کے اوصاف اس کے اسماء کے بیان علامات اور اوصاف اور احوال پر مشتمل ہیں؛ اور بہت ساری آیات تقدیر پر ایمان سے متعلق ہیں۔ بہت کم ہی آپ کوئی آیت ایسی پڑھیں گے جو ان عظیم اصولوں میں سے کسی ایک اصول سے متعلق نہ ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے۔

ان تمام امور سے ان اصولوں کا مقام ومرتبہ؛ عظمت شان اور بلند درجہ ومقام واضح ہوتے ہیں؛ اور بیشک یہی وہ اصول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے مشہور حدیث جبریل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب جرائیل نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایمان کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا؛ اور آخرت کے دن کا یقین رکھو، اور ہر طرح کی تقدیر الٰہی؛ خواہ خیر ہو یا شر ہو؛ اس پر ایمان رکھو۔'' (مسلم 8)

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھ ایمانی اصولوں کو بیان کیا جن پر اللہ کا دین قائم ہے۔

کئی احادیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کا تعارف؛ اس کے اسماء واوصاف اور عظمت وجلال کا ذکر ہے۔ اور بہت ساری احادیث ملائکہ پر ایمان؛ ان کے اوصاف واعمال اور اخبار اور ذمہ داریوں کے بیان سے متعلق ہیں۔ اور بہت ساری احادیث میں کتابوں کا ذکر؛ انبیاء علیہم السلام کا ذکر؛ اور کئی احادیث میں آخرت کے اوصاف؛ قیامت کے احوال اور جنت اور جہنم کے اوصاف ہیں۔ اور بہت ساری احادیث میں تقدیر پر ایمان کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ پس سنت مطہرہ ان احادیث مبارکہ سے بھرپور ہے جن میں ان عظیم الشان اصولوں اور اساس کا بیان ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے۔

ان تمام اصولوں کی اصل اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ باقی اصول اس کے تابع اور اس کی فرع ہیں۔ ان اصولوں کے اس بڑے اصول کے تابع ہونے کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی میں دیکھیں:

﴿كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۤ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۲۸۵﴾ [البقرة 285]

''سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں؛ ہم اس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے سنا اور قبول کیا۔ اے رب ہم

تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

اس آیت کریمہ میں ''فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان'' کے اصول اللہ تعالیٰ پر ایمان کی اصل کے تابع ہیں؛ یہی ان میں سب سے بڑا اور عظیم الشان بنیادی اصل الاصول ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مطلب : اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ؛ الوہیت اور اسماء وصفات میں اس کی وحدانیت پر ایمان ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے تین ارکان ہیں ؛ اور کوئی انسان اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہوئے ان کے حقائق کو بجانہ لائے۔ اس کی حقیقت یہ ہے:

ایمان باللہ کے ارکان

پہلا اصول:...... اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں اس کی وحدانیت پر ایمان: یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت میں اکیلے وحدہ لاشریک ہیں۔ رزق دینے میں؛ پیدا کرنے میں : اور تصرف وتدبیر میں ؛ زندہ کرنے اور مارنے میں۔ بیشک یہ تمام تر امور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اور ساری کی ساری مخلوق اس کی تدبیر و تسخیر کے سامنے سرنگوں ہے۔ پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام جہانوں کے رب اور ان کے خالق و مالک ہیں ؛ان کا کوئی شریک نہیں ؛ وہی ان میں تصرف کرتے ہیں ؛اور ان کے معاملات کی تدبیر ان کے ہی ہاتھ میں ہے۔ وہ نوازتے ہیں اور محروم بھی رکھتے ہیں؛ اٹھاتے اور گراتے ہیں؛ وسعت دیتے اور تنگی پیدا کرتے ہیں۔عزت اور ذلت دیتے ہیں زندگی اور موت کے مالک ہیں۔ حکم صرف ان کا ہی چلتا ہے؛ مخلوق ساری ان کی پیدا کردہ ہے۔ وہ جیسے چاہیں ان میں حکم چلاتے ہیں اور جیسے چاہیں فیصلہ کرتے ہیں۔ ان کے حکم کا کوئی تعاقب نہیں کرسکتا اور نہ ہی ان کے فیصلہ کو ٹال سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ ﴾[آل عمران 26]

''فرمادیجیے: یااللہ! بادشاہی کے مالک تو جسے چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے بھلائی تیرے ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ ﴾

''کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو رزق دے۔''

دوسرا رکن:......اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں اس کی وحدانیت پر ایمان۔یعنی اللہ تعالیٰ کے بہت سارے پیارے پیارے نام اور بہت ہی عالیشان صفات ہیں[جن پر ایمان لانا ضروری ہے] ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی

ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۸۰﴾[۷:۱۸۰]

''اور اللہ کے سب نام ہی اچھے ہیں۔ تو اس کو ان ناموں سے پکارا کرو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کی سزا پائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾[۱۷:۱۱۰]

''کہہ دو کہ اللہ نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے؛ جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝۲۲ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۲۳ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۴﴾[۵۹:۲۴]

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بادشاہ؛ پاک ذات؛ سلامتی والا؛ امن دینے والا نگہبان غالب زبردست بڑائی والا۔ اللہ پاک ہے اس سے جو کچھ وہ شرک کرتے ہیں۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق۔ موجد؛ صورت بنانے والا اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی مخلوقات اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

قرآن کریم معبود برحق کی تعریف وتوصیف؛ اس کی عظمت کے بیان؛ اور اسماء وصفات اور افعال کے بیان پر مشتمل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کا ایک لازمی رکن یہ بھی ہے کہ اس کے اسماء وصفات پر ایمان رکھا جائے۔ یعنی ان کو ہم ایسے ہی ثابت مانیں جیسے نصوص وارد ہوئی ہیں۔ بغیر کسی کیفیت کے بیان؛ بغیر کسی تمثیل وتحریف اور بغیر کسی تعطیل کے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز کی نفی کرتے ہیں جس کی نفی اللہ تعالیٰ نے خود یا پھر رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔ اس باب میں ہم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے تجاوز نہیں کرتے؛ اس سلسلہ میں حضرت امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم اللہ تعالیٰ کی وہ صفات بیان کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے یا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کی ہیں؛ اور ہم قرآن وحدیث سے آگے نہیں بڑھتے۔'' (مجموع الفتاوی 26/5)

جو کوئی اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر ایمان نہ رکھتا ہو؛ درحقیقت وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ کوئی کیسے مؤمن ہو سکتا

ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا انکار کرتا ہو؟ بھلے وہ ایک ہی نام کا انکار کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی ایک نام کا؛ یا صفات میں سے کسی ایک صفت کا انکار کرتا ہے؛ وہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ﴾[١٣:٣٠]

''اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں؛ فرما دیں: وہی میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

پس اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ''الرحمن'' کے انکار کو کفر کہا گیا ہے؛ تو وہ کیسے مؤمن ہوسکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہونے والے اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اور صفات عالیشان کا منکر ہو؟

تیسرا رکن: ...... الوہیت میں اللہ تعالیٰ اس کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾[البينة 98]

''حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾[٤:٣٦]

''اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[١٦:٣٦]

''اور بیشک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾[١٧:٢٣]

''اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي﴾[٤٣:٢٦]

''بیشک میں بیزار ہوں تمہارے معبودوں سے، سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا۔''

ان معانی میں دیگر بھی بہت ساری آیات ہیں۔

الوہیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اس اعتقاد سے ہوتا ہے کہ معبود برحق صرف وہی ایک اللہ ہے؛ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں؛ اور دین کو خالص اسی کے لیے کیا جائے؛ اور صرف اسی کی عبادت بجالائی جائے۔ اس طرح سے کہ بندہ ذلت وانکساری؛ رکوع اور سجدہ؛ ذبح اور نذر ونیاز اور دیگر عبادات میں اس کی توحید بجالائے۔ یہی چیز کلمہ ''

لا إله إلا اللّٰه " کا مدلول بھی ہے۔ پس اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارے؛ اور اللہ کے علاوہ کسی سے مشکل کشائی نہ چاہے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر توکل کرے؛ ذبح کرے تو صرف اللہ کے لیے؛ نذر مانے تو صرف اللہ کے لیے۔ اور دعا میں اپنے ہاتھ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیلائے۔ جو کوئی اپنے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے: یا رسول اللہ مدد؛ یا فلاں مدد؛ اصل میں اس انسان کو ایمان کی حقیقت کا پتہ ہی نہیں۔ اور نہ ہی انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی دعوت کی حقیقت کا پتہ ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾ [٦:١٦٣]

"آپ فرما دیں: بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے؛ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی توحید کا حکم دیا ہے؛ اور اپنی ساری زندگی اسی توحید و اخلاص کی طرف دعوت میں صرف کر دی۔ آپ کا فرمان ہے:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلْ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ رُفِعَتْ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتْ الصُّحُفُ))

"جب مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو اور اگر مدد طلب کرو تو صرف اسی سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائیں تو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا۔ قلم اٹھا دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔"[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان ان تین ارکان پر قائم ہوتا ہے۔ دین اسلام کو توحید کا دین کہا جاتا ہے؛ اس لیے اس کی بنیاد ربوبیت و الوہیت اور اسماء و صفات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے پر قائم ہوتی ہے۔ اور کوئی انسان اللہ پر ایمان رکھنے والا نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان امور پر ایمان نہ لائے اور ان کے حقائق اور ان تقاضوں کو پورا نہ کرے جو توحید و اخلاص میں مطلوب ہیں۔

---

[1] یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ البانی نے اسے صحیح کہا ہے: صحیح الجامع 7956؛ دیکھیں: مسند احمد 2763؛ ترمذی 2516۔ عن ابن عباس۔

فرشتوں پر ایمان

دوسرا اصول :...... ملائکہ پر ایمان: ملائکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ؛اور اس کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں؛ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے؛ بلکہ جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے؛ وہ کر گزرتے ہیں۔اوران کی صحیح تعداد صرف ان کا پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے۔

یہاں پرملائکہ پر ایمان کے باب میں ہم سے مطلوب یہ ہے کہ ہم ان پر جہاں اجمال ہے وہاں اجمالی ایمان رکھیں ؛اور جہاں پر تفصیل ہے؛تفصیلی ایمان رکھیں۔خواہ یہ تفصیل اسماء میں ہو؛ یا اعداد میں یا اوصاف اور ذمہ داریوں میں۔

مثال کے طور پر: ملائکہ کے نام: نصوص میں صرف چند فرشتوں کے نام آئے ہیں ؛جیسے جبریل ؛ میکائیل ؛ اسرافیل؛ مالک ؛منکرنکیر۔ یہ تفصیلی نام ہیں کتاب اللہ یا سنت نبویہ کی نصوص میں وارد ہوئے ہیں ؛ ہم ان پر ایسے ہی ایمان رکھتے ہیں اور جن کے ناموں کی تفصیل نہیں آئی ؛ ہم ان پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں۔پس ہم ایمان رکھتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور بھی ہیں؛ اور ان کی نام بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔اورایسے ہی وہ اسماء بھی ہیں جو تمام ملائکہ کو شامل ہیں جیسے ''ملائکہ ، کرامٌ بررةٌ؛ رسل الله ؛ السفره ۔ پس ملائکہ کے متعلق جو بھی تفصیلات ان کے ناموں کی آئی ہیں ؛ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔

ملائکہ کے اوصاف:......ان کے اوصاف کے متعلق جو تفصیلی نصوص وارد ہوئی ہیں؛ ہم ان پر تفصیلی ایمان رکھتے ہیں۔ اور جن اوصاف کی تفصیلات نہیں ہیں؛ ہم ان پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں؛ اور ان تفصیلات میں سر نہیں کھپاتے جن کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں نہیں۔پس کسی انسان کے لیے ہرگز یہ جائز نہیں کہ وہ بغیر دلیل کے ملائکہ کا کوئی وصف بیان کرے چونکہ یہ غیبی معاملہ ہے۔اورغیب کی معرفت کا ہمارے پاس ذریعہ وحی ہے؛جس چیز کی تفصیل وحی میں موجود ہواس پر ایمان رکھتے ہیں؛اورجس کی تفصیل کا علم ہمارے پاس نہ ہواس میں سرنہیں کھپاتے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾﴾[١٧:٣٦]

''اوراس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بیشک کان اور آنکھ اوردل ان سب سے سوال ہونا ہے۔''

ملائکہ کے تفصیلی اوصاف :...... جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہیں: آپ نے فرمایا:

((أُذِنَ لِي أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ مَلَكٍ مِنْ مَلَائِكَةِ اللَّهِ مِنْ حَمَلَةِ الْعَرْشِ إِنَّ مَا بَيْنَ شَحْمَةِ أُذُنِهِ إِلَى عَاتِقِهِ مَسِيرَةُ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ))

(ابو داؤد 4727 ؛ و صححه الألبانی فی الصحیحة 151)

''مجھے یہ اجازت دی گئی ہے کہ میں اللہ کا عرش اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے بارے میں بیان کروں کہ اس کے کانوں کی لو سے کندھے تک کا درمیانی فاصلہ سات سو سال (کی مسافت جتنا) ہے۔''

اس حدیث میں گردن؛ کان؛ اور کان کی لو کا اثبات ہے؛ اگر کوئی پرندہ اس فرشتے کی گردن سے کان کی لو کی طرف اڑے؛ تو اسے وہاں تک پہنچنے کے لیے سات سو سال کی پرواز کا عرصہ درکار ہوگا۔ جہاں تک ہماری بات ہے؛ تو ہماری گردن اور کان کی لو کے درمیان بہت کم فاصلہ ہے۔ اور پھر کان کی لو بھی بہت چھوٹی سی ہے۔ جہاں پر پرندہ کھڑا بھی نہیں ہوسکتا۔

ملائکہ کے اوصاف:...... انہیں نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خُلِقَتْ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ))(مسلم 2996)

''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔''

اور ان کے پر ہیں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ﴾[۳۵:۱]

''فرشتوں کو رسول بنانے والا جن کے دو دو تین تین چار چار پر ہیں، بڑھاتا ہے پیدائش میں جو چاہے۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلَ فِي صُورَتِهِ وَلَهُ سِتُّ مِائَةِ جَنَاحٍ كُلُّ جَنَاحٍ مِنْهَا قَدْ سَدَّ الْأُفُقَ يَسْقُطُ مِنْ جَنَاحِهِ مِنْ التَّهَاوِيلِ وَالدُّرِّ وَالْيَاقُوتِ مَا اللَّهُ بِهِ عَلِيمٌ)) [أخرجه أحمد 3748 ؛ وله شواهد ؛ أنظر : الصحيحة 1415/7۔]

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل وصورت میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے اور ہر پر نے افق کو گھیر رکھا تھا اور ان کے پروں سے اتنے پھول، موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے جن کی مقدار اللہ ہی جانتا ہے۔''

پس ملائکہ بہت بڑی عظیم مخلوق ہیں۔ ان کے یہ اوصاف ان مخلوقات کی عظمت اور ان کی قوت اور بڑے اجسام پر دلالت کرتے ہیں۔

ملائکہ کی تعداد: ......ہم اجمالی طور پر ایمان رکھتے ہیں کہ ان کی صحیح تعداد کو ان کے خالق کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؛ فرمایا:

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾[۳۱:۷۴]

''اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

ملائکہ کی بہت بڑی کثیر تعداد کی ایک دوسری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسراء کا واقعہ ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

((فَرُفِعَ لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ فَقلتُ يَا جِبْرِيلَ ما هذا؟فَقَالَ هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ يَدْخُلُه كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوا لَمْ يَعُودُوا إِلَيْهِ آخِرُ مَا عَلَيْهِمْ))

(البخاری 3207 مسلم 164)

''پھر میرے سامنے بیت معمور ظاہر کیا گیا؛ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ بیت معمور ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جب وہ (نماز پڑھ کر) نکل جاتے ہیں تو قیامت تک واپس نہیں آتے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ السَّمَاءَ أَطَّتْ وَحَقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلَّهِ))

(أحمد 21516 ، ترمذی 2312 ، ابن ماجة 4190۔ صححه الألبانی فی الصحیحة 1722)

''آسمان چرچرا رہا تھا اور چرچرانا اس کا حق تھا؛ اس میں چار انگلیوں برابر جگہ بھی باقی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کر رہا ہو۔''

یہ احادیث مبارکہ ملائکہ کی کثرت پر دلالت کرتی ہیں۔

تفصیلی طور پر ہم اس تعداد پر ایمان رکھتے ہیں؛ جو ملائکہ کے متعلق وارد ہوئی ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَٰنِيَةٌ ﴿١٧﴾﴾[٦٩:١٧]

''اور اس دن تمہارے رب کا عرش اپنے اوپر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((يُؤْتَى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّونَهَا))(مسلم)

''جہنم کو لایا جائے گا اس دن جہنم کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر ایک لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑے ہوئے کھینچ رہے ہوں گے۔''

وظائف واعمال ملائکہ:...... اجمالاً وہ اللہ کے لشکر اور اس کے نیک بندے ہیں؛ اور ہر ایک مکمل طور پر اس ذمہ داری کو ادا کر رہا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے؛ ان میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿٦﴾﴾[٦٦:٦]

''جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو انہیں حکم ہو وہی کرتے ہیں۔''

تفصیلاً: ہم ان کی ان ذمہ داریوں پر ایمان رکھتے ہیں جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں۔کوئی فرشتہ وحی پر مامور ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾﴾ [۲۶:۱۹۴]

''اسے روح الامین لے کر اترا؛ آپ کے دل پر تا کہ آپ ڈر سنانے والوں میں سے ہو جاؤ۔''

کسی فرشتے کی ذمہ داری روح قبض کرنا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ﴾ [۳۲:۱۱]

''فرما دیں: تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔''

اور کچھ کی ذمہ داری انسان کی حفاظت کرنا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ [۱۳:۱۱]

''آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں اس کے آگے پیچھے کہ بحکم الٰہی اس کی حفاظت کرتے ہیں۔''

کچھ کی ذمہ داری انسان کے اعمال لکھنا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾﴾ [۸۲:۱۱]

''اور بیشک تم پر کچھ نگہبان ہیں معزز لکھنے والے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾﴾ [۵۰:۱۸]

''کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔''

کچھ کی ذمہ داری بارش پر ہے؛ اور ان کے علاوہ ان کی دیگر بھی ذمہ داریاں ہیں جن کی تفصیل کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہے؛ ہم ان تمام امور پر ایمان رکھتے ہیں۔

اور حدیث مبارک میں یہ بھی آیا ہے؛ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ)) (مسلم)

''اور جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور اس کی تعلیم میں مصروف ہوتے ہیں ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس موجود فرشتوں میں کرتے ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَبْتَغِي فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضَاءً لِطَالِبِ الْعِلْمِ))

(أحمد 21715 ؛ أبو داؤد 3641 ؛ الترمذي 2682 ؛ صحيح الجامع 6297)

''جو شخص طلب علم کے لیے راستہ طے کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسے جنت کی راہ چلاتا ہے؛ اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔''

پس جو طالب روزانہ علم کے حلقوں میں جا کر بیٹھتا ہے؛ وہ ملائکہ کو دیکھتا تو نہیں ؛ مگر انہوں نے اس طالب علم کے لیے اپنے پر بچھائے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں نہیں دیکھتا مگر وہ اپنے پروں سے علم کی مجلس کو ڈھانکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور وہ اس پر ایمان رکھتا ہے؛ اور اس کا اس پر کامل یقین ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ اور اس ایمان کے اثرات انسان پر مرتب ہوتے ہیں؛ اور اس کے دل میں جگہ پاتے ہیں۔ اور انسان کو علم حاصل کرنے میں اپنی یہ عظیم کرامت نظر آتی ہے؛ یہ شرف صرف علم کے حصول میں ہے۔ اور اس کا یہ شرف بھی ہے کہ فرشتے اس کے اس فعل پر راضی ہوکر اس کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

کتابوں پر ایمان

اصول ایمان میں سے تیسرا اصول :...... کتابوں پر ایمان: اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ﴾ [۴۲:۱۵]

''کہو کہ میں ایمان لایا اس پر جو کوئی کتاب اللہ نے اتاری۔''

یعنی ہر اس کتاب پر ایمان لایا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی رسول پر نازل کی ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۳۶﴾ [۴:۱۳۶]

''اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاردی اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔''

یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جن میں ایمان کے اصول جمع کر دیے گئے ہیں ؛ ان ہی میں سے کتابوں پر ایمان بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان اصولوں کا ؛ یا ان میں سے کسی ایک اصول کا انکار کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر

ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں پر ایمان نہ رکھنے کو کفر قرار دیا ہے۔

کتابوں پر ایمان جہاں اجمال ہو؛ وہاں مجمل ہوتا ہے اور جہاں تفصیل ہو؛ تفصیلی ایمان رکھنا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ تمام آسمانی کتابوں کے نام ذکر نہیں کیئے گئے۔ اور نہ ان کے اندر کی تفصیل موجود ہے؛ بلکہ ان میں سے بعض کے ناموں کا ذکر ملتا ہے؛ اور کچھ ان کے اندر کی تفصیل ہے۔ پس جب تک تفصیل وارد نہ ہوئی ہو ہم اس پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں اور جہاں پر تفصیل ہے تو اس پر ایسے ہی تفصیلی ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ نصوص میں وارد ہوا ہے۔

آسمانی نازل شدہ کتابوں میں سے: ''توارت'' حضرت موسی علیہ السلام پر؛ اور ''انجیل'' حضرت عیسی علیہ السلام پر اور '' زبور'' حضرت داؤد علیہ السلام پر اور کچھ صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے ہیں؛ یہ جیسے اور جتنی تفصیل وارد ہوئی ہے ہم اس پر اسی طرح تفصیلی ایمان رکھتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝﴾ [۸۷:۱۹]

''بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے، بیشک یہ اگلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔''

یہ ایک تفصیلی چیز ہے؛ ہم اس پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ﴾ [۴۸:۲۹]

'' محمد اللہ کے رسول ہیں، اور ان کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل ہیں آپ انہیں دیکھو گے رکوع اور سجدے میں؛ اللہ کا فضل و رضا چاہتے ہیں ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں یہ ان کی صفت توریت میں ہے، اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی ہو اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر تناور ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی؛ کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کو غصہ ہو۔''

یہ ثناء تورات میں ہے جو حضرت موسی علیہ السلام پر نازل ہوئی؛ اور انجیل میں ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ صحابہ کرام کی یہ اتنی بڑی تعریف اور مدح سرائی ان کے وجود میں آنے سے پہلے بیان کی گئی ہے۔

جہاں تک ان کتابوں کے تفصیلی احکام کا تعلق ہے تو ہم ایمان رکھتے ہیں کہ یہ تمام کتابیں توحید پر قائم تھیں۔ اور یہ تمام ان چھ اصول ایمان کو شامل تھیں۔ اور بیشک انبیاء کرام کی دعوت ایک ہی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾[١٦:٣٦]

''اور بیشک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ﴾[٤٦:٢١]

''اور یاد کرو عاد کے بھائیوں کو؛ جب اس نے ان کو سرزمینِ احقاف میں ڈرایا اور بیشک اس سے پہلے ڈر سنانے والے گزر چکے تھے؛ اور آپ ان کے بعد آئے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

تمام رسولوں کا اس اصل اصول پر اتفاق رہا ہے کہ: ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ﴾[٤٦:٢١]

''اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

اور آخرت کے دن پر بھی ان کا اتفاق رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ﴾[٣٩:٧١]

''اور کافر گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے حتی کہ جب وہاں پہنچیں گے اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے: کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے وہ رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کے ملنے سے ڈراتے تھے۔''

ایسے ہی جنت اور جہنم کے ذکر؛ جزاء و سزا اور حساب و عقاب کے عقیدہ پر بھی ان کا اتفاق رہا ہے۔

یہ عقیدہ بھی کتابوں پر ایمان کا ایک حصہ ہے کہ یہ تمام کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی اور اس کی نازل کردہ ہیں۔ اور رسولوں نے ان کتابوں کی پوری پوری تبلیغ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۝۵۴﴾[٢٤:٥٤]

''اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف صاف پہنچا دینا۔''

یہ کتابیں ہدایت و فلاح؛ سعادت اور کامیابی پر مشتمل تھیں۔ اور ان امتوں میں سے جن پر یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں؛ جو کوئی ان پر ایمان لایا وہ کامیابی اور نجات پا گیا؛ اور دنیا و آخرت کی کامرانیاں سمیٹ لیں۔ اور جو کوئی ایمان نہیں لایا؛ وہ تباہ و برباد ہوا اور گھاٹے میں رہا۔

ہم ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن کریم نازل ہونے والی آخری کتاب ہے؛ جیسا کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ خاتم الانبیاء ہیں؛ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور بیشک یہ قرآن اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان پر نگہبان

ہے۔اوران کے علاوہ دیگران امور پربھی ایمان رکھتے ہیں جواصول ایمان میں سے ان کتابوں سے متعلق ہیں۔

رسولوں پر ایمان

اصول ایمان میں سے چوتھا اصول :......''رسولوں پر ایمان'': جہاں اجمال ہو؛ وہاں اجمالی اور جہاں تفصیل ہو وہاں پر تفصیلی ایمان۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے سامنے بہت سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے بیان کئے ہیں ؛اور بہت سارے انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہیں جن کے قصے بیان نہیں کئے گئے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ﴾[۴۰:۷۸]

''ان میں سے کسی کا احوال آپ سے بیان فرمایا اوران میں سے کسی کا احوال آپ سے بیان نہ فرمایا۔''

پس ان میں سے کچھ کے احوال اللہ تعالیٰ نے بیان کئے ہیں؛ اور کچھ کے فقط نام ذکر کئے ہیں۔ان کے علاوہ ان انبیاء کی ایک بڑی تعداد ہے جن کے ناموں کا ذکر کتاب وسنت میں نہیں ملتا۔قرآن کریم میں پچیس انبیائے کرام علیہم السلام کے ناموں کا ذکر ملتا ہے؛ اور بہت سارے انبیاء ومرسلین کے نام نہیں بتائے گئے۔ پس جن انبیاء کے ناموں کا ذکر ملتا ہے؛ ہم ان پر اس تفصیل کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں؛ اور جن انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت اور امت کے ساتھ ان کے حالات بیان ہوئے ؛ ان پر اس تفصیل کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں ؛جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ؛حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ؛ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ؛ حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ ؛حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ ؛حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ ؛ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ؛ان کے متعلق تفصیلی احوال بیان ہوئے ہیں۔ان میں سے بعض کی تفاصیل زیادہ ہیں اور بعض کی کم ۔ہم کتاب اللہ میں وارد اس تفصیل پر ایمان رکھتے ہیں۔

ایسے ہی میں سے جن کی تفصیل سنت مطہرہ میں وارد ہوئی ہے ؛ ہم اس پر ویسے ہی ایمان رکھتے ہیں؛ اور جن کی تفصیل وارد نہیں ہوئی ؛ ان پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں ؛ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ انہوں نے صاف اور واضح الفاظ میں تبلیغ دین کی ؛اورکوئی بھلائی ایسی نہیں چھوڑی جس کی متعلق اپنی امتوں کو آگاہ نہ کیا ہو؛ اورکوئی برائی ایسی نہیں جس سے انہیں خبردار نہ کیا ہو۔اور یہ کہ جولوگ ان پر ایمان لائے اوران کی اتباع کی ؛ وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوگئے ؛ اور جنہوں نے ان کو جھٹلایا اوران کا انکار کیا ؛ وہ دنیا وآخرت میں نقصان اور خسارے میں رہے ؛اور رسوائی اٹھانے والے بن گئے۔

ہم ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بعض دوسروں پر فضیلت دی ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾[۲:۲۵۳]

''یہ رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾[۱۷:۵۵]

''اور بیشک ہم نے بعض انبیاء کو دوسرے بعض پر فضیلت دی ہے۔''

ہم انبیائے کرام علیہم السلام کے مابین اس تفاضل/فضیلت پر ایمان رکھتے ہیں؛ اور ہمارا ایمان ہے کہ ان میں سے افضل اولوالعزم رسول تھے؛ وہ پانچ ہیں: حضرت نوح؛ حضرت ابراہیم؛ حضرت موسیٰ؛ حضرت عیسیٰ اورحضرت محمد علیہم السلام؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّنَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا﴾[۳۳:۷]

''اور یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی؛ اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔''

ہمارا ایمان ہے کہ ان اولوالعزم رسولوں میں سے افضل خاتم الانبیاء والمرسلین سید الاولین والآخرین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں ؛ ہمارا ایمان ہے کہ آپ پر نبوت ورسالت والا سلسلہ ختم ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ ۗ﴾[۳۳:۴۰]

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور خاتم نبیین ہیں۔''

صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بیشک میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

(البخاری 3455 مسلم 1842)

آخرت کے دن پر ایمان

اصول ایمان میں سے پانچواں اصول:...... ''آخرت کے دن پر ایمان'' آخرت کے دن پر ایمان ان تمام چیزوں پر ایمان لانے کو شامل ہے جو مرنے کے بعد ہوں گی؛ اور جن کی تفصیل کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہے۔ موت آخرت کے دن کی ابتداء ہے؛ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے؛ جو کوئی مرجاتا ہے؛ اس پر قیامت قائم ہو جاتی ہے؛ اور آخرت کی گھڑی شروع ہوجاتی ہے۔

پس ''آخرت کے دن پر ایمان'' ان تمام چیزوں پر ایمان رکھنے کا نام ہے جو مرنے کے بعد پیش آئیں گی جو قبر کی آزمائش وہاں کے عذاب یا نعمتوں سے شروع ہوتی ہیں۔ پھر اس کے بعد کچھ دیگر امور پیش آئیں گے؛ جیسے: دوبارہ اٹھایا جانا؛ رب العالمین کے سامنے پیشی؛ حشر؛ میزان؛ صراط؛ نامہ اعمال کی تقسیم؛ کچھ لوگ دائیں ہاتھ میں اور کچھ لوگ بائیں ہاتھ میں اعمال نامے لیں گے؛ پھر جنت اور جہنم؛ اور جو تفصیلات جہنم کے عذاب سے متعلق ہیں؛ اور جو تفصیلات

جنت کی نعمتوں سے متعلق ہیں (ان سب پر ایمان کو شامل ہے)۔

آخرت پر ایمان کے درجات

''آخرت کے دن پر ایمان'' کے دو درجے ہیں:

1۔ ایمان جازم: جس کے بغیر'' آخرت کے دن پر ایمان'' قبول نہیں کیا جائے گا؛ بغیر کسی شک وشبہ کے پختہ اور جازم اعتقاد رکھے کہ آخرت کا ایک دن ہے جس میں حساب و کتاب (اور جزاء وسزا) ہونگے۔ پس جو کوئی اس میں شک یا تردد کرے وہ مؤمن نہیں ہوسکتا؛ اور اس کا کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا۔

2۔ پختہ ایمان: یعنی دل میں جگہ پکڑا ہوا گہرا مطمئن کر دینے والا ایسا ایمان جس کو انسان اپنے تمام تر احوال و اعمال اور تمام امور میں یاد رکھے؛ وہ اس طرح کہ جب بھی وہ کوئی کام کرنا چاہے تو اسے'' آخرت کے دن پر ایمان'' یاد آ جائے۔اور آپ دیکھیں کہ وہ انسان ہر وقت اس کے لیے مستعد اور آخرت کی تیاری کر رہا ہے۔ اسی لیے بلند درجات والے؛ جنت کی نعمتیں پا کر کامیاب ہونے والے اپنے اس ایمان راسخ اور اس کے اثرات ونتائج کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہیں گے:

﴿قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿٢٧﴾﴾ [۵۲:۲۶-۲۷]

''بولے بیشک ہم اس سے پہلے اپنے گھروں میں سہمے ہوئے تھے۔تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچالیا۔''

بیشک یہ خوف اور ڈر انسان کو اس دن کی تیاری کے لیے مستعد کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾﴾ [۶۹:۱۹-۲۰]

''تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال دہنے ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا لو میرے نامۂ اعمال پڑھو، مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔''

یعنی میرا دوٹوک عقیدہ اور پختہ ایمان پر تھا کہ یقیناً مجھ سے حساب لیا جائے گا؛ اور مجھے رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے ؛ اور اس ایمان کا یہ ثمرہ تھا کہ میں نے اس دن کے لیے تیاری کی اور مستعد رہا۔

آخرت کے دن پر ایمان میں قیامت کی ان نشانیوں پر ایمان بھی شامل ہے؛ جو اس سے پہلے پیش آئیں گی؛ یہ نشانیاں چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ﴾ [۴۷:۱۸]

''تو کس کے انتظار میں ہیں مگر یہ کہ قیامت ان پر اچانک آجائے، کہ اس کی علامتیں تو آ ہی چکی ہیں۔''

علامت: نشانی کو کہتے ہیں۔

تقدیر پر ایمان

اصول ایمان میں سے چھٹا اصول:...... ''اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان'' تقدیر پر ایمان اصل میں اللہ تعالیٰ کے ہر چیز سے متعلق سابق اور ازلی علم پر ایمان ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے؛ اور ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تقدیر اور ان کے اعمال زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی چاہت پر ایمان؛ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہو گیا؛ جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ اور یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کے خالق ہیں۔ پس تقدیر پر ایمان کے چار ارکان ہیں؛ جو اس شعر میں جمع کر دیے گئے ہیں:

علم كتابة مولنا مشئية وخلقه وهو تكوين و ايجاد

''علم کتابت اور ہمارے رب کی چاہت اور تخلیق؛ یہی تکوین اور ایجاد ہے۔''

یہ چار امور تقدیر پر ایمان کے مراتب ہیں۔ اور کوئی انسان اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک ان پر ایمان نہ لے آئے؛ ان کی تفصیل یہ ہے:

- پہلا مرتبہ:...... علم پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے ہر اس چیز کا علم ہے جو ہو گئی؛ اور جو ہو گی؛ اور جو کچھ نہیں ہوا؛ اور اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا۔ اور اس نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے؛ اور ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے۔
- دوسرا مرتبہ:...... کتابت پر ایمان: بیشک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیر اور بندوں کے اعمال لکھ رکھے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝﴾ [۲۲:۷۰]

''بیشک یہ سب ایک کتاب میں ہے بیشک یہ سب اللہ پر بہت آسان ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ)) (مسلم)

''اللہ نے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھ رکھی ہیں۔''

اور دوسری حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ اكْتُبْ فَقَالَ مَا أَكْتُبُ قَالَ اكْتُبْ الْقَدَرَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى القيامة)) (أحمد 22707 ؛ أبو داؤد 4700 ؛ الترمذي 3319 ؛ الصحيحة 133.)

''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور حکم دیا کہ لکھو اس نے عرض کیا کیا لکھوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''

تقدیر جو گزر چکی اور جو ہمیشہ ہمیشہ ہونے والی ہے قیامت تک۔"

پس قلم نے وہ تمام کچھ لکھ دیا جو ہمیشہ ہمیشہ قیامت تک ہونے والا ہے۔ [1]

تیسرا مرتبہ، چاہت:...... تمام کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی چاہت کے تحت ہیں؛ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ ہو گیا اور جو نہیں چاہا وہ نہیں ہوا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

"اور نہیں تم چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔"

پس ہم اللہ تعالیٰ کی نافذ ہونے والی شامل چاہت اور قدرت پر ایمان رکھتے ہیں؛ اور بیشک اللہ تعالیٰ کے ملک میں صرف وہی ہو سکتا ہے جو وہ چاہے اور اس کا ارادہ کرے؛ خواہ یہ ارادہ کونی ہو یا شرعی۔

چوتھا مرتبہ:...... تخلیق و ایجاد کا مرتبہ ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے خالق ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ "اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور (اسے بھی) جو تم کرتے ہو۔"

اور فرمایا:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾

"اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔"

اور فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ "سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔"

پس یہ تقدیر پر ایمان کے مراتب ہیں؛ علم؛ کتابت؛ مشیئت؛ اور ایجاد۔ اور ان امور پر ایمان لائے بغیر تقدیر پر ایمان نہیں ہو سکتا۔

تقدیر پر ایمان اور اس کی اچھائی اور برائی کے اللہ کی طرف سے ہونے کی تصدیق کرنا؛ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف بہترین توجہ و التفات اور اس پر مکمل توکل و اعتماد اور اس کی بارگاہ میں التجاء و گریہ وزاری کا سبب بنتا ہے؛ کہ انسان ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہے اور اس سے ثابت قدمی کا سوال کرتا رہے؛ کہ اس کے دل میں کجی نہ پیدا ہو؛ اور

---

[1] پوری حدیث یوں ہے: "ولید بن عبادہ کہتے ہیں: ایک مرتبہ (اپنے والد) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت بیمار تھے اور میں سمجھتا تھا کہ یہ ان کا مرض الوفات ہے میں نے عرض کیا ابا جان! مجھے کوئی اچھی سی وصیت کر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا: مجھے اٹھا کر بٹھا دو جب انہیں اٹھا کر بٹھا دیا گیا تو فرمایا بیٹا! تم اس وقت تک ایمان کا ذائقہ نہیں چکھ سکتے اور علم باللہ کی حقیقت نہیں جان سکتے جب تک تم اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے ہونے پر ایمان نہ لاؤ میں نے عرض کیا ابا جان! مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تقدیر کا کون سا فیصلہ میرے حق میں اچھا ہے اور کون سا برا؟ فرمایا تم اس بات کا یقین رکھو کہ جو چیز تم سے چوک گئی وہ تمہیں پیش نہ آ سکتی تھی اور جو پیش آ گئی وہ چوک نہیں سکتی تھی بیٹا! میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ چنانچہ اس نے قیامت تک ہونے والے واقعات کو لکھ دیا بیٹا! اگر تم مرتے وقت اس عقیدے پر نہ ہوئے تو تم جہنم میں داخل ہو گے۔"

اس کی اصلاح ہو جائے؛ اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی پناہ میں رکھے۔ کیونکہ تمام تر امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پس اس عقیدہ کے بہت ہی مبارک اور مثبت نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ (حدیث شریف میں ہے):

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے، آپ نے ایک چیز لی اور اس سے زمین کرید نے لگے، پھر فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا ٹھکانا دوزخ اور جنت میں نہ لکھ دیا گیا ہو۔''

لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! تو پھر ہم اپنے لکھے پر بھروسہ کیوں نہ کریں اور عمل چھوڑ دیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴾ (البخاری 4948 ؛ مسلم 2647)

''تم عمل کرو بیشک ہر شخص کو اسی چیز میں آسانی ہوتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، جو شخص اہل سعادت میں سے ہوگا اس کو نیک بختوں کے عمل میں آسانی ہوگی اور جو شخص اہل شقاوت میں سے ہوگا اس کو بدبخت کے عمل میں آسانی ہوگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝﴾ [۹۲:۶]

''تو وہ جس نے دیا اور پرہیز گاری کی۔ اور جنت کی تصدیق کی۔''

انسان کو اس مقام پر کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر اس چیز کو حاصل کرے جو اس کے لیے دنیا اور آخرت میں فائدہ مند ہو؛ اور اپنے رب سے مدد طلب کرے؛ اور اسی پر بھروسہ و اعتماد رکھے؛ اور اسی سے مدد و نصرت اور توفیق اور ہدایت کا طلب گار رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ایسی چیز کی حرص کرو جو تمہارے لئے نفع مند ہو اور اللہ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس سے عاجز مت بنو۔'' [1]

حاصل کلام! وہ عظیم اصول اور اہم ترین ارکان جن پر ایمان قائم ہوتا ہے؛ وہ: اللہ تعالیٰ پر ایمان؛ فرشتوں پر؛ کتب پر؛ رسولوں پر؛ آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان ہے۔ یہ ایسے اصول ہیں کہ ہر مسلمان پر ان کا بہت بڑا اہتمام کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور یہ اہتمام کسی بھی دوسری چیز پر مقدم ہونا چاہیے؛ اور انسان بھر پور کوشش کرکے ان کی سمجھ حاصل کرے؛ تا کہ اس کا علم بڑھے اور اس کے بیان و توضیح میں اہل علم اہل سنت والجماعت کے کلام اور دلائل کے مطالعہ سے اسے پختگی اور رسوخ حاصل ہو۔

[1] مسلم (2664)۔ یہ پوری روایت اس طرح ہے: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''طاقتور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور پسندیدہ ہے ہر بھلائی میں ایسی چیز کی حرص کرو جو تمہارے لئے نفع مند ہو اور اللہ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس سے عاجز مت ہو اور اگر تم پر کوئی مصیبت واقع ہو جائے تو یہ نہ کہو کاش میں ایسا ایسا کر لیتا کیونکہ کاش کا لفظ شیطان کا دروازہ کھولتا ہے۔

چوتھا سبق

توحید اور شرک کی اقسام

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چوتھا سبق: توحید اور شرک کی اقسام:

توحید کی تین قسمیں ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) توحید ربوبیت (۲) توحید الوہیت

(۳) توحید اسماء وصفات

توحید ربوبیت:...... اس بات پر ایمان لانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق اور ہر چیز میں تصرف کرنے والا ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

توحید الوھیت:...... اس بات پر ایمان لانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، اور یہی "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا مطلب بھی ہے، کیونکہ اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ لہٰذا تمام عبادتیں: نماز، روزہ وغیرہ صرف اللہ واحد کے لیے خالص کرنا واجب ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے عبادت کا ایک معمولی حصہ بھی بجا لانا جائز نہیں۔

توحید اسماء و صفات:...... قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء وصفات بیان کیے گئے ہیں ان پر ایمان لایا جائے اور انہیں اللہ کے لیے اس کے شایان شان ثابت کیا جائے، بایں طور کہ ان سماء وصفات کے معانی میں کوئی تحریف نہ کی جائے، نہ انہیں بے معنی کیا جائے، نہ ان میں اللہ کے لیے کیفیت بیان کی جائے اور نہ ہی مخلوق سے تشبیہ دی جائے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾ (الاخلاص)

"کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

"اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔"

بعض اہل علم نے توحید کی صرف دو قسمیں بیان کی ہیں، اور توحید اسماء وصفات کو توحید ربوبیت میں داخل کر دیا ہے، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ دونوں تقسیم کی صورت میں مقصود واضح ہے۔"

شرح:

اس درس میں توحید کی تین اقسام کا بیان ہے؛ توحید ہی وہ چیز ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ اور اس کے حقائق بجالانے کے لیے ہمیں وجود دیا ہے۔ کتاب وسنت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ توحید کی تین قسمیں ہیں:

(۱) توحید ربوبیت (۲) توحید الوہیت

(۳) توحید اسماء وصفات

یہ تینوں اقسام آپس میں مربوط اور لازم وملزوم ہیں؛ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتی۔ کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان رکھنا اس کے اسماء وصفات پر ایمان کو لازم ہے؛ کہ تمام کی تمام عبادت خالص اللہ کے لیے بجا لائی جائے؛ اور اسے عبادت میں اکیلا اور یکتا رکھا جائے؛ اور کسی کو اس کے ساتھ برابر؛ مثیل یا شریک نہ بنایا جائے۔

توحید الوہیت توحید ربوبیت اور توحیدِ اسماء وصفات کو شامل ہے؛ شیخ رحمہ اللہ نے اپنے کلام کے آخر میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ بعض اہل علم نے اس کی صرف دو اقسام شمار کی ہیں۔ وہ توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات کو ایک ہی چیز شمار کرتے ہیں؛ اور اسے توحید علمی کا نام دیتے ہیں؛ اور توحید الوہیت کو ایک قسم؛ اور اسے توحید عملی کہتے ہیں۔ پس در ایں صورت کچھ علماء کے نزدیک توحید کی دو اقسام ہیں:

1۔ توحید علمی: جو توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات کو شامل ہے؛ اس لیے کہ ان دونوں میں مطلوب علم معرفت اور اثبات ہوتے ہیں۔

2۔ توحید عملی: یہ توحید الوہیت ہے؛ یعنی اللہ تعالیٰ کو عبادت میں یکتا ماننا؛ اور دین اس کے لیے خالص کرنا۔

یہ دونوں قسم کی توحید مخلوق سے مطلوب ہے؛ پہلی قسم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق 12)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو بہ اعتبار علم گھیر رکھا ہے۔''

اور دوسری قسم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات 56)

''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

پہلی آیت کے مطابق اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ علم حاصل کریں؛ اور دوسری کے مطابق تاکہ اس کی توحید/عبادت بجا لائیں۔ توحید کی یہ دونوں اقسام مخلوق سے مطلوب ومقصود ہیں۔ ہمیں علم ہونا چاہیے کہ ہمارے رب تعالیٰ کے اسماء و صفات ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کو ایسے پہچانیں جیسے اس نے بندوں میں اپنے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ اور افعال عظیمہ

کے ذریعہ اپنا تعارف کروایا ہے۔ اور دوسری قسم عملی ہے؛ کہ اخلاص کے ساتھ صرف اس کی عبادت کریں۔

اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔ جو لوگ توحید کی دو اقسام کہتے ہیں؛ وہ توحید اسماء وصفات اور توحید ربوبیت کو ایک ہی قسم توحید علمی شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں سے مطلوب علم حاصل کرنا ہے۔ اور دوسری قسم توحید الوہیت کی ہے جو کہ توحید عملی ہے۔

توحید کی ان تین اقسا کا علم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کے اچھے مطالعہ اور ان میں غور وفکر سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی حجت ہے۔ جیسا کہ دیگر بہت سارے معاملات کلام اللہ اور کلام رسول کے تتبع اور ان کے مطالعہ اور ان میں غور وفکر سے معلوم ہوتے ہیں۔ توحید کی یہ تقسیم شرعی تقسیم ہے؛ کیونکہ اس کی اصل کتاب وسنت ہے۔

مثال کے طور پر آپ اس تقسیم کو سمجھنے کے لیے سورت فاتحہ پر غور وفکر کریں:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

''سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔'' توحید ربوبیت۔

﴿الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

''بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا۔ بدلے کے دن (یعنی قیامت) کا مالک ہے۔'' توحید اسماء وصفات۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔'' توحید الوہیت۔

اور پھر ان اقسام کو قرآن کی آخری سورت سورہ الناس میں دیکھیں:

﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ''کہہ دیجئے! میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں'' توحید ربوبیت۔

﴿مَلِكِ النَّاسِ﴾ ۔ ''لوگوں کے مالک کی۔'' توحید اسماء وصفات۔

﴿إِلَهِ النَّاسِ﴾ ''لوگوں کے معبود کی۔'' توحید الوہیت۔

توحید ربوبیت

پھر شیخ رحمہ اللہ ان تین اقسام کی مختصر شرح کرتے ہیں؛ آپ فرماتے ہیں:

توحید ربوبیت:...... اس بات پر ایمان لانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک چیز کا خالق اور ہر چیز کا متصرف معبود برحق ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔'' اس قسم کو توحید ربوبیت کہا جاتا ہے۔ یعنی انسان اس کو ثابت مانے اور اس کا اقرار کرے اور اس پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام جہانوں کے رب خالق و مالک ہیں؛ وہ انہیں روزی دیتے ہیں ؛ زندگی اور موت دیتے ہیں؛ اور تمام معاملات میں تصرف اور ان کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ان میں سے کسی بھی چیز

میں اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

مگر انسان کے موحد ہونے کے لیے اتنا ہی کافی نہیں ؛ اور نہ ہی اس سے عذاب الٰہی سے نجات مل سکتی ہے جب تک اس کے لازم توحید عبادت کا اہتمام نہ کرے۔ عبادت اور دین کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعۡبُدُوا ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾[البينة 98]

''ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَمَا يُؤۡمِنُ أَكۡثَرُهُم بِٱللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشۡرِكُونَ﴾(يوسف106)

''ان میں سے اکثر لوگ باوجود اللہ پر ایمان رکھنے کے بھی مشرک ہی ہیں۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ تفسیر کی ہے کہ: وہ اللہ تعالیٰ کے رب؛ خالق و مالک اور رازق ہونے پر یعنی وہ ایمان رکھتے ہیں۔(الاسماء و الصفات للبیهقی 868 ؛ الحلیة 6/ 325 ؛ شرح اصول اعتقاد اهل السنة 665)

اس لیے کہ جب مشرکین سے پوچھا جاتا: ''تمہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ اور زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تمہیں روزی کون دیتا ہے؟ اور کون ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے؟ تو ان تمام سوالوں کے جواب میں وہ یہی کہتے: اللہ۔

پس وہ اللہ تعالیٰ کے رب؛ خالق و مالک؛ رازق؛ مدبر؛ اور زندگی اور موت کا مالک ہونے پر ایمان رکھتے تھے؛ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی عبادت میں شریک ٹھہراتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿إِلَّا وَهُم مُّشۡرِكُونَ﴾ ''مگر وہ مشرک ہی ہیں۔'' یعنی عبادت میں اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿فَلَا تَجۡعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ﴾(البقرة22)

''خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو۔''

یہ خطاب کفار مشرکین سے ہے ﴿فَلَا تَجۡعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا﴾ یعنی عبادت میں اللہ شریک؛ اور ﴿وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ﴾ ''باوجود جاننے کے'' کہ تمہارا کوئی خالق اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہیں؛ پس تمہارا یہ اقرار کرنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں؛ یہ عبادت میں اس کی توحید کو متضمن ہے۔ اور یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔''

توحید الوہیت

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

توحید الوهیت:...... اس بات پر ایمان لانا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر ایک چیز کا خالق اور ہر چیز کا متصرف اور معبود برحق ہے، اس میں کوئی اس کا شریک نہیں۔'' اور یہی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا مطلب بھی ہے، کیونکہ اس کا معنیٰ ہے: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ لہٰذا تمام عبادتیں: نماز، روزہ وغیرہ صرف اللہ واحد کے لیے خالص کرنا واجب ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے عبادت کا ایک معمولی حصہ بھی بجالانا جائز نہیں۔

شرح:

توحید الوہیت کو توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کا ایک دوسرا نام توحید ارادی طلبی بھی ہے اور اسے توحید عملی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ اس توحید سے مراد دین کو اللہ تعالیٰ کے خالص کرنا ہے؛ پس اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارا جائے؛ اللہ کے علاوہ کسی سے مشکل کشائی نہ چاہی جائے۔ توکل صرف ایک اللہ پر ہو؛ ذبح اور نذر و نیاز صرف ایک اللہ کے لیے ہو۔ عبادت کے کاموں میں سے کوئی بھی کام اس کے علاوہ کسی کے لیے نہ کیا جائے؛ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ o لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الانعام 162'163)

''فرما دیجئے: بالیقین میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو کل جہان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔''

پس توحید الوہیت عبادت میں اللہ تعالیٰ کی انفرادیت اور دین کو خالص اس کے لیے کرنے اور شرک سے برأت کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ o إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي﴾ (الزخرف 27.26)

''میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۖ﴾ [١٦:٣٦]

''اور بیشک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ [٤:٣٦]

''اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ [۲۳:۱۷]

''اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ [البينة 98]

''ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾ (الزمر 3)

''خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے۔''

پس توحید الوہیت ہی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا مطلب بھی ہے، جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ اسی لیے اس کلمہ کو کلمہء توحید بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا مدلول توحید ہے؛ اور یہ اس کا کلمہ ہے۔ اس کے بغیر توحید نہیں ہوتی جب تک اللہ کے علاوہ ہر ایک کی عبودیت کی نفی نہ کردی جائے؛ اور عبودت کو ہر معانی کے لحاظ سے صرف ایک اللہ کے لیے ثابت نہ کیا جائے۔ ذلت وانکساری؛ رکوع اور سجدہ؛ دعا و پکار؛ نذر و نیاز؛ ذبح؛ خوف اور امید اور ان کے علاوہ دیگر عبادات صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لیے بجالائی جائیں اور ان میں کسی کو اس کا شریک نہ بنایا جائے۔

بس ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک اس کے مدلول یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کو سچ کر نہ دیکھایا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی زبان سے اس کا اقرار کرے؛ مگر اپنے فعل سے اس کے خلاف کرے تو یہ کلمہ اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اور جو کوئی ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہتا تو ہے؛ مگر پھر وہ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے؛ اس سے مشکل کشائی چاہتا ہے؛ غیر اللہ سے مدد مطلب کرتا ہے؛ غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز اور ذبح کرتا ہے۔ تو ایسے انسان کو ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ اس کے مدلول توحید کے حقائق پورے نہیں ہورہے۔ پس ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کوئی ایسا کلمہ نہیں جس کا کوئی معنی ہی نہ ہو؛ اور ایسے الفاظ جن کا کوئی مدلول ہی نہ ہو۔ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ کلمہ انتہائی جلیل القدر معانی اور افضل ترین مقاصد اور عمدہ واشرف اہداف پر مشتمل ہے؛ اور وہ ہے توحید اور اخلاص للہ۔

نصوص شریعت میں اس کلمہ کی رعایت اور اس کا اہتمام اور اس کی حفاظت کرنے کی ترغیب وارد ہوئی۔ یہ کہ اسے صبح و شام کا؛ سوتے وقت کا؛ اور نمازوں کے بعد کا اور دیگر اوقات کا ورد بنایا جائے۔ یہ تمام اس لیے کہ ہے کہ توحید راسخ ہو جائے۔ اس کی ایک خوبصورت اور مفید اور انتہائی قیمتی مثال ملاحظہ کیجیے: ''جب آپ نماز سے سلام پھیرتے ہیں؛ تو کتنی بار اس کلمہ کو دھراتے ہیں؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول مسنون طریقہ کے مطابق یہ اذکار کیسے پڑھے جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد اس کلمہ کا ورد کرتے اور یوں کہتے:

((لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ۔ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ ، لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَلاَنَعْبُدُ اِلاَّ اِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ، لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْكَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ))

(رواه مسلم في المساجد (594))

''اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہت اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دینے والا نہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی کی ساری نعمتیں ہیں اسی کا فضل وثنا ءِحسن ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں اگرچہ کافر ناپسند کریں۔''

راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔''

تین بار ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' کا کلمہ دہرایا جاتا۔ اور ہر بار ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' کے معانی کی تاکید کی جاتی؛ تاکہ اس کے مدلول کے حقائق کی بجا آوری ہو سکے۔

- پہلی بار ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' کے بعد ((وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ)) ''وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں'' کے کلمات لائے گئے ہیں۔ اس لیے کہ ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' کا اقرار دو ارکان پر قائم ہوتا ہے؛ نفی اور اثبات۔ پس نفی ''لَا اِلٰهَ'' کے کلمہ میں ہے؛ اور اثبات ''اِلاَّ اللّٰهُ'' کے الفاظ میں ہے۔ یہی تو توحید ہے۔ نفی سے اثبات کی تاکید کی گئی ہے۔ پس یہ الفاظ: ((وَحْدَهٗ لاَ شَرِيْكَ لَهٗ)) میں'' ((وَحْدَهٗ)) ''وہ اکیلا ہے'' میں اس اثبات کی تاکید ہے؛ اور ((لاَ شَرِيْكَ لَهٗ)) ''اس کا کوئی شریک نہیں'' میں نفی کی تاکید ہے۔ پس اسے ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' کے بعد لائے ہیں؛ تاکہ اس توحید کی تاکید ہوجائے جس پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد توحید کی براہین و دلائل پیش کیے گئے ہیں؛ ارشاد فرمایا: ((لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ)) '' اسی کی بادشاہت اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی بادشاہی میں بھی اکیلا ہے؛ اور اس کی تدبیر کرنے میں بھی اکیلا ہے؛ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے؛ اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید بجالانے اور دین کو اس کے لیے خالص کرنے کی دلیل ہے۔

- دوسری بار ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' کے بعد فرمایا: ((وَلاَ نَعْبُدُ اِلاَّ اِيَّاهُ)) 'ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں' یہ فرمانا کہ: ((وَلاَ نَعْبُدُ اِلاَّ اِيَّاهُ)) یہی تو ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ'' کا معنی ہے۔ پس اس پر اس کے معانی و مدلول کا عطف اس کے اہتمام کے لیے کیا گیا ہے؛ جو اس موقع پر اس کلمہ کے عظیم مدلول پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ کہ بیشک یہ کلمہ اس وقت فائدہ دے گا جب اس کے مدلول کے حقائق کو پورا کیا جائے نہ کہ صرف زبان سے اس کا اقرار کرلیا جائے۔ پھر اس کے بعد توحید کی براہین و دلائل پیش کیے گئے ہیں؛ ارشاد فرمایا: ((لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَآءُ

الْحَسَنُ،)) ''اسی کی ساری نعمتیں ہیں اسی کا فضل اور ثناء حسن ہے۔''یعنی جیسے وہ نعمتیں انعام کرنے میں اکیلا وحدہ لا شریک ہے؛ ایسے ہی وہ فضل و احسان میں بھی اکیلا ہے کوئی اس کا ساتھی اور ساجھی نہیں۔ اور وہی اکیلا ہر اچھی تعریف اور ثنائے حسن کا عظیم الشان صفات اور اسماء حسنی کا مالک ہے۔ یہ اس کی توحید کے دلائل ہیں جو عبادت میں اس کی انفرادیت (توحید) بجالانے کو واجب کرتے ہیں۔''

اسی کی ساری نعمتیں ہیں اسی کا فضل وثناء حسن ہے اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں اگر چہ کافر ناپسند کریں۔''

- تیسری بار ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کے بعد فرمایا: ((مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ)) '' ہم خالص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں'' اس میں بیان کیا جارہا ہے کہ کلمہ توحید ہی کلمہ اخلاص ہے۔یعنی دین کو اللہ کے لیے خالص کرنا ہے؛ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ﴾[البینة 98]

''ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔''

پس جب ہم اپنی زبانوں سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہتے ہیں ؛ تو جس اخلاص پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے؛ اس پر اپنے دلوں سے عقیدہ اور یقین بھی رکھتے ہیں؛ اس طرح کرنے سے ہی ہم سچے مؤمن ہو سکتے ہیں۔

اس کلمہ میں جو مسلمانوں کے لیے ہر نماز کے بعد بطور ذکر کے دوہرانا مشروع کیا گیا ہے؛ آپ دیکھتے ہیں کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا مدلول بھی پایا جاتا ہے اور اس کے معانی کی تاکید بھی ملتی ہے۔ اور اس مدلول کی تحقیق بھی ہے جس پر یہ کلمہ دلالت کرتا ہے۔ اور اگر ہم چاہیں کہ کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی ایک جامع تعریف ان تینوں اذکار کی روشنی میں بطور خلاصہ کے نکال لائیں؛ جو کہ نماز کے بعد کہنے مشروع ہیں؛ تو وہ یہی معنی ہے: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کریں ؛ اور وہ اکیلا وحدہ لاشریک ہے؛ اور دین کو اس کے لیے خالص کردیں۔ یہ کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی سب سے زیادہ جامع خوبصورت اور مکمل تعریف اور معنی ہے۔

خلاصہ کلام !ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ: یہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کا کلمہ صرف زبانی الفاظ و کلام نہیں؛ اور نہ ہی صرف ایسا کلام ہے جو بعض متعین اوقات یا حالات میں پڑھا جاتا ہے؛ بلکہ یہ اذکار انسان کی توحید کی تجدید سے عبارت ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کی توثیق ہے؛ کہ اس کی توحید کے حقائق بجالائیں گے اور دین کو اس کے لیے خالص کریں گے۔ پس مسلمان اپنی صبح وشام میں یہ کلمات پڑھتا ہے؛ اور اپنی نمازوں میں بھی اور چلنے پھرنے میں بھی؛ اور دیگر تمام تر امور میں بھی۔ وہ توحید کے عہد نامے اور اس عظیم میثاق کی تجدید کرتا ہے کہ انسان دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرے گا۔ اور خضوع و ذلت و انکساری کے ساتھ صرف اپنے رب کی عبادت بجالائے گا۔پس وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہ پکارے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی سے سوال کرے نہ کسی سے مشکل کشائی چاہے؛ نہ ہی اللہ

کے بغیر کسی پر توکل کرے ؛ اور نہ ہی عبادت کے کاموں میں سے کوئی کام کسی غیر اللہ کے لیے بجالائے۔

بہت سارے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو اس عظیم مقصد کو نہیں سمجھتے ؛ مثال کے طور پر جو لوگ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہتے وقت انگلی اٹھاتے ہیں ؛ مگر انہیں اس کلمہ کے مدلول کا پتہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے آپ اس انسان کو کچھ دیر بعد دیکھ سکتے ہیں کہ وہ ہاتھ پھیلائے کہہ رہا ہوتا ہے: ''یا فلاں مدد۔'' پس یہ اس بندہ کے قول اور فعل کے مابین واضح اور کھلا ہوا تضاد اور تناقض ہے؛ کیونکہ وہ اس دعا میں غیر اللہ کو پکارتا ہے۔ اور جب کلمہ اس نے پڑھا تو اس کے معانی کو سمجھ کر یاد نہیں رکھ سکا۔ اور نہ ہی اسے یہ پتہ ہے کہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت میں اس کے لیے اخلاص پر دلالت کرتا ہے؛ اور یہ کہ عاجزی و انکساری ؛ ذلت اور خضوع ؛ دعا اور امید ؛ صرف ایک اللہ سے ہونی چاہیے۔ دعا سب سے بڑی عبادت ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''دعاء ہی عبادت ہے'' اور پھر یہ آیت پڑھی:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝﴾ [۴۰:۶۰]

''اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا بیشک وہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔''

مجھے ایک بڑے فاضل آدمی نے بتایا ؛ اور مجھے اس واقعہ سے بڑا دکھ ہوا؛ کہا: ''میں نے سنا کہ ایک آدمی سجدہ میں کہہ رہا تھا: ''یا فلاں مدد۔'' حالانکہ اس نے ابھی سورت فاتحہ میں پڑھا ہے:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ [۱:۵] ''ہم تیری عبادت کرتے ہیں ؛ اور تجھی سے ہی مدد چاہتے ہیں۔''

یہ اس انسان کے اور رب سبحانہ و تعالیٰ کے مابین عہد ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کو نہ پکارے گا ؛ اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگے گا۔ اور غیر اللہ سے سوال نہیں کرے گا صرف اللہ پر توکل کرے گا۔ پھر اسی نماز میں سجدہ کی حالت میں کہتا ہے: ''اے فلاں مدد۔'' تو وہ عہد کہاں گیا جو اس نے حالت قیام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا کہ:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ [۱:۵]

''ہم تیری عبادت کرتے ہیں ؛ اور تجھی سے ہی مدد چاہتے ہیں۔''

یعنی ہم تیری عبادت کرتے ہیں ؛ کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتے ؛ اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں ؛ اور تیرے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ)) [سبق تخریجہ]

''جب مانگو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو اور اگر مدد طلب کرو تو صرف اسی سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائیں تو وہ فائدہ نہیں پہنچا سکتے مگر صرف اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور اگر تمہیں نقصان پہنچانے پر اتفاق کر لیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا۔ قلم اٹھا دیئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔''

حاصل کلام ! بیشک کلمہ ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' توحید کا کلمہ ہے؛ اور توحید ہی اس کلمہ کا مدلول ہے۔ اس کا مطلب ہے دین کو اللہ کے لیے خالص کرنا؛ صرف ایک اللہ کے لیے تذلل اور خضوع؛ دعا اور امید اور خوف؛ اور ذبح و نذر و نیاز؛ اور دیگر ہر طرح کی عبادات۔ جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ''لہٰذا تمام عبادتیں جیسے: نماز، روزہ وغیرہ صرف اللہ واحد کے لیے خالص کرنا واجب ہے اور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے عبادت کا ایک معمولی حصہ بھی کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ جو کوئی ان میں سے کوئی ایک عبادت بھی کسی غیر اللہ کے لیے بجا لاتا ہے؛ تو ایسا کرنے سے توحید میں نقص واقع ہوتا ہے۔ اور ایسا کرنے سے اس کا شمار مشرکین میں سے ہونے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٦﴾﴾ [٣٩:٦٦]

''اور بیشک آپ کی طرف وحی کی گئی اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف کہ اگر آپ نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور ضرور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے، بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر والوں میں سے ہو جاؤ۔''

یہ فرمان الٰہی: ﴿لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ ''ضرور آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا۔'' یہاں پر ''عمل'' مفرد مضاف ہے۔ اور اہل علم کے ہاں قاعدہ ہے کہ مفرد مضاف عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ ﴿لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾۔ یعنی آپ کے تمام اعمال: نماز؛ روزہ؛ حج صدقہ؛ نیکی و بھلائی؛ صلہ رحمی وغیرہ سبھی اعمال ضائع ہو جائیں گے؛ جب انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو اس کے جملہ حقوق میں سے کسی ایک حق میں شریک ٹھہرائے گا؛ تو یہ سبھی اعمال باطل قرار پائیں گے۔ مثلاً وہ غیر اللہ کو پکارے؛ اس سے مشکل کشائی چاہے؛ یا غیر اللہ کے لیے ذبح کرے؛ یا غیر اللہ کے لیے نذر مانے؛ یا عبادت کے کاموں میں سے کوئی ایک کام کسی غیر اللہ کی لیے بجا لائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾﴾ [٦:١٦٣]

''آپ فرما دیں: بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔ اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔''

توحید اسماء وصفات

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

توحید اسماء و صفات: ......قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء وصفات بیان کیے گئے ہیں ان پر ایمان لایا جائے اور انہیں صرف ایک اللہ کے لیے اس کے شایان شان ثابت کیا جائے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسماء وصفات میں اللہ تعالیٰ کی توحید بجا لائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ان اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کو ایسے ہی ثابت مانیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں؛ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کئے ہیں۔ کیونکہ ان اسماء وصفات کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت ان کے رب سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ اختصاص کا تقاضا کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾﴾ [۱۹:۶۵]

''کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ○﴾ (الاخلاص:۱۔۴)

''اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ﴾ [۱۶:۷۴]

''تو اللہ کے لیے اس کی مانند نہ ٹھہراؤ۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾﴾ [البقرۃ 22]

''پس تم اللہ کے لئے جان بوجھ کر شریک (برابر والے) نہ ٹھہراؤ۔''

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اچھے اچھے نام اور عالیشان صفات ہیں۔ انہیں ایسے ہی ثابت مانا جائے جیسے ان کا ورود ہوا ہے۔ اور ان پر ایسے ہی ایمان رکھا جائے جیسے یہ کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں ہم قرآن اور حدیث سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم اللہ تعالیٰ کے وہ اوصاف بیان کرتے ہیں جو اللہ

تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے یا پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کئے ہیں ہم ان سے تجاوز نہیں کرتے۔

تحریف و تعطیل سے برأت

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : بایں طور کہ ان سماء وصفات کے معانی میں کوئی تحریف نہ کی جائے، انہیں بے معنی نہ کیا جائے، ان میں اللہ کے لیے کیفیت نہ بیان کی جائے اور نہ ہی مخلوق سے تشبیہ دی جائے۔"

ان چار امور سے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خبردار کیا ہے۔ اور بیشک واجب یہ ہوتا ہے کہ ان اسماء وصفات کو ثابت مانا جائے؛ اور ساتھ ہی ان چار امور میں سے کسی ایک [تحریف،تعطیل،تکییف یا تمثیل] میں واقع ہونے سے انتہائی بچ کر رہیں۔ اس لیے کہ یہ چاروں امور اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد شمار ہوتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۸۰﴾ [۷:۱۸۰]

"اور اللہ تعالیٰ کے سب نام ہی اچھے ہیں۔ تو اس کو ان ناموں سے پکارا کرو اور جو لوگ اس کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کی سزا پائیں گے۔"

یہ ان لوگوں کے لیے دھمکی اور وعید ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کا شکار ہوتے ہیں۔

الحاد کے بہت سارے طریقے اور متعدد راستے ہیں۔ لیکن الحاد ان تمام امور کا جامع وصف ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ہاں تحریف کا الحاد ہوتا ہے۔ اور کچھ لوگ بیانِ کیفیت کے الحاد کا شکار ہوتے ہیں؛ اور کچھ لوگ تمثیل اور کچھ لوگ تعطیل کے الحاد کا شکار ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ جتنا ہو سکے ان تمام امور سے بہت سخت اجتناب کرے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان : "بغیر تحریف کے" یعنی ان اسماء وصفات میں تحریف نہ کی جائے؛ بھلے یہ تحریف لفظی ہو یا معنوی۔

الفاظ میں تحریف کہ ان اسماء میں کوئی حرف زیادہ یا کم کر دیا جائے؛ یا اعراب کو بدلا جائے تاکہ معنی بدل جائے۔

اور معنوی تحریف یہ ہے کہ کسی ایک لفظ کو کسی دوسرے لفظ کا مدلول دیا جائے۔ (تاکہ معنی تبدیل ہو جائے)۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان : "بغیر تعطیل کے" یعنی نہ ہی ان کا انکار کیا جائے؛ اور نہ ہی انہیں جھٹلایا جائے اور ثبوت کا انکار کیا جائے۔ تعطیل کا معنی نفی [انکار کرنا] ہے۔

شیخ رحمہ اللہ کا فرمان: ''بغیر تکییف کے'' (کیفیت بیان کرنے کے)؛ یعنی ان کی کیفیت کی معرفت حاصل کرنے کے لیے مغز نہیں کھپانی چاہیے۔ یہ نہ کہا جائے کہ وہ کیسے مستوی ہوا؟ اور کیسے نزول کرتا ہے؟ اس کا ہاتھ کیسا ہے؟ اس کی سماعت کیسی ہے؟ یہ تمام باطل سوالات ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے ان اسماء کی خبر تو دی ہے؛ مگر ان کی کیفیت نہیں بتائی۔ پس جس چیز کی خبر ہمیں دی ہے؛ ہم اسے ثابت مانتے ہیں۔ اور جس کی خبر نہیں دی گئی ہم اس میں غور و خوض نہیں کرتے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''استواء معلوم ہے؛ اور اس کی کیفیت مجہول ہے۔'' یعنی ہم اسے نہیں جانتے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے: ''کیفیت غیر معقول ہے'' یعنی ہم عقل سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

شیخ رحمہ اللہ کا فرمان: ''بغیر تمثیل کے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی ایک صفت کی مخلوق کی صفات کے ساتھ مثال بیان نہیں کر سکتے۔ یعنی یوں نہیں کہہ سکتے کہ: ''اللہ تعالیٰ کی سماعت ایسے ہی ہے جیسے ہماری سماعت؛ یا اللہ تعالیٰ کی بصارت ایسے ہے جیسے ہماری بصارت۔'' اللہ تعالیٰ پاک ہیں؛ اور ایسی باتوں سے بلند و بالا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی مثالیں بیان کرنا کفر ہے۔ اور یہ مثالیں دینے والا کافر ہے۔ اور جو کوئی یہ کہے: اس کے معبود کا ہاتھ ایسے ہی ہے جیسے اس کا ہاتھ؛ اور اس کی سماعت ایسے ہے جیسے اس کی سماعت؛ اور اس کی بصارت ایسے ہے جیسے اس کی بصارت؛ تو ایسا انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی نہیں کرتا۔ جیسا کہ سلف صالحین کا فرمان ہے:

''مثالیں بیان کرنے والا بتوں کا پجاری ہے۔'' (مجموع الفتاوی / ابن تیمیہ 5/ 196)

اس لیے کہ ہمارے رب تعالیٰ کی صفات ایسے ہی ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں۔ اس کی مانند کوئی چیز نہیں؛ اور نہ ہی اسماء و صفات میں کسی چیز سے اس کی مثال بیان کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاخلاص: ٤)

''اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔''

پس اللہ تعالیٰ کی صفات کی مثال مخلوق کی صفات سے بیان کرنا؛ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور اس کے اسماء و صفات میں الحاد ہے۔ جبکہ اللہ پاک ایسی چیزوں سے پاک اور بلند و بالا ہیں۔

تفسیر سورہ اخلاص

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ○ اللَّهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ○﴾ (الاخلاص)

''کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ ہی بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

شرح:

یعنی ''اس سورت پر عمل کرتے ہوئے'' ان صفات کو ثابت مانتے ہیں۔ اس سورت کا نام اخلاص ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان کے لیے خالص کیا گیا ہے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے: ''اللہ تعالیٰ کون ہے''؟ تو جواب دینے کے لیے کافی اور شافی جواب اس سورت میں حاضر ہے؛ جس میں رب سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف ہے۔ اس سورت کی کیا ہی بڑی شان ہے؛ ایک جلیل القدر صحابی کے واقعہ میں ہے وہ ہر رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھا کرتا تھا۔ اس سے دیگر ساتھی صحابہ کو اشکال پیش آیا؛ تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک یہ بات پہنچا دی؛ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان سے پوچھو کہ وہ یہ طرز عمل کیوں اختیار کئے ہوئے تھے؟ چنانچہ لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے کہا: ''وہ ایسا اس لیے کرتے تھے کہ یہ اللہ کی صفت ہے اور میں اسے پڑھنا عزیز رکھتا ہوں۔'' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انہیں بتا دو کہ اللہ بھی انہیں عزیز رکھتا ہے۔'' (البخاری 7375 ؛ مسلم 813 ؛ بروایت حضرت عائشہ)

ایک دوسری روایت میں ہے: ''تمہاری اس سورت سے محبت تمہیں جنت میں داخل کردے گی۔'' (الترمذی 2901)

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے سماعت و بصارت ثابت کی ہے۔ اور اس سے قبل اپنی مماثلت کی نفی کی ہے۔ پس یہ آیت دلیل ہے کہ صفات کو ثابت ماننے سے تشبیہ لازم نہیں آتی۔ اور کوئی بھی چیز اپنی ذات وصفات اور افعال میں اللہ تعالیٰ سے مشابہت نہیں رکھتی۔

توحید اسماء وصفات دو ارکان پر قائم ہوتی ہے؛ جو کہ اس آیت اور سورت اخلاص میں جمع ہیں؛ اور وہ ہیں: بغیر تعطیل کے تنزیہ؛ اور بغیر تمثیل کے اثبات۔ پس جو کوئی ان اسماء وصفات میں سے کسی ایک چیز کا انکار اور نفی کرے تو وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔ اور ایسے ہی جو کوئی ان کی کیفیت بیان کرے؛ یا مخلوق کی صفات میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ دے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بلند و بالا ہیں جو کچھ یہ ظالم کہتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے توحید کی (تین اقسام کے بجائے) صرف دو قسمیں بیان کی ہیں، اور توحید اسماء وصفات کو توحید ربوبیت میں داخل کر دیا ہے، (اس اعتبار سے کہ یہ دونوں اقسام توحید عملی میں شامل ہیں)۔

اور فرمایا: ''اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں (اس کی منتہاء ایک ہے) کیونکہ دونوں تقسیم کی صورت میں مقصود واضح ہے۔''

جب ہمیں یہ علم ہو گیا کہ توحید کی تین اقسام ہیں؛ تو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ان تین میں سے ہر ایک قسم کی کچھ ضد اور الٹ بھی ہوتی ہے؛ جس کی موجودگی میں توحید کی نفی ہوتی ہے۔

جب ہمیں علم ہو گیا کہ توحید ربوبیت کا مطلب ہے کہ: ربوبیت؛ تخلیق؛ رزق رسانی زندگی اور موت کی عطا؛ تدبیر امور اور کائنات میں تصرف میں اللہ تعالیٰ کو اکیلا اور یکتا ماننا۔ اور اس کی ضد یہ ہے کہ مخلوقات میں سے کسی ایک کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے خصائص میں سے کسی خصوصیت کو تسلیم کرنا۔ مثلاً مخلوق میں سے کسی ایک کو خالق ماننا؛ یا اس کے لیے کائنات میں تصرف اور تدبیر کو تسلیم کرنا۔ پس جس کے ہاں ان میں سے کوئی بات پائی گئی اس نے توحید کے مخالف کام کیا؛ اور وہ اللہ تعالیٰ کی کامل ربوبیت کا منکر ٹھہرا۔ کوئی انسان اس وقت تک ربوبیت میں موحد نہیں ہو سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کو ربوبیت میں یکتا نہ مان لے؛ اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔

جب ہمیں توحید اسماء و صفات کا علم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اسماء حسنیٰ اور صفات عالیہ کے اثبات اور اس سے ہر قسم کے نقص اور عیب کی نفی پر قائم ہے؛ اور اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے منزہ اور پاک ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اور اس توحید کی ضد ان چیزوں کا انکار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت کی ہیں؛ یا کسی ایسی چیز کو ثابت کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے کسی ایسی چیز کو ثابت مانتا ہے جس کی اس نے اپنی ذات سے نفی کی ہے؛ یا پھر ایسی چیز کی نفی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت کی ہے؛ تو وہ توحید اسماء وصفات کے مخالف امور میں واقع ہوا۔

قرآن سے اس کی مثالیں

اب ہم ان میں سے ہر ایک مؤقف پر قرآن سے مثالیں پیش کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے علم کو ثابت کیا ہے؛ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعہ سے ہر ایک چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اور کوئی بھی زمین و آسمان کی پوشیدہ چیز اس پر مخفی نہیں ہے؛ وہ جانتا ہے جو کچھ ہو گیا؛ اور جو کچھ ہو گا؛ اور جو کچھ نہیں ہوا؛ اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا؟ پس جو کوئی اس میں شک کرے؛ یا اس کا انکار کرے؛ یا اس پر ایمان نہ رکھے یا پھر اس صفت میں یا اس متعلق بعض امور میں شک کرے تو وہ رب سبحانہ وتعالیٰ کا منکر ٹھہرا۔ فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ

بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ﴿۲۴﴾﴾[۴۱:۲۴]

''لیکن تم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اللہ تمہارے بہت سے کام نہیں جانتا۔ اور یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور اس نے تمہیں ہلاک کر دیا تو اب رہ گئے ہارے ہوؤں میں۔ پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ منانا چاہیں تو کوئی ان کا منانا نہ مانے۔''

ان لوگوں کو ملنے والی ان عقوبات اور سزاؤں کا سبب اور اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں موجود ہے:

﴿وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۲۲﴾﴾[۴۱:۲۲]

''لیکن تم تو یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اللہ تمہارے بہت سے کام نہیں جانتا۔''

یہ ایسی چیز میں شک کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے ثابت کی ہے؛ اور وہ ہے اس کے علم کا محیط اور شامل ہونا۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا علم ہر ایک چیز کو وسیع اور شامل ہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز کی نفی کرے جو اس نے اپنی ذات کے لیے ثابت کی ہے؛ تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ﴾[۱۳:۳۰]

''اور وہ رحمن کے منکر ہو رہے ہیں۔''

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم گرامی ''الرحمن'' کے انکار کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔

دوسری مثال:...... اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز کا اثبات جس کی اس نے اپنی ذات سے نفی کی ہے۔ جیسا کہ سورت اخلاص میں اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝﴾ (الاخلاص)

''نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سورت مریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾﴾[۱۹:۸۸]

''اور کافر بولے رحمن نے اولاد اختیار کی۔''

ان لوگوں کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی چیز ثابت مانی جس کی اس نے اپنی ذات سے نفی کی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے ہونے سے اپنی ذات کی تنزیہ بیان کی ہے؛ جب کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں۔ پس ان کے رد میں اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾﴾[۱۹:۸۹]

''بیشک تم حد کی بھاری بات لائے۔'' یعنی ایسی بات جس کا خطرہ بہت بڑا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا:

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝٩٠ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝٩١﴾ [۱۹:۹۱]

''قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ گر جائیں ڈھ کر (مسمار ہوکر) اس پر کہ انہوں نے رحمن کے لیے اولاد بتائی۔''

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں خلل اس وقت واقع ہوتا ہے جب اس کے لیے کوئی ایسی چیز ثابت مانی جائے جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے؛ یا ایسی چیز کی نفی کی جائے جو اس نے اپنی ذات کے لیے ثابت مانی ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔

تیسری قسم:......توحید الوہیت: یعنی عبادت میں اللہ تعالیٰ کی انفرادیت اور یکتائی بجا لانا۔ اور اس کی ضد یہ ہے کہ امور عبادت میں سے کوئی چیز غیر اللہ کے لیے بجالائی جائے۔ پس جو کوئی غیر اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے؛ اور جو کوئی غیر اللہ کو پکارتا ہے؛ یا غیر اللہ سے مشکل کشائی چاہتا ہے؛ یا غیر اللہ کے نام کی نذر مانتا ہے؛ تو بیشک ایسا کرنا توحید کو ختم کر دیتا ہے۔ بلکہ ایسا کرنے سے سارے کا سارا دین باطل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اس آیت میں گزر چکا:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٦٥ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝٦٦﴾ [۳۹:۶۶]

''اور بیشک آپ کی طرف وحی کی گئی اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف کہ اگر آپ نے اللہ کا شریک کیا تو ضرور آپ کا عمل ضائع ہوجائے گا۔ اور ضرور آپ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے، بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر والوں میں سے ہوجاؤ۔''

شرک کی اقسام

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شرک کی بھی تین اقسام ہیں:

(۱) شرک اکبر (۲) شرک اصغر

(۳) شرک خفی

شرک اکبر:......حالت شرک میں فوت ہونے والے شخص کے عمل کو اکارت کر دیتا ہے اور اس کے لیے جہنم میں دائمی عذاب کا موجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الانعام:۸۸)

''اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو یقیناً ان سے ضائع ہوجاتا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾ (التوبة: ١٧)

''مشرکوں کا کبھی حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، اس حال میں کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دینے والے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے اور وہ آگ ہی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

پھر جو اس حالت میں مرے گا اللہ اس کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اور اس پر جنت حرام ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء: ٤٨)

''بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس سے کم گناہ، جسے چاہے گا۔''

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾

(المائدة: ٧٢)

''بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقیناً اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

مُردوں اور بتوں کو پکارنا اور ان سے فریاد کرنا اور ان کے لیے نذر ماننا اور ان کے لیے جانور ذبح کرنا بھی شرک اکبر کی اقسام میں سے ہے۔''

شرح:

ہمیں یہ معرفت حاصل ہوگئی کہ توحید کی تین اقسام ہیں؛ جس پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے دلائل موجود ہیں؛ تو ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان میں سے ہر ایک قسم کی ضد (الٹ) دوسری اقسام بھی ہیں۔ پس جب توحید کی تین اقسام تھیں؛ تو بلا شک و شبہ شرک کی بھی توحید کی تقسیم کے اعتبار سے تین اقسام ہیں۔ ربوبیت میں شرک؛ الوہیت میں شرک اور اسماء و صفات میں شرک۔

یہاں پر شیخ رحمہ اللہ نے شرک کے حجم کے اعتبار سے اس کی ایک دوسری تقسیم ذکر کی ہے؛ یعنی شرک اکبر اور شرک اصغر اور شرک خفی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ لیکن کیا شرک خفی ایک علیحدہ قسم ہے؛ یا پھر شرک کی سابقہ دو حالتوں کا وصف ہے؟ اور اس کا یہ نام ''شرک خفی'' رکھنے کا سبب بھی آگے آئے گا۔

شرک اکبر اور شرک اصغر اپنی حدود و قیود اور حکم کے اعتبار سے بھی مختلف ہیں۔ شرک اکبر: اللہ تعالیٰ کے حقوق میں [میں سے کسی حق میں] کسی غیر کو اس کے برابر کرنے کا نام ہے۔ پس جو کوئی کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس کے برابر کرتا ہے؛ وہ یقیناً اس غیر کو اللہ کے ساتھ شریک اور ہمسر بناتا ہے۔ شرک کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا ہمسر بنانا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ کفار جب بروز قیامت جہنم کی آگ میں داخل ہوں گے تو وہ کہیں گے:

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ [۲۶:۹۸]

''اللہ کی قسم! بیشک ہم کھلی گمراہی میں تھے، جبکہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔''

یہی تو شرک ہی کہ غیر اللہ کو اللہ کے برابر ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد گرامی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ﴾ [۲:۱۶۵]

''اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنا لیتے ہیں کہ انہیں ایسے محبوب رکھتے ہیں جیسے اللہ سے محبت ہو۔''

یعنی انہیں محبت میں اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے تھے۔

شرک برابری اور ہمسری کو کہتے ہیں؛ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو ہمسر اور شریک بنانا؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [۲:۲۲]

''تو اللہ کے لئے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ بناؤ جن کے لیے تم عبادت بجالاؤ اور ان کو وہ حقوق دو جو صرف اللہ کے لیے خاص ہیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ غیر کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھنا۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ؛ اس کے مساوی اور مماثل قرار دینا۔ جیسا کہ کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾ [۶:۱]

''پھر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

یعنی غیر کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں؛ اور اس غیر کو اللہ کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ شرک اکبر ہے جس کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان پر شرک سے بہت خوفزدہ اور ڈرتا رہے؛ اتنا زیادہ کہ اتنا خوف کسی دوسری چیز کا نہ ہو۔ اور یہ خوف اس کے لیے احتیاط اختیار کرنے اور بچاؤ کا سامان کرنے کا موجب ہو جائے۔ جیسا کہ ان لوگوں کا معاملہ ہوتا ہے جو کسی معاملہ میں خوفزدہ ہوتے ہیں۔ پس وہ اپنے اس خوف کی وجہ سے بچ کر رہنے کی پوزیشن اختیار کر لیتے ہیں۔ کیا آپ بعض ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو اپنی ذات کے لیے بچاؤ کی صورت اختیار کرتے ہیں؛ اور پھر وہ کھانے پینے میں اور کئی دوسری مباح چیزوں میں جو کہ حرام نہیں بھی ہوتیں؛ انتہائی محتاط رویہ اختیار کرتے ہیں؛ جیسے موٹاپے سے نجات کے لیے؛ اور دیگر امراض؛ سستی اور گرانی سے نجات کے لیے۔ اس احتیاط اور بچاؤ کی تدابیر میں اصل ان امور کے انجام کا خوف ہوتا ہے۔ تو پھر کیا یہ بات مناسب نہیں کہ ہم ان چیزوں کے بارے میں بہت زیادہ محتاط رہیں جو ہماری زندگی میں اصل مقصود ہے؛ اور وہ ہے شرک سے بچاؤ۔ اور اس میں واقع ہونے کے خطرہ سے احتیاط۔ اور ایسے دقیق اسباب اختیار کرنا جو اللہ کے حکم سے بندے کے لیے ان امور میں واقع ہونے سے بچاؤ کا سبب بن جائیں۔ اور انسان کا یہ حال ہونا چاہیے کہ وہ انتہائی باریک بینی اور دقت کے ساتھ اس کا اہتمام کرے؛ جیسے وہ انسان جو بعض

پاکیزہ چیزوں کے کھانے پینے میں بھی احتیاط کرتا ہے تا کہ ان سے اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ پس اپنے نفس ق کو گناہوں کے انجام اور نتیجہ کے خوف سے اس دن کے لیے بچا کر رکھے جب اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ تو پھر سب سے بڑے گناہ سے کیسے نہیں بچا جاسکتا جو کہ شرک اکبر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی شرک کو پہچان لیتا ہے؛ اور اس کے دردناک انجام کی معرفت حاصل کر لیتا ہے وہ اپنی ذات کے متعلق وہ بہت زیادہ خوفزدہ رہتا ہے۔ بس ایسے میں قرآن کریم میں دو جگہ پر یہ فرمان پڑھ لینا ہی کافی ہوگا:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ﴾ (النساء:۴۸)

''بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا اس سے کم گناہ، جسے چاہے گا۔''

یہ ان لوگوں کے حق میں ہے میں جو شرک پر ہی مر جائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی شرک کرتے ہوئے مر گیا اس کے متعلق اب مطلق طور پر رحمت کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ہی مغفرت میں اس کا کوئی حصہ ہے۔ اس کے لیے ابدالآباد جہنم کے عذاب کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اور یہ عذاب اسی لحہ شروع ہو جاتا ہے جب اس کی روح اس کے جسم کو چھوڑ جاتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ نِدًّا دَخَلَ النَّارَ))(بخاری 4497)

''جو شخص اس حال میں مر جائے کہ وہ اللہ کے سوا اوروں کو بھی اس کا شریک ٹھہراتا رہا ہو تو وہ جہنم میں جاتا ہے۔''

جہنم میں یہ داخلہ اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب جسم سے روح جدا ہو جاتی ہے؛ اسی لیے علماء کرام فرماتے ہیں: ''بیشک جہنم کی آگ مشرک کے بہت قریب ہوتی ہے؛ مشرک اور جہنم کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہوتا ہے کہ اس کی روح بدن سے جدا ہو جائے؛ اور جہنم کی آگ میں داخل ہو جائے۔ سب سے پہلے اس کا جہنم کی آگ سے واسطہ قبر میں پڑتا ہے۔ تو قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا﴾ [۴۰:۴۶]

''آگ جس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں۔'' (یعنی صبح اور شام کے اوقات میں)۔

جو لوک کفر و شرک پر مر جاتے ہیں؛ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمادیا ہے کہ ان کے لیے رحمت اور مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُم مِّنْ عَذَابِهَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴾ [۳۵:۳۷]

''اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے؛ نہ ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان پر اس کا عذاب کچھ کم ہوگا ہم ہر ناشکرے کو یونہی سزا دیتے ہیں۔ اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے اے ہمارے رب ! ہمیں نکال کہ ہم پہلے کے برعکس اچھا کام کریں۔ تو کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھنے والا سمجھ لیتا ؛ اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا تو اب مزہ چکھو؛ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے کا کوئی مددگار نہیں ہوگا؛ اور فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [۳۱:۱۳]

''بیشک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔''

پس جس انسان کی یہ حالت ہو؛ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کرنے والا ہو؛ اور پھر اسی حالت میں وہ مر بھی جائے؛ تو آخرت میں اس کے لیے جہنم کی آگ کے علاوہ کچھ بھی نہیں؛ وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ حتی کہ اس پر جہنم کے عذاب میں کمی بھی نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ [۳:۸۸]

''ہمیشہ اس میں رہیں گے، نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔''

بلکہ ان کا عذاب بڑھتا رہے گا۔ بعض ائمہ تفسیر نے یہ کہا ہے کہ: ''بے شک مشرکین جب قیامت کے دن جہنم کی آگ میں ہوں گے تو ان پر سب سے بھاری آیت یہ ہوگی:

﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴾ [۷۸:۳۰]

''اب مزہ چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب۔''

وہ چاہیں گے کہ اس عذاب میں کچھ تخفیف ہو؛ یا پھر ان کا معاملہ ختم کر دیا جائے اور وہ مر جائیں؛ یا پھر وہ دنیا میں لوٹا دیے جائیں تاکہ وہ سابقہ اعمال کے برعکس نیک اعمال کر سکیں۔ مگر ان سے کہا جائے گا:

﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴾ [۷۸:۳۰]

''اب مزہ چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب۔''

یہ تمام امور شرک سے آگاہ رہنے اور اس میں مبتلا ہونے سے ڈرتے رہنے کو واجب کرتے ہیں؛ کہ انسان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ کا طلب گار رہے؛ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کفر و شرک اور نفاق و گمراہی سے محفوظ و مامون رکھے۔ شرک سے خوف کے باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو دیکھیں جو کہ تمام موحدین کے امام ہیں؛ آپ اپنی دعا ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ [۱۴:۳۶]

''مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کو پوجیں۔ میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکائے دیے۔''

ائمہ سلف میں سے حضرت ابراہیم التیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اس آزمائش سے کون محفوظ و مامون ہوگا۔'' (تفسير الطبرى 687/13 ؛ تفسير ابن ابى حاتم برقم 12287)

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی ذات کے متعلق ایسا خوف محسوس ہو رہا تھا؛ اور انہوں نے رب سے سوال کیا:

﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝﴾ [۱۴:۳۵]

''مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کو پوجیں۔''

یعنی اے رب! مجھے ایسا کر دے کہ میں بتوں سے اور ان کی عبادت سے بہت دور ایک جانب میں رہوں۔ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہے ہیں کہ وہ انہیں محفوظ رکھے؛ بچائے اور سلامت رکھے؛ آپ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بت توڑے تھے۔ تو پھر کوئی دوسرا اپنی ذات کے بارے میں مامون و محفوظ کیسے ہوسکتا ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ دعائیں جن پر آپ ہر صبح و شام باقاعدگی کیا کرتے تھے؛ ان میں سے ایک ثابت شدہ دعا ''الادب المفرد'' اور دیگر کتب میں ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر صبح اور شام کو تین تین بار یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

(اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ۔اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ)

''اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر و فقر سے؛ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے؛ تیرے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔'' (الادب المفرد 701 ؛ أبو داؤد 5090 ؛ صحيح على شرط مسلم)

اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ان الفاظ میں دعا فرمایا کرتے تھے:

(اللهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِعِزَّتِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنتَ أَنْ تُضِلَّنِي أَنْتَ الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَالْجِنُّ وَالإِنْسُ يَمُوتُونَ ۔))

''اے اللہ میں نے تیری فرمانبرداری کی اور تجھ پر ایمان لایا اور تجھ پر بھروسہ کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری ہی مدد سے جہاد کیا اے اللہ میں تیری عزت کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں تیرے سوائے کوئی معبود نہیں کہ تو مجھے گمراہ کر دے تو زندہ ہے جسے موت نہیں اور جن وانس سب مر جائیں گے۔''

(متفق عليه: رواه مسلم في الذكر والدعاء (2717) واللفظ له.)

اور اکثر طور پر آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ)) (حسن: رواه الترمذي (3587)

''اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔''

قرآن کریم میں [اہل ایمان کی دعا ان الفاظ میں] ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً﴾ (آل عمران 8)

''اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر۔''

ایسے ہی جو چیز شرک سے خوف کو واجب کرتی ہے؛ وہ نبی کریم ﷺ کی بشارات ہیں؛ جن میں آپ نے امت میں واقع ہونے والے امور سے خبردار اور آگاہ کیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ)) (ابوداؤد 4252 ؛ الترمذی 2219 ابن ماجه 3952)

''اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میری امت کے کچھ لوگ مشرکین سے مل نہ جائیں اور میری امت کے کچھ لوگ بتوں کو نہ پوجنے لگ جائیں۔''

ایک دوسری روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قیامت قائم نہیں ہوگی حتی کہ قبیلہ دوس کی عورتوں کے چوتڑ ذوالخلصہ [بت] کا (طواف کرتے ہوئے) باہم ٹکریں گے۔'' ذوالخلصہ قبیلہ دوس کا بت تھا جس کو وہ زمانہ جاہلیت میں پوجا کرتے تھے۔''

(البخاری 7116؛ مسلم 2906)

یہاں مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ وہ وقت آئے گا جب لوگ لوٹ کر اس بت کی عبادت کرنے لگ جائیں گے۔ یہ ایسا بت تھا جو اسلام سے قبل عہد جاہلیت میں پوجا جاتا تھا۔

اور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

''تم اپنے سے پہلی امتوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک گز میں اتباع کرو گے۔'' (البخاری 7320)

اس سے بھی زیادہ بری چیز شرک اور بت پرستی ہے۔ اور آپ ﷺ نے یہ بتادیا ہے کہ کائنات میں تقدیر الٰہی کے تحت ایسا ہوکر رہے گا؛ پس مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ڈر کر اور بچ کر رہے کہ ان میں امور میں مبتلا نہ ہو۔

جو چیز شرک سے خوف کو واجب کرتی ہے؛ وہ نبی کریم ﷺ کے وہ فرمودات ہیں جن میں شرک خفی سے خبردار کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو خوب کھول کر مثالوں کے ذریعہ واضح کیا ہے؛ مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان ضرب الامثال پر اچھی طرح سے غور و فکر کرے۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے۔'' (الادب المفرد 716 ؛ الضعیفة 3755)

آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ چیونٹی کی چال کی طرح ؛ بلکہ فرمایا: ''چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے۔''

دیکھیں جب کوئی انسان بیٹھا ہوا ہو؛ اور اس کے پاس سے چیونٹیاں چلتے ہوئے کئی اطراف میں گزر جائیں؛ تو کیا ان کے چلنے کا احساس کسی کو ہوتا ہے؟ پس اسی لیے فرمایا: ''چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے۔''

یہ چیز ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی پناہ میں آنے کو واجب کرتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بندے کو شرک سے محفوظ رکھے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے؛ اور اس عظیم دعا کی ترغیب دی ہے؛ جس دعا کا سیکھنا اور اس کو یاد کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مقام پر یہ وصیت کی ہے؛ اور شرک سے ڈرایا ہے اور اس کے خوف کا واجب ہونا بیان کیا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تمہیں ایسے کلمات نہ بتاؤں جن کے کہنے سے اللہ تعالیٰ تم سے تھوڑے اور زیادہ ہر طرح کے شرک کو ختم کر دے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض گزار ہوئے: کیوں نہیں؛ یا رسول اللہ! ضرور بتایئے۔ تو آپ نے فرمایا: کہو:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ))[ابن السنی (286)]

''اے اللہ تیرے ساتھ شرک کروں اور مجھے اس کا علم بھی ہو اس بات سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس چیز کے لئے تجھ سے بخشش چاہتا ہوں جس کا مجھے علم نہیں۔''

❁ ایسے ہی جو چیز شرک سے خوف کو واجب کرتی ہے؛ وہ نبی کریم ﷺ کی یہ عجیب حدیث مبارک ہے۔ آپ ﷺ صحابہ کی مجلس میں تشریف لائے تو وہ ایک بہت بڑے ہولناک اور خفیہ فتنہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ فتنہ دجال۔ جو سب سے بڑا اور خطرناک اور سخت فتنہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَقَالَ: " أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنْ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ " قَالَ: قُلْنَا: بَلَى ، فَقَالَ: "الشِّرْكُ الْخَفِيُّ ، أَنْ يَقُومَ الرَّجُلُ يُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرَى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ))[1]

''کیا میں تم کو ایسی چیز کے بارے میں نہ بتا دوں جو میرے نزدیک مسیح دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے''؟ ہم نے عرض کیا: ''کیوں نہیں''؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پوشیدہ شرک؛ کہ آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، تو اپنی نماز کو صرف اس وجہ سے خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی چیز کا خوف محسوس فرما رہے تھے۔ کوئی انسان اپنی نماز کو صرف اس لیے مزین کرے کہ کوئی دوسرا اسے دیکھ رہا ہے؛ اور یا حج یا کوئی دوسری عبادت اس لیے مزین کرے کہ دوسرا کوئی دیکھ رہا ہے۔

پہلے زمانہ کی نسبت ہمارے اس زمانہ میں اس چیز کا خطرہ بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ بہت سارے لوگ اپنی جیبوں میں موبائل فون رکھتے ہیں؛ جن میں کیمرے نصب ہوتے ہیں۔ اور اب عالم یہ ہو گیا ہے کہ حرمین میں یا مشاعر مقدسہ میں

[1] ابن ماجه، (تحفة الأشراف: ٤١٢٩، ومصباح الزجاجة: ١٤٩٨)، وقد أخرجه: مسند احمد (٣/٣٠) (حسن) (سند میں کثیر بن زید اور ربیح بن عبدالرحمن میں ضعف ہے، لیکن شواہد سے تقویت پا کر یہ حسن ہے۔)

عبادت کے دوران بہت سارے لوگوں کا سب سے بڑا اور اہم کام اپنی سادہ اور ویڈیو تصاویر بنانا ہی ہوتا ہے؛ جس کا بڑا مقصد اسے لوگوں کو دیکھانا ہوتا ہے۔حتی کہ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے اور دوسرے لوگ بھی دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سارے لوگ جو فضیلت والے۔عبادت اور دعا کے۔مقامات پر کھڑے ہوجاتے ہیں ؛ پھر دعا کرنے کی شکل بنا کر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور اچھی طرح سے تیار ہوکر اپنی تصاویر بناتے ہیں۔اور بس اتنا کچھ کر لینے سے ہی اس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔ان کے لیے سب سے بڑی اور اہم چیز کعبہ کے پاس ؛ جمرات کے پاس ؛سعی کے مقام پر اورعرفات میں اور دیگر اہم مواقع پر تصویر بنانا ہی ہوتا ہے۔ پھر ان تصاویر کو بڑا کر کے بیٹھک میں یا مجلس وغیرہ میں لگایا جاتا ہے۔ یا پھر ان کے البم بنائے جاتے ہیں تا کہ اپنے ملنے والوں کو یا ملاقات کے لیے آنے والوں کو دیکھا سکیں۔

ہمارے اس دور میں خصوصی طور پر اس معاملہ میں خطرناک حد تک تجاوز کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ اب تصویر بنانے کے وسائل عام ہوگئے ہیں حالانکہ پہلے زمانہ میں اگر کوئی کسی کو کچھ دیکھانا یا بتانا چاہتا ہوتا تو وہ اسے اپنی زبان سے ہی بیان کر سکتا تھا۔مثلاً مجلس میں بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے: میں مکہ گیا؛اور میں عرفات میں رو رہا تھااور میں بڑا ڈرا ہوا تھا اور میں نے جمرات کے پاس کھڑے ہوکر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے....؛ جبکہ اب ریا کاری بغیر کسی کلام کے ہورہی ہے دوسروں کو ویڈیو اور تصاویر دیکر کہا جاتا ہے؛ اب ان کو دیکھ لو۔ اب کسی کلام یا وضاحت کی ضرورت نہیں۔حتی کہ ہمارے ایک فاضل دوست نے مجھے بتایا؛ کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا؛ جو کہ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مسجد میں تھا؛اس کے ساتھی نے اسے کیمرہ دیا؛ اور خود التحیات کی صورت بنا کر بیٹھا؛ اور اس کی تصویر بنائی گئی۔ پھر کھڑا ہوا اور چل دیا۔اب اس تصویر کا مقصد کیا ہے؟ اپنے ساتھیوں کو بتانا ہے کہ:''یہ میری تصویر ہے؛ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا۔'' جبکہ وہ جھوٹ بولتا ہے؛ یہ تصویر اس کی نماز کی نہیں۔ وہ تو تصویر بنوانے کے لیے اس حالت میں بیٹھا تھا۔ پہلا انسان جس نے دعاء کی صورت میں ہاتھ اٹھائے ؛ وہ بھی کہتا ہے:''یہ میری دعا کرنے کی تصویر ہے''؛ وہ جھوٹ بولتا ہے؛وہ اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کر رہا تھا[بلکہ ایسی حالت بنا کر کھڑا ہوگیا تھا]۔ یہ ایک بہت بڑی مصیبت ہے: اتنے دور دراز کے سفر کرنے ؛ مال خرچ کرنے اور مشقت اٹھانے کے بعد وہ عمل کیا جارہا ہے جس سے اس کے اعمال تباہ ہوجاتے ہیں۔

❁ جو چیز شرک سے خوف کو واجب کرتی ہے؛ گمراہی کی دعوت دینے والوں اور ائمہ باطل کی کثرت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں ان لوگوں کا خوف محسوس کیا تھا۔آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''میں اپنی امت کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف محسوس کرتا ہوں وہ گمراہی کے ائمہ ہیں۔''

اب ایسے گمراہ ائمہ موجود ہیں جو لوگوں سے کہتے ہیں: آپ مطمئن رہیے؛ اب شرک کبھی مطلق طور پر واقع نہیں ہو گا۔ پھر معاملہ ان پر خلط ملط کر دیتے ہیں۔اور بعض احادیث میں تاویل کرکے ان کے کچھ معانی نکالتے ہیں اور اس سے شبہ پیدا کرتے ہیں۔پس لوگوں کے سامنے وہ متشابہ احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔اور محکم اور واضح احادیث کو ترک کر دیتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُحَتَّى تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ))(ابوداؤد 4252 ؛ الترمذی 221)

''اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ میری امت کے کچھ لوگ بتوں کو نہ پوجنے لگ جائیں۔''

اس سے زیادہ واضح اور کون سی چیز ہوسکتی ہے۔ یہ صحیح اور ثابت حدیث ہے۔ مگر یہ لوگ محکم نصوص کو ترک کر دیتے ہیں اور متشابہ کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تا کہ ان سے استدلال کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ))(مسلم2812)

''بیشک شیطان یقینی مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی حضرات اس کی جزیرہ عرب میں عبادت کریں۔''

ایسا انسان لوگوں سے کہتا ہے: ''جزیرہ عرب میں ہرگز کبھی بھی شرک نہیں ہوسکتا۔'' جبکہ علمائے کرام رحمہم اللہ اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ: ''جب شیطان نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے دور میں ایمانی قوت اور توحید میں ان لوگوں کی محنت دیکھی ؛ تو اس کے دل میں ایک مایوسی داخل ہوئی کہ جب ایمان کا یہ حال ہے تو اب کبھی بھی اس کی بندگی نہیں کی جا سکے گی۔ لیکن ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ لوگوں پر بعد میں آنے والا زمانہ پہلے سے برا ہوتا ہے۔ اور وہ ہر سال پیچھے کی طرف ہی جاتے رہتے ہیں۔ اس میں ٹھہراؤ نہیں آیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین سے روکنے؛ گمراہ کرنے اور بھکانے کا عمل مسلسل جاری ہے؛ حتی کہ امت کے کچھ گروہ بتوں کی پوجا کرنے لگ گئے۔ عوام الناس اور جاہل لوگوں کے ساتھ یہ کتنا بڑا جرم ہے کہ انہیں کہا جاتا ہے کہ اب اس امت میں شرک ہرگز واقع ہی نہیں ہوگا۔ اور اس طرح وہ اپنی ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ ان کو کہنا چاہتے تھا: ''یا اللہ ہمیں شرک سے محفوظ رکھ۔'' مگر یہ لوگ شرک کے خطرات کا احساس نہیں کرتے۔ اور نہ ہی لوگوں کو شرک کی معرفت حاصل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تا کہ لوگ اس سے بچ سکیں۔ پس آپ دیکھیں گے کہ ان میں بہت بڑے وسیع پیمانے پر ان کے اعمال و اقوال اور تصرفات میں شرک داخل ہو چکا ہے۔ مگر ابھی تک ان کا گمان یہی ہے کہ اس امت میں شرک واقع نہیں ہوگا۔ حالانکہ وہ خود شرک میں لت پت ہو چکے ہیں۔ اس سے ان ائمہ کا خطرہ واضح ہوتا ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

شرک کا خطرہ

تمام لوگوں پر واجب ہوتا ہے کہ وہ شرک کے خطرات کو محسوس کریں ؛ اور اس سے بچ کر رہیں۔ اور یہ کہ انسان کو ہر چیز سے زیادہ شرک کا خوف ہونا چاہیے۔ اور وہ اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے کہ کہیں شرک میں مبتلا نہ ہو جائے۔

اس مجاہدہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ شرک کی معرفت حاصل کرے۔ قدیم دور میں علمائے کرام رحمہم اللہ فرماتے تھے:

''وہ انسان کیسے بچ سکتا ہے جس کو یہ پتہ ہی نہ ہو کہ کس چیز سے بچنا ہے۔''

جس انسان کو یہ پتہ نہ ہو کہ شرک کیا ہے؟ اور اس کی اقسام کون کون سی ہیں؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کون سے امور اس میں داخل ہیں؟ اور ان سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟ پس شرک سے بچنے کا پہلا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ شرک اور اس کی حقیقت کی معرفت حاصل کی جائے۔ اور اس معرفت سے مقصود شرک سے بچنا اور خبردار رہنا ہونا چاہیے۔ تو ان شاء

اللہ پھر اس صورت میں شرک سے بچا جا سکتا ہے۔ اسی لیے سلف صالحین نے تقوی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''تقوی اللہ تعالیٰ کا ڈر؛ اس کی اطاعت گزاری کا عمل؛ اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنی میں؛ اس سے ثواب کی امید پر؛ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو ترک کرنا۔ سب سے بڑی نافرمانی اس کے ساتھ شرک کرنا ہے۔؛ اس کے نور کی روشنی میں؛ اس کے عذاب کے خوف سے؛ اس کو تقوی کہتے ہیں۔''

پس شرک اور اس کی حقیقت؛ اور اس کے خطرات اور انجام کی معرفت حاصل کرنا انسان کے لیے ضروری ہے۔ ایسی معرفت جس کی بنا پر انسان اس سے آگاہ اور بچ کر رہے۔ اور دوسروں کو بھی اس سے آگاہ کرتا رہے۔ جیسا کہ حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت میں ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَٰنُ لِٱبْنِهِۦ وَهُوَ يَعِظُهُۥ يَٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿١٣﴾﴾ [لقمان 13]

''اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا: ''اے میرے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ کرنا، بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔''

پس انہوں نے شرک سے آگاہ اور خبردار کیا ہے۔ اور پھر اسی لمحہ اس کا خطرہ بھی واضح کیا ہے۔ اور یہ کہ شرک علی الاطلاق سب سے بڑا اور گندہ جرم اور ظلم ہے۔ یہیں سے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شرک اور اس کی اقسام کی حقیقت اور خطرات سے آگاہ کرنے کا نقطہ اخذ کیا ہے۔

شرک اکبر کا انجام

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شرک اکبر اعمال کے ضائع ہونے کو واجب کرتا ہے'' یعنی اس سے سارے عمل تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ٱللَّهَ فَٱعْبُدْ وَكُن مِّنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿٦٦﴾﴾ [۳۹:۶۶]

''اور بیشک وحی کی گئی آپ کی طرف اور آپ سے پہلوں کی طرف اگر تم نے شرک کیا تو ضرور تمہارا عمل تباہ ہو جائے گا اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔''

شرک تمام تر اعمال کو تباہ کرنے والی گندی بیماری ہے۔ یہی وحی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اور آپ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام پر بھی نازل کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا۟ لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام: ۸۸)

''اور اگر یہ لوگ شریک بناتے تو یقیناً ان سے ضائع ہو جاتا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی عمل کے ساتھ شرک اکبر کی ملاوٹ ہو جاتی ہے؛ ۔خواہ یہ عمل تھوڑا ہو یا زیادہ۔ وہ تمام کا تمام عمل تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کوئی بھی نیکی قبول نہیں کی جاتی۔ امور مفسدہ میں اس باب سے بہ نظر اعتبار استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ دیکھیں گے اس باب میں بہت سے لوگوں کے مابین اتفاق پایا جاتا ہے۔ اور اس میں بعض امور کے آپس میں ملے ہوئے ہونے پر اس کا فساد مرتب ہوتا ہے کہ وہاں سے یہ فساد تمام چیزوں میں پھیل جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ کچھ علوم صرف اس پہلو کی نگہداشت پر ایسے قائم ہیں جیسے کھانے پینے اور غذاؤں کی احتیاط و حفاظت شامل ہوتی ہے۔ مثلاً اگر فلاں چیز فلاں چیز کے ساتھ ملا دی جائے تو اس میں خرابی پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس خرابی سے بچنے کے لیے کھانے پینے کی حفاظت کے مکمل انتظامات کئے جاتے ہیں۔ پھر کون سی خرابی ایسی ہوگی جو شرک کی خرابی سے بڑی ہو؟ کیونکہ اس سے تو تمام تر اعمال تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اور انسان کی دنیا و آخرت کو تباہ کر دیتا ہے۔ اور ۔ العیاذ باللہ ۔ کہ انسان کھلم کھلا خسارے اور گھاٹے کا شکار ہو جائے؛ بھلے وہ نمازیں پڑھتا ہو؛ روزے رکھتا ہو؛ اور صدقہ و خیرات کرتا ہو؛ مگر اس کے اعمال میں شرک کی ملاوٹ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی بھی عمل قبول نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ [التوبة 54]

''اور ان کے صدقات کی قبولیت میں رکاوٹ صرف یہ تھی کہ وہ اللہ اور رسول سے منکر ہو گئے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۵﴾ [المائدة 5]

''اور جو مسلمان سے کافر ہو اس کا کیا اسکے اعمال تباہ ہو گئے اور وہ آخرت میں زیاں کاروں میں سے ہوگا۔''

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور بیشک جو کوئی اسی حالت میں مر گیا'' یعنی شرک اکبر پر؛ ''پس اس کی مغفرت ہرگز نہ ہوگی ؛ اور اس پر جنت حرام ہے۔'' اس کی مغفرت نہ ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النسآء:۴۸)

''بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور بخش دے گا اس سے کم گناہ؛ جسے چاہے گا۔''

یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو اسی [شرک کی] حالت میں مر جائیں۔ اس آیت میں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی کے مابین کوئی تعارض یا ٹکراؤ نہیں ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ﴾ [الزمر 53]

''آپ فرما دیں: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے؛ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ

ہو، بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔‘‘

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ط﴾ ’’بیشک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔‘‘ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو توبہ کرلیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ ’’اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔‘‘ یعنی توبہ کرو؛ پس جو کوئی توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ شرک اور دیگر گناہوں سے اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ نساء کی آیت میں ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النسآء: ۴۸)

’’بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس سے کم گناہ، جسے چاہے گا۔‘‘

یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو شرک پر ہی مر جائیں؛ جو کوئی شرک کرتے ہوئے مر جائے تو اس کے حق میں مطلق طور پر مغفرت کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی۔ مشرک پر جنت کے حرام ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾
(المائدة: ۷۲)

’’بے شک جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے؛ تو یقیناً اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی ہے؛ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔‘‘

یعنی جو لوگ شرک کرتے ہوئے ہی مر جائیں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ یعنی ایسا حمایتی نہ ہوگا جو ان کی سفارش کرے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔ یہاں پر ظلم سے مراد شرک ہے؛ جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾﴾[لقمان 13]

’’بیشک شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔‘‘

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (البقرة 254)

’’اور بیشک کافر ہی ظالم ہیں۔‘‘

پکار میں شرک

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اور اس شرک کی اقسام میں سے ’’مُردوں اور بتوں کو پکارنا‘‘ بھی ہے۔ اس لیے کہ دعا اور پکار بھی عبادت ہی ہے۔ بلکہ سب سے بڑی اور اہم ترین عبادت ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے؛ آپ نے ارشاد فرمایا: ’’دعا عبادت ہے۔‘‘ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰﴾[غافر 60]

''اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بیشک وہ جو میری عبادت سے اونچے کھینچتے (تکبر کرتے) ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہوکر۔''

حقیر و رسوا ہوکر۔ پس یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے سے مانگنے سے تکبر کرنے والے کو اپنی عبادت سے تکبر کرنے والا قرار دیا ہے۔ پس دعا سب سے بڑی عبادت ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو پکارتا ہے؛ اس سے مدد اور تعاون طلب کرتا ہے؛ اس کی پناہ میں آتا ہے اور غیر اللہ سے اپنی مشکل کشائی چاہتا ہے۔ تو وہ ایسے شرک اکبر میں گرفتار ہو جاتا ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلْ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ))(سبق تخریجه)

''جب مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مانگ اور اگر مدد طلب کرو تو صرف اسی سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر پوری امت اس بات پر متفق ہو جائے کہ تمہیں کسی چیز میں فائدہ پہنچائیں تو بھی وہ صرف اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔''

پس گمراہی کے ائمہ جن کے متعلق نبی کریم ﷺ نے اپنی امت پر خوف محسوس کیا تھا؛ وہ ہمیشہ سے اب تک مسلسل لوگوں کو مردوں کو پکارنے اور ان سے مشکل کشائی اور حاجت روائی چاہنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اور انہیں کہتے ہیں: ایسا کرنے کو توسل کہا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کو شفاعت کا نام دیا جاتا ہے۔ اور عوام الناس کے ساتھ بہت بڑا کھلواڑ کرتے ہیں۔ حتی کہ میں نے ایک بار ایک آدمی سے سنا؛ وہ غیر اللہ کو پکار رہا تھا؛ تو میں نے اسے نصیحت کی۔ میں نے اسے آیات پڑھ کر سنائیں کہ پکارنا اور دعا کرنا عبادت ہے۔ اور غیر اللہ سے دعا کرنا جائز نہیں؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝۵﴾[احقاف 5]

''اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ کے سوا ایسوں کو پوجے جو قیامت تک اس کی نہ سنیں اور انہیں ان کی پوجا کی خبر تک نہیں۔''

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ۭ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ

خَبِيْرٍ﴿۱۴﴾[فاطر 13-14]

''اور اس کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو؛ وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے تک کے مالک نہیں، تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں، اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روائی نہ کر سکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہوں گے اور تجھے کوئی بتانے والا اس طرح نہ بتائے گا۔''

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴿۵۶﴾﴾[اسراء]

''فرمادیں: انہیں پکارو جن کو اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ پھیر دینے کا۔''

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ﴿۲۲﴾﴾[سبأ22]

''فرمادیں: پکارو انہیں جنہیں اللہ کے سوا سمجھے بیٹھے ہو وہ ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ ہے اور نہ ان کا ان میں سے کوئی مددگار ہے۔''

میں نے اس باب میں وارد احادیث مبارکہ اسے پڑھ کر سنائیں؛ جب میری بات مکمل ہوگئی اور وہ مسئلہ کو اچھی طرح سے سمجھ گیا تو کہنے لگا: ''میں فلاں ملک سے ہوں'' اور اپنے ملک کا نام لیا۔ مجھے آج تک کسی نے یہ بات نہیں بتائی ۔ بلکہ وہاں کے علماء اس سے کہتے تھے: ایسا کرنا توسل ہے۔ اور انہیں یہ احساس دلاتے تھے کہ غیر اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانا؛ انبیاء یا اولیاء اللہ سے یا کسی دوسرے سے مانگنا توسل ہے۔ انہوں نے کبھی بھی توحید اور دعاء میں اخلاص کی آیات انہیں نہیں سنائیں۔ اس سے ان گمراہی کے ائمہ کا خطرہ واضح ہوتا ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔

استغاثہ

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور ان سے (استغاثہ) مشکل کشائی چاہنا۔'' استغاثہ؛ یعنی طلب غوث۔ استغاثہ سخت احوال؛ تنگی؛ مشکلات اور بیماری وغیرہ میں ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کی بیماری جب بڑھ جاتی ہے؛ یا انہیں کوئی سخت ضرورت یا تنگی پیش آتی ہے؛ یا ان پر کوئی مصیبت آجاتی ہے؛ تو وہ کسی قبر پر چلے جاتے ہیں؛ اور اس سے پناہ کے طلبگار ہوتے ہیں۔ اور وہاں روتے اور دھائی دیتے ہیں؛ خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں اور اپنی مشکل کشائی کے لیے گریہ وزاری کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴾ [النمل 62]

''یا وہ جو لاچار کی سنتا ہے جب اسے پکارے اور برائی کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین کا وارث بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ اور اللہ ہے، تم بہت ہی کم دھیان کرتے ہو۔''

یعنی ان امور میں ان کا دھیان اور غور وفکر کتنا کم ہے جو انہیں حق اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کریں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' اوران کے لیے نذر ماننا'' یعنی ان کی قربت اور رضامندی کے لیے نذر و نیاز پیش کرنا؛ (اوران کے نام پر ذبح کرنا) جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴾ [الانعام 162]

''فرمادیں بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔'' (مسلم 1978)

لعنت کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری۔

شرک اصغر

شرک اصغر:...... جسے کتاب یا سنت کے نصوص میں شرک کے نام سے موسوم کیا گیا ہو، لیکن وہ شرک اکبر کی قسم سے نہ ہو، جیسے کسی عمل میں ریاء کا پایا جانا، غیر اللہ کی قسم کھانا، یا یوں کہنا: ''جو اللہ چاہے اور فلاں چاہیے'' وغیرہ۔

شرح:

یہاں پر ایک فائدہ مند تنبیہ ضروری ہے۔ وہ ہے شرک اکبر اور شرک اصغر میں فرق۔

- **شرک اکبر:**...... کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کسی ایک چیز میں اس کے برابر کرنا۔ جیسا کہ دعا کرنا؛ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے؛ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور سے دعا نہ کی جائے اور ایسے ہی ذبح کرنا؛ نذر ماننا؛ اور مشکل کشائی چاہنا؛ امیدیں باندھنا؛ ان کے علاوہ دیگر امور۔ یہ سبھی بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا:

((يَا مُعَاذُ هَلْ تَدْرِي ما حَقَّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ ؟قُلْتُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّ حَقَّ اللَّهِ عَلَى الْعِبَادِ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا))

(بخاری 2856 اور مسلم 30)

''اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے؟ اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے، کہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔''

عبادت اپنی تمام اقسام کے ساتھ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور جو کوئی عبادت کے حق میں سے کوئی بھی چیز کسی غیر کو دیتا ہے۔ خواہ وہ غیر کوئی بھی ہو۔ تو وہ اسے اللہ کے حقوق میں سے کسی حق میں اس کے برابر ٹھہراتا ہے۔ خواہ یہ معاملہ دعا کا ہو یا استغاثہ کا یہ ذبح اور نذر وغیرہ کا یا کسی دیگر عبادت کا۔ پس جو کوئی ان امور عبادت میں سے کسی ایک امر کو کسی غیر کے لیے بجا لاتا ہے؛ تو وہ اس غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس کے برابر کرتا ہے؛ پس ایسا کرنے سے وہ مشرک ہو جاتا ہے؛ جو کہ شرک اکبر کا ارتکاب کرتا ہے جس کی وجہ سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ شرک اکبر کی یہی حقیقت ہے۔

❀ **شرک اصغر:**...... شیخ رحمہ اللہ اس کا معنی اور مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جسے کتاب یا سنت کے نصوص میں شرک کے نام سے موسوم کیا گیا ہو، لیکن وہ شرک اکبر کی قسم سے نہ ہو'' یعنی ایسا شرک جس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کسی حق میں کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔ مثال کے طور پر جب کوئی انسان کسی دوسرے سے مخاطب ہو تو وہ یوں کہے: ''اللہ جو چاہے اور جو آپ چاہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے سنا وہ آپ سے ایسی ہی بات کہہ رہا تھا؛ تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم مجھے اللہ کے برابر ٹھہراتے ہو؟'' اور ایک دوسری روایت میں: کیا تم مجھے شریک بناتے ہو؟ بلکہ یوں کہو: ''جو صرف ایک اللہ چاہیے۔'' (أحمد 1839 ؛ ابن ماجه 2117 ؛ عن ابن عباس ؛ وصححه الألباني في الصحيحة 139)

یہ تو محض الفاظ کی بات ہے۔ جب اس انسان نے یہ کلمات ادا کئے تو اس کا ارادہ ہرگز یہ نہیں تھا کہ بندے اور رب کی چاہت کو برابر ٹھہرائے۔ اس لیے کہ اگر یہ امر اس کا مقصود ہوتا؛ تو بھلے وہ زبان سے الفاظ نہ بھی ادا کرتا تب بھی وہ کفر اکبر کا مرتکب ٹھہرتا۔ کیونکہ وہ خالق کی خصائص میں سے کسی ایک خصوصیت میں خالق اور مخلوق کو برابر ٹھہرا رہا ہوتا۔

جب یہ الفاظ شرکیہ ہیں؛ تو ان سے اجتناب کرنا اور زبان کو محفوظ رکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ان شرکیہ الفاظ کی جب اصلاح کی جاتی ہے؛ تو بہت سارے لوگ یہی کہتے ہیں: ہمارا مقصود تو یہ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس قسم کے شرک کو ''الفاظ کا شرک'' نام دیا ہے۔ پس یوں کہا جائے گا: ''بھلے آپ کا مقصود یہ نہ ہو؛ تب بھی ان الفاظ کا استعمال جائز نہیں۔ ایسا کرنا شرک ہے؛ اور ان الفاظ سے اپنی زبان کو محفوظ رکھنا واجب ہوتا ہے۔ اس کی مثالیں آگے آئیں گی جو شیخ رحمہ اللہ نے پیش کی ہیں۔ اسے شرک اصغر کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ نصوص شریعت میں ان الفاظ پر شرک کا اطلاق کیا گیا ہے؛ لیکن ان کا مقام شرک اکبر تک نہیں پہنچتا۔ جیسا کہ خود شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لیکن وہ شرک اکبر کی جنس میں سے نہیں۔'' یعنی اس قسم کے شرک میں کسی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سے کسی حق میں؛ اس کی کسی

خصوصیت میں اس کے برابر نہیں ٹھہرایا جاتا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جیسے کسی عمل میں ریاء کا پایا جانا'' یہ شرط ہے۔اس لیے کہ تمام اعمال میں ریاء کاری کفر اکبر ہے جس سے انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭﴾[البقرہ 14]

''اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو یونہی ہنسی کرتے ہیں۔''

پس شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ''جیسے کسی عمل میں ریاء کا پایا جانا'' اس سے مراد بہت تھوڑی سی ریاء کاری ہے۔ جب کہ خالص ریاء کاری یا مکمل ریاء کاری کفر اکبر ہے؛ جو کہ در حقیقت منافقین کا فعل ہے۔جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿يُرَآءُوْنَ النَّاسَ﴾ ''لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ وصف بیان فرمایا ہے۔

غیر اللہ کی قسم اٹھانا

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''غیر اللہ کی قسم کھانا'' جیسے کعبہ کی قسم اٹھا؛ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھانا؛ یا کسی جگہ اور مقام کی یا کسی شخص کی؛ یا اس طرح کی قسم اٹھانا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَفَ بِشَيْءٍ دُوْنَ اللَّهِ فَقَدْ اَشْرَكَ)) (أحمد 6072 ؛ أبو داؤد 3251 ترمذی 1535 ؛صحیح)

''جس شخص نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔''

اس حدیث میں غیر اللہ کی قسم اٹھانے کو کفر کہا گیا ہے؛ اور اسے شرک بھی کہا گیا ہے۔لیکن یہ شرک اکبر نہیں جو ملت سے خارج کر دے؛ بلکہ یہ شرک اصغر ہے۔شرک اصغر کبیرہ گناہوں میں سب سے خطرناک گناہ ہے۔اس کا خطرہ بہت بڑا ہے۔یہ کوئی آسان بات نہیں۔حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم اٹھاؤں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں غیر اللہ کے نام کی سچی قسم اٹھاؤں۔''

(عبد الرزاق 15929 ؛ ابن ابی شیبہ 12281 ؛ الکبیر للطبرانی 8902 ؛ و صححہ الألبانی فی الإرواء 2662)

آپ ان کے کلام کو ایک نظر دیکھیں؛ اور پھر اس کا موازنہ کریں تاکہ اچھی طرح سے اس کی وضاحت ہو جائے:

''جو کوئی اللہ کے نام کی جھوٹی قسم اٹھاتا ہے؛ اس میں دو چیزیں جمع ہوتی ہیں: ایک نیکی؛ ایک برائی۔اس کی نیکی توحید کا حسن ہے۔اور اس کی برائی جھوٹی قسم ہے۔اس کے مقابل غیر اللہ کی قسم میں بھی دو چیزیں پائی جاتی ہیں: ایک

نیکی ؛ ایک برائی۔ اس کی نیکی سچائی کا حسن ہے۔ اور اس کی برائی شرک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ توحید کا حسن بہت بڑی خیر و برکت ہے جو کوئی سچائی کے حسن سے بہت بڑا اور بڑھ کر ہے۔ اور شرک کی برائی جھوٹ کی برائی کی نسبت بہت بڑی گند اور خرابی ہے۔ پہلی صورت میں افضل ترین نیکی حاصل ہو جاتی ہے؛ اور بہت بڑی برائی سے بچا جاتا ہے۔

صراط مستقیم سے منحرف لوگوں ؛ اور بزرگان دین کی شان میں غلو کرنے والوں کے ہاں یہ معاملہ خطرناک حد کو پہنچ چکا ہے۔ ان میں سے بعض جب اللہ کے نام کی قسم اٹھاتے ہیں تو کسی بھی چیز کی پرواہ نہیں کرتے؛ حتی کہ اگر وہ جھوٹا بھی ہو تو قسم اٹھا لیتا ہے؛ مگر جب ولی کے نام کی قسم اٹھاتے ہیں تو صرف سچی قسم ہی اٹھاتے ہیں۔ اس کی وجہ اس انسان کے دل میں پائی جانے والی ولی کی بہت سخت تعظیم و تکریم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی یہ شرک اصغر سخت ترین شکل اختیار کر لیتا ہے؛ اور ملت سے خارج کرنے والا شرک اکبر بن جاتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب قسم کھائی جانے والی ہستی کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے برابر یا اس سے بڑھ کر کی جائے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کہنے سے منع کیا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں۔'' تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم مجھے اللہ کے برابر ٹھہراتے ہو؟۔'' بلکہ یوں کہو: ''جو صرف ایک اللہ چاہیے۔''

یہاں پر لفظ ''اور'' مطلق طور پر مساوات کا فائدہ دیتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ''پھر'' کا لفظ استعمال کیا جائے؛ اور یوں کہا جائے ''جو اللہ تعالیٰ چاہے پھر جو آپ چاہیں'' تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ لفظ ''پھر'' تراخی کے لیے آتا ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس طرح کے دیگر الفاظ'' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس آیت کی تفسیر ہے:

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة 22]

''پس تم اللہ کے لئے جان بوجھ کر شریک (برابر والے) نہ ٹھہراؤ۔''

فرمایا: ''برابر والے سے مراد شرک ہے۔ جو کہ اندھیری رات میں صاف چٹان پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے۔ اور وہ یوں ہوتا ہے کہ کوئی انسان یوں کہے: ''اللہ کی قسم اور تمہاری زندگی کی قسم۔ اے فلاں تجھے میری زندگی کی قسم۔ اور یوں کہنا: اگر فلاں کی کتیا نہ ہوتی تو چور ہمیں آ لیتے۔ اور اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو چور داخل ہو جاتے۔ اور کسی انسان کا اپنے ساتھی سے یوں کہنا کہ: ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں۔'' اور یوں کہنا: اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ ہوتے تو یوں ہو جاتا۔ اس طرح کے تمام جملے شرکیہ ہیں۔'' (أخرجه ابن ابی حاتم ؛ تفسیر ؛ 229)

شرک اصغر کا خوف

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

((اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الاَصْغَرُ فَسُئِلَ عَنْهُ فَقَالَ: الرِّيَاءُ۔))

''مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ جس بات کا خوف ہے، وہ شرک اصغر ہے۔ چنانچہ آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ ''ریاکاری'' ہے۔''

اس حدیث کو امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے محمود بن لبید انصاری سے بہترین سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز طبرانی نے اسے کئی عمدہ سندوں سے محمود بن لبید سے اور انہوں نے رافع بن خدیج سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔''

شرح:

یہ حدیث کچھ اعمال میں ریاکاری واقع ہونے کی دلیل ہے۔ یہاں پر ریاکاری سے مراد معمولی قسم کی ریاکاری ہے ۔البتہ خالص ریاکاری شرک اکبر ہے جو ملت اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

غیر اللہ کی قسم کی ممانعت کی دلیل

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَّفَ بِشِيءٍ دُوْنَ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ)) (أحمد 6072 ؛ أبو داؤد 3251 ترمذی 1535 ؛صحیح)

''جس شخص نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔''

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، نیز ابوداؤد اور ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صحیح سند کے ساتھ اس طرح روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ حَلَّفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ كَفَرَ اَوْ اَشْرَكَ۔))

''جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی تو اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔''

شرح:

یہ نکتہ غیر اللہ کی قسم اٹھانے سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی احادیث وارد ہوئی ہیں؛ جن میں سے دو احادیث شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر ذکر کی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی: ''من حلف بشيءٍ'' جو کوئی

کسی چیز کی قسم اٹھائے۔'' یہاں پر لفظ ''شَيءٍ'' نکرہ لایا گیا ہے؛ جو کہ شرط کے سیاق میں ہے؛ اور عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ تو اس لفظ ''شَيءٍ'' میں ملائکہ؛ انبیاء؛ کعبہ؛ اولیاء وغیرہ سب داخل ہوتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی: ''جس شخص نے اللہ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی، اس نے کفر کیا؛ یا شرک کیا۔'' اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ شک راوی کو ہوا ہو؛ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں پر لفظ ''أو'' حرف واؤ کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس نے کفر اور شرک کیا۔ اور یہ کفر کفر اصغر ہوگا۔ جیسا کہ شرک میں بھی شرک اصغر ہے۔ اور جب قسم اٹھانے والا؛ قسم اُٹھائے گئے کی تعظیم میں بہت زیادہ غلو کا شکار ہو جائے؛ اور اس میں ایسے امور کا اعتقاد رکھے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے روا اور زیبا ہیں؛ تو پھر ایسا کرنا شرک اکبر ہوگا جس سے ملت سے خروج لازم آتا ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ہم تک ایسی خبریں وارد ہوئی ہیں؛ جن کی موجودگی میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ بہت سارے قبر پرست یا ان کی اکثریت کو جب ان کے مخالف کی طرف سے قسم دی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر جھوٹی قسم اٹھا لیتے ہیں۔ جب بعد میں ان سے کہا جائے کہ: اپنے شیخ کے نام کی یا فلاں ولی کے نام کی قسم اٹھاؤ؛ تو وہ ٹال مٹول اور آئیں بائیں شائیں کرنے لگتا ہے اور انکار کر دیتا ہے۔ اور حق بات کا اعتراف کر لیتا ہے۔ یہ اس بات کی سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے کہ ان لوگوں کا شرک ان لوگوں کے شرک سے آگے بڑھ گیا ہے جو کہتے ہیں اللہ دو ہیں؛ یا جو کہتے ہیں: معبود (اللہ) تین ہیں۔'' (نیل الاوطار 102/4)

میں نے کسی کتاب میں پڑھا؛ اس کے مصنف نے ان بعض لوگوں نقل کیا تھا؛ وہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اولیاء اللہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی سے کہا گیا کہ وہ قسم اٹھائے؛ تو اس نے اپنے ایک خود ساختہ ولی کی قسم اٹھائی۔ تو قسم دینے والے کا رنگ بدل گیا؛ اور اس نے قسم اٹھانے والے پر رد کرتے ہوئے کہا: ''کیا شیخ اس چیز سے آگاہ ہیں جو کچھ ہمارے مابین اس وقت ہو رہا ہے؟ راوی کہتا ہے: ''میرا خیال ہے کہ اس نے پہلی بار سنا تھا کہ کوئی اسے مخلوق کی قسم اٹھانے سے منع کر رہا ہے۔ پس ناگہاں اس نے اسی قسم کو بڑا بنا کر پیش کیا؛ اور اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ علم غیب میں شریک ٹھہرانے لگ گیا۔ (الشرك و مظاهره 211)

جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں؛ کہنے کی ممانعت

امام ابو داؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَقُوْلُوْا: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَلٰكِنْ قُوْلُوْا: مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ۔))

''تم مت کہو: اللہ جو چاہے اور فلاں چاہے'' بلکہ یہ کہو: ''جو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔''

شرح:

اس کا تعلق تیسرے امر سے ہے؛ یعنی یوں کہنا: (اللہ جو چاہے اور فلاں چاہے) تو آپ نے فرمایا: ''تم مت کہو:

اللہ جو چاہے اور فلاں چاہے'' بلکہ یہ کہو: ''جو اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔'' کیونکہ لفظ ثم یعنی ''پھر'' کہنے سے واؤ عطف اور ''ثم'' عطف کے مابین فرق واضح ہو جاتا ہے۔حرف ''واؤ'' مطلق مساوات (برابری) کا فائدہ دیتا ہے؛ جبکہ ''ثم'' سے متأخر ہونے (پیچھے/ بعد میں ہونے) کا فائدہ ملتا ہے۔اور یہ کہ معطوف اور معطوف علیہ کے مقام فرق واضح ہوتا ہے۔

❀ ''شرک کی یہ قسم ارتداد اور جہنم میں ہیشگی کا موجب نہیں ہوتی ,لیکن کمالِ توحید کے خلاف ہے۔''

شرح:

جب شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی اور شرک اکبر کی حد کے مابین فرق کو بیان کر دیا؛ تو اب بیان کر رہے ہیں کہ ان کا حکم بھی مختلف ہے۔ اس قسم سے ارتداد واجب نہیں ہوتا؛ اور نہ ہی جہنم میں ہیشگی واجب ہوتی ہے۔جس انسان سے اس قسم کا شرک واقع ہو جائے تو وہ اس سے مرتد نہیں ہوگا۔اور نہ ہی وہ کفر اکبر کا مرتکب ہوگا جس سے ملت سے خروج لازم آئے۔ اور پھر اگر اسی حالت میں مر گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں بھی نہیں رہے گا۔علمائے کرام رحمہم اللہ کا شرک اصغر پر مرنے والے کے متعلق اختلاف ہے؛ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے یا نہیں؟:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ﴾ (النسآء:۴۸)

''بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے۔''

پس کچھ علماء کہتے ہیں: وہ بھی اس آیت کے عمومی حکم میں داخل ہے؛ یعنی اگر وہ اس شرک پر مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تحت داخل نہیں ہوگا؛ بلکہ لازمی طور پر اسے عذاب دیا جائے گا۔لیکن وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔اس لیے کہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں وہی رہے گا جو شرک اکبر پر مرا ہو۔

اور کچھ علماء کرام کا کہنا ہے کہ اس کا معاملہ بھی دیگر کبیرہ گناہوں کی طرح ہے؛ اور وہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کے زیر اثر ہے؛ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب دے؛ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اسے بخش دے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لیکن یہ'' کمال توحیدِ واجب'' کے منافی ہے''یعنی ایسا کرنا'' کمال توحیدِ واجب'' کے منافی ہے'' اور ایسے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عقوبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس لیے کہ کمال کی دو اقسام ہیں:

واجب کمال: جس کے ترک کرنے والا گنہگار ہوگا؛ اور وہ اپنے آپ کو عقوبت کے لیے پیش کرے گا۔

مستحب کمال:...... جب انسان ایسا کر لیتا ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے؛ اور اگر ایسا نہ کرے تو اس پر گنہگار نہیں ہوگا؛ اور نہ ہی اسے عقوبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

شرک خفی

تیسری قسم:...... ''شرک خفی'' ہے،اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

((اَلَا أخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِندِیْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ؟ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ : الشِّرْكُ الْخَفِيُّ يَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرىٰ مِنْ نَظَرِ الرَّجُلِ إِلَيْهِ۔))

''کیا میں تمھیں وہ بات نہ بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے؟'' لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''وہ شرک خفی ہے، آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو کسی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر، اپنی نماز کو سنوارتا ہے۔''

اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔''

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ''شرک کی اقسام میں سے **تیسری قسم:**...... ''شرک خفی'' ہے، اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

((اَلَا أخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِندِیْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ؟ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ : الشِّرْكُ الْخَفِيُّ يَقُوْمُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ لِمَا يَرىٰ مِنْ نَظَرِ الرَّجُلِ إِلَيْهِ۔))

''کیا میں تمھیں وہ بات نہ بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے؟'' لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ''وہ شرک خفی ہے، آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو کسی کو اپنی طرف دیکھتا پا کر، اپنی نماز کو سنوارتا ہے۔''

اس شرک کا نام ''شرک خفی رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ پوشیدہ طور پر واقع ہوتا ہے ظاہر نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص غیر اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے؛ یا پھر غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے؛ یا پھر اپنے ہاتھ پھیلا کر غیر اللہ سے دعا کرتا ہے؛ تو اس کا یہ عمل ظاہری اور واضح شرک ہے۔ مگر جو شخص نماز پڑھتا ہے؛ اور نماز کو اس لیے سنوارتا ہے کہ کوئی دوسرا اسے دیکھ رہا ہے؛ تو ۃ اس کے عمل کی ظاہری صورت تو ایسی ہے کہ وہ اللہ کے لیے نماز پڑھ رہا ہے؛ مگر اس کے ہاں جو شرک پایا جاتا ہے وہ ظاہر نہیں بلکہ مخفی ہے۔ حتی کہ نماز کا ظاہری حسن و جمال اور خوبصورتی اپنی صورت کے اعتبار سے صرف اللہ کے لیے ہوتی ہے؛ مگر شرک اس کے ہاں مخفی ہوتا ہے؛ نہ ہی دیکھا جا سکتا ہے نہ ہی سنا جا سکتا ہے جب کہ پہلی قسم کا شرک : جب وہ ''یا فلاں مدد'' کہتا ہے؛ تو سنا جا سکتا ہے؛ اور جب غیر اللہ کے لیے سجدہ کرتا ہے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہے ؛ تو دیکھا جا سکتا ہے۔ جب کہ یہ قسم نہ دیکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی سنی جا سکتی ہے۔ اسی لیے اسے مخفی شرک کہا جاتا ہے۔

اسی لیے بعض علماء کرام فرماتے ہیں: ''شرک کی دو اقسام ہیں : شرک جلی اور شرک خفی۔ اسی کی طرف شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے

اشارہ کیا ہے؛ جیسا کہ آگے آئے گا۔

جو چیز ان معانی سے تعلق رکھتی ہے؛ وہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جو پہلے گزرا؛ کہ: ''تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے۔'' یہ اس لحاظ سے ہے کہ یہ دلوں میں آہستہ سے جگہ پکڑ لیتا ہے۔ اور خفیہ طریقہ سے نفوس میں قرار پالیتا ہے۔ اور انسان کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ [حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے] ارشاد فرمایا:

''اور اس پر میں بخشش کا طالب ہوں؛ جو میں نہیں جانتا۔''

جس عمل میں ریاکاری پائی جائے اس عمل کو تباہ و برباد کردیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صرف اسی عمل کو قبول فرماتے ہیں جو اس کی رضا کے لیے خالص ہو۔ اور ریاکاروں سے بروز قیامت کہا جائے گا:

''تم ان کے پاس چلے جاؤ جن کو دنیا میں دیکھایا کرتے تھے؛ اور دیکھو کیا تم ان کے پاس اپنے اعمال کا بدلہ پاتے ہو۔'' (أحمد 23630 صححه الألبانی فی '' الصحیحة 951)

شرک کی تقسیم

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بھی جائز ہے کہ شرک کو صرف دو قسموں میں تقسیم کیا جائے:

(۱) شرک اکبر (۲) شرک اصغر

جہاں تک شرک خفی کا تعلق ہے تو وہ دونوں قسموں کو شامل ہے۔

چنانچہ وہ شرکِ اکبر میں بھی پایا جاتا ہے، جیسے منافقین کا شرک؛ کیونکہ یہ لوگ اپنے باطل عقائد کو چھپائے رکھتے ہیں اور محض ریاکاری کے طور پر اور اپنی جانوں کے خوف سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح ''شرک خفی'' کا وقوع ''شرک اصغر'' میں بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر ریاکاری، جیسا کہ محمود بن لبید انصاری رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث میں ہے اور اللہ ہی سمجھ کی توفیق دینے والا ہے۔''

شرح:

شیخ رحمہ اللہ نے اس تقسیم سے متعلق مسائل کو یہاں پر ختم کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں: ''یہ بھی جائز ہے کہ شرک کو صرف دو قسموں میں تقسیم کیا جائے:

(۱) شرک اکبر (۲) شرک اصغر

شرک خفی کوئی تیسری قسم نہیں ہے؛ بلکہ وہ ایک وصف ہے؛ جو کبھی شرک اکبر میں ہوسکتا ہے؛ اور کبھی شرک اصغر میں؛ وہ شرک کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

تقسیم کا یہ طریقہ کار جس کی طرف شیخ رحمہ اللہ مائل ہوئے ہیں؛ جیسا کہ ان کے فتاوی کی پہلی جلد میں ہے؛ فرماتے ہیں:

''درست بات یہ ہے کہ: یہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے؛ بلکہ یہ کبھی شرک اصغر میں بھی ہوسکتا ہے؛ کیونکہ اس کا تعلق دل سے ہے۔جیسا کہ حدیث میں بھی ہے۔جیسے کوئی دیکھانے کے لیے قرآن پڑھے۔اور دیکھانے کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے؛ جہاد یا اس طرح کے دیگر کام کرے۔اور کبھی یہ شرعی حکم کے اعتبار سے بعض لوگوں پر مخفی ہوتا ہے؛ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی سابقہ حدیث میں گزرا۔اور کبھی مخفی تو ہوتا ہے مگر شرک اکبر ہوتا ہے؛ جیسا کہ منافقین کے عقائد۔اس لیے کہ وہ ظاہری اعمال سے ریا کاری کرتے ہیں؛ مگران کا کفر مخفی ہوتا ہے؛ اسے ظاہر نہیں کرتے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ [النساء 142-143]

''بیشک منافق اپنے تئیں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور؛ وہ انہیں ہی دھوکہ میں رکھے گا؛اور جب نماز کو کھڑے ہوں تو سستی سے؛ لوگوں کو دکھانے کے لیے؛ اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا۔بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے۔''

اوران کی ریا کاری اور کفر کے متعلق آیات بہت زیادہ ہیں؛ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی چاہتے ہیں۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جہاں تک شرک خفی کا تعلق ہے تو وہ دونوں قسموں کو شامل ہے''یعنی یہ عام ہے: کبھی شرک اکبر بھی مخفی طور پر واقع ہوتا ہے؛ اور کبھی شرک اصغر مخفی طور پر واقع ہوتا ہے۔اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ:

شرک اکبر کی دو اقسام ہیں:

جلی: جیسے مردوں کو پکارنا؛ ان سے مشکل کشائی چاہنا اوران کے نام کے نذرانے چڑھانا وغیرہ۔

خفی: جیسے: خالص ریاکاری؛ یہ شرک اکبر ہے۔جس سے انسان ملت سے خارج ہو جاتا ہے؛ مگر یہ مخفی چیز ہے ظاہر نہیں؛ ایسا انسان مسلمانوں کے پاس آتا ہے؛ ان کے ساتھ نمازوں اور دیگر امور میں شریک ہوتا ہے؛ مگر اپنے دل میں کفر کو چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔(جیسے منافقین کا شرک؛ کیونکہ یہ لوگ اپنے باطل عقائد کو چھپائے رکھتے ہیں اور محض ریا کاری کے طور پر اور اپنی جانوں کے خوف سے اسلام کو ظاہر کرتے ہیں)۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١﴾﴾ [٦٣:١]

''جب منافقین آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں بے شک آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ جانتا ہے آپ یقیناً اس کے رسول ہیں؛ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافقین درحقیقت جھوٹے ہیں۔''

اسی طرح ''شرک اصغر'' بھی قسم کا ہوتا ہے:

جلی: جیسے یہ کہنا: جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں؛ اور نبی کے نام کی یا کعبہ وغیرہ کے نام کی قسم اٹھانا۔ ایسا کلام سنا جاسکتا ہے مخفی نہیں ہوتا۔

خفی: مثلاً معمولی سی ریا کاری؛ ایسا کرنا شرک اصغر ہے؛ مگر مخفی ہوتا ہے۔

عمومی طور پر شرک کی مختلف اعتبار سے کئی انواع ہیں۔

توحید کی تقسیم کے اعتبار سے (توحید کی اقسام کے مخالف) اس کی تین اقسام ہیں۔

شرک کے حجم کے اعتبار سے اس کی دو اقسام ہیں: شرک اکبر اور شرک اصغر۔

اس کے مخفی اور ظاہر ہونے اعتبار سے اس کی دو اقسام ہیں؛ شرک جلی اور شرک خفی۔

چند دوسرے اعتبارات سے اس کی دیگر اقسام بھی ہیں جنہیں اہل علم رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے۔

پانچواں سبق:

احسان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پانچواں سبق: احسان۔

رکنِ احسان:...... احسان یہ ہے کہ آپ اللہ کی عبادت اس طرح کریں گویا آپ اسے دیکھ رہے ہیں، اور اگر آپ اسے نہیں دیکھ رہے ہیں تو (کم از کم یہ تصور تو ہونا ہی چاہیے کہ) بلاشبہ وہ آپ کو دیکھ ہی رہا ہے۔''

شرح:

احسان دین کے سب سے اعلی اور بلند ترین مراتب میں سے ایک ہے۔ دین کے دین مراتب ہیں؛ ان میں سب سے اعلی مرتبہ احسان کا ہے؛ پھر اس کے بعد ایمان؛ اور پھر اسلام۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے؛ جب جبریل امین نے آپ سے دریافت کیا: مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے؟ تو آپ نے فرمایا:

((الْإِسْلَامُ أَنْ اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وتحج البيت إن استطعت إليه سبيلاً))۔قَالَ: فأخبرني عن الْإِيمَانِ؟ قَالَ :((أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَاليوم الآخر وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خيره و شره))۔ قَالَ: فَأخبرني عن الْإِحْسَانِ؟ قَالَ : ((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ))

''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز پابندی سے پڑھو، زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو؛ اور اگر استطاعت ہو تو اس گھر کا حج کرو۔'' اس نے پھر عرض کیا: تو مجھے بتایئے کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اور اس کے پیغمبروں کا اور آخرت کے دن کا یقین رکھو، اور جان لو کہ ہر طرح کی تقدیر خواہ خیر ہو یا شر؛ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔'' اس نے پھر عرض کیا: مجھے بتایئے: احسان کس کو کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو (کم از کم اتنا یقین رکھو) کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔''

اس حدیث کے آخر میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ جبرائیل علیہ السلام تھے؛ جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔'' [مسلم8؛ بخاری 50]

تو اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دین کے تین مراتب ہیں؛ اسلام؛ ایمان اور احسان۔ اور ان مراتب دین میں

سے سب سے اعلیٰ مقام احسان کا ہے۔ اور کوئی انسان جب تک اسلام اور ایمان کو مکمل نہ کر لے؛ اس کے لیے اس مقام و مرتبہ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: ''ہر محسن (مرتبہ احسان پر فائز) مؤمن مسلمان ہے؛ اس لیے کہ ایمان و اسلام کے مرتبہ کو مکمل کئے بغیر احسان تک پہنچنا ناممکن ہے۔ لیکن ہر مؤمن محسن نہیں ہوسکتا۔ ہر وہ انسان جو درجہ ایمان تک پہنچ گیا ہو؛ وہ درجہ احسان تک پہنچا ہوا نہیں ہوتا کیونکہ احسان کا درجہ اعلیٰ و ارفع ہے۔

احسان: اتقان اور عمدگی؛ نفاست اور کمال عمل کو کہتے ہیں؛ یعنی کسی عمل کو اس طرح پورا کیا جائے کہ وہ اعلیٰ مرتبہ تک پہنچ جائے۔ اس کا ایک ہی رکن ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے؛ ارشاد فرمایا:

((أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ .))

''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت گویا تم اس کو دیکھتے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔''

پس یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے جو اس عزت اور جلال والی ہستی کے قریب کرتی ہے؛ انسان کو چاہیے کہ خوب دل لگا کر اچھے اور عمدہ طریقہ سے عبادت کو پورا کرے۔ اور عبادت میں اللہ کے مراقبہ اور قربت کا احساس رکھتے ہوئے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرے تاکہ وہ عبادت کو اس طرح پورا کر سکے کہ وہ اپنے مرتبہ میں کمال درجہ کو پہنچ جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کرے کہ اس کی قربت کا احساس رہے؛ کہ وہ اللہ کے سامنے ایسے کھڑا ہے؛ اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور اس کی ہیبت اور تعظیم کو واجب کرتا ہے۔ پس جس انسان کی یہ حالت ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی ساتھ حاصل کر کے کامیاب و کامران ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُمْ مُّحْسِنُونَ ۝١٢٨﴾ [١٦:١٢٨]

''کچھ شک نہیں اللہ ان کے ساتھ ہے جو پرہیزگار ہیں اور جو احسان کرنے والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝٦٩﴾ [٢٩:٦٩]

''اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم اُن کو ضرور اپنی راہ دکھائیں گے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تو محسنین کے ساتھ ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝١٩٥﴾ [٢:١٩٥]

''بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۚ﴾ [١٠:٢٦]

''جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور (مزید برآں) اور بھی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ [۵۵:۶۰]

''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے''

پس جو کوئی اچھائی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھائی کرتے ہیں ؛ اور وہ بہت بڑا ثواب حاصل کر کے کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کا انجام اچھا ہوتا ہے؛ اور قیامت کے دن اس کی منازل اعلی وارفع ہوں گی۔

دین کے مراتب میں سے احسان کا مرتبہ زیادہ بلند ہے۔ اور اس کا حصول صبر اور مجاہدہ نفس کے بغیر ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ﴾ [۲۹:۶۹]

''جنہوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم اُن کو ضرور اپنی راہ دکھائیں گے؛ اور اللہ تو نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔''

پس احسان اپنے نفس سے مجاہدہ؛ صبر ومصابرہ ومرابطہ (ایک دوسرے کو صبر کی تلقین) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری پر محافظت؛ اور ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے مراقبہ اور قرب کے استحضار کا نام ہے؛ انسان کا وصف بالکل یہ ہونا چاہیے کہ:

((أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنَّكَ إِنْ لَا تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ ـ))

''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت گویا تم اس کو دیکھتے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔''

چھٹا سبق:

نماز کی شرائط

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **چھٹا سبق** : نماز کی شرائط:

نماز کی شرائط نو ہیں:

(۱) اسلام (۲) عقل (۳) تمیز

(۴) باوضو ہونا (۵) حقیقی نجاست دور کرنا (۶) شرم گاہ کو چھپانا

(۷) وقت کا داخل ہونا (۸) قبلہ رخ ہونا (۹) نیت۔

شرح:

اسلام کے ارکان میں سے نماز کلمہ شہادت کے اقرار کے بعد سب سے بڑا اور زیادہ تاکیدی رکن اور بندے کے اہم ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ جو کوئی نماز کی پابندی اور حفاظت کرتا ہے؛ وہ اپنے دین کو محفوظ کر لیتا ہے۔ اور جو کوئی نماز کو ضائع کر دیتا ہے؛ تو وہ دیگر تمام اعمال کو سب سے بڑھ کر ضائع کرنے والا ہوتا ہے۔ نماز اسلام کا ستون ہے۔ تمام اعمال کی قبولیت کا دارو مدار نماز کی قبولیت پر ہوتا ہے۔ اگر نماز کو رد ہوگئی تو دیگر تمام تر اعمال کو رد کر دیا جائے گا۔

نماز دین اسلام میں پہلا فریضہ ہے۔ اور دین میں سب سے آخر میں ختم ہونے والی چیز ہے۔ کسی مسلمان کا دین اس وقت تک استقامت پر نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کے اعمال کی اصلاح ہوسکتی ہے؛ اور نہ ہی اس کے دین اور دنیا کے معاملات اعتدال آ سکتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرتے ہوئے نماز کو صحیح طور پر ادا نہ کر لے اور نماز قائم کرنے کے لیے اس کی شروط کی رعایت رکھنا؛ اور اس کے ارکان اور واجبات کو ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ اور نماز کو صحیح طرح سے پوری پوری ادا کرنے کے لیے اپنے نفس سے مجاہدہ کیا جائے۔ اسی لیے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر یہ درس اور اس کے بعد نماز سے متعلق دروس وارد کئے ہیں۔ پس ان دروس میں نماز کی شروط؛ ارکان اور واجبات اور سنتوں کا ذکر کیا ہے؛ جو ایک مسلمان کے لیے اس کی نماز کی کما حقہ ادائیگی میں معاون ہوسکتے ہیں؛ کہ اس کی شروط اور ارکان اور واجبات اور سنتوں اور مستحبات کی حفاظت کی جائے۔

پہلے آپ نے شروط سے متعلق کلام کیا ہے۔ اس لیے کہ شروط کو نماز پر سبقت حاصل ہوتی ہے۔ اور شروط نماز سے پہلے اس کی تیاری کے طور پر ہوتی ہیں۔ پھر ارکان کا ذکر کیا ہے؛ کیونکہ یہ نماز کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ اور ارکان کو واجبات پر مقدم کیا ہے؛ کیونکہ ان کی عظمت اور تاکید زیادہ ہے۔ اور اس لیے کہ اگر رکن رہ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ جب کہ واجب اگر رہ جائے تو سجدہ سہو سے اس کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ جب کہ رکن کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے؛ کسی

بھی چیز سے اس کا ازالہ نہیں کیا جاسکتا۔مثلاً اگر کوئی انسان نماز کا کوئی رکن چھوڑ دے ؛ اور پھر نماز کے آخر میں دو سجدے کرلے؛تو اس کی نماز ایک رکن کوترک کرنے وجہ سے باطل ٹھہرے گی۔

نماز کی شرائط

شرط :......جیسا کہ علمائے کرام نے اس کا مطلب بیان کیا ہے؛ وہ چیز ہے جس کے عدم سے عدم لازم آتا ہو؛ مگر اس کے وجود سے وجود یا عدم لذاتہ لازم نہ آتا ہو۔ مثال کے طور پر: وضوء؛ نماز کی شروط میں سے ایک شرط ہے۔وضو کے نہ ہونے سے نماز کا نہ ہونا؛ اوراس کی عدم صحت لازم آتی ہے۔ پس جوکوئی بغیر وضوکے نماز پڑھ لے؛تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔حدیث میں ہے: نماز میں غلطی کرنے والے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم نماز کے لیے اٹھوتو اچھی طرح سے وضوء کرلو۔'' (أخرجه البخاری 6251 مسلم 397؛ عن ابی هريره)

پس وضوء کے نہ ہونے سے نماز کا نہ ہونا لازم آتا ہے؛ مگر وضوء کے ہونے سے نماز کا ہونا لازم نہیں آتا۔ جو کوئی وضوء کرلے؛تو وضوء کرنے سے اس کا نماز پڑھنا لازم نہیں آتا۔لیکن وضوء نہ ہونے سے نماز کا نہ ہونا لازم آتا ہے۔

شرط اول:......اسلام ؛ کافر کے اعمال باطل ہوتے ہیں ؛ یا پھر وہ تباہ شدہ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے ؛ فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾[المائدہ5]

''اور جو شخص ایمان سے منکر ہوا اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔''

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ښ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ﴾[التوبہ17]

''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں۔ان لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔''

اور جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾[الزمر65]

''اورآپ کی طرف اور آپ پہلے انبیاء کی طرف وحی بھیجی گئی ہے۔کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہوجائیں گے اورتم زیاں کاروں میں سے ہوجاؤ گے۔''

کفر اور شرک سے اعمال تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔نماز کی شرائط میں سے ایک اس دین میں داخل ہونا بھی ہے۔اور

اس دین میں داخلہ شہادتین کے اقرار اور ان کے معانی کے فہم؛ اور ان چیزوں کے پختہ عقیدہ سے ہوتا ہے جن پر شہادتین دلالت کرتی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اور مرسلین علیہم السلام کی سچی اتباع۔

شرط دوم:...... عقل: یہ پاگل پن کی الٹ ہے۔ پاگل سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔(اس کی نماز معتبر نہیں ہوتی)۔

حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے،....اور دیوانہ سے؛حتی کہ اسے عقل آجائے۔'' (أحمد 24694 ؛ سنن ابی داؤد 4398 ؛ سنن الترمذی 1423-: صحیح)

شرط سوم:...... تمیز[سمجھ] اتنے چھوٹے بچے کی نماز درست نہیں ہے جو ابھی تک سمجھداری[سات سال] کی عمر کو نہ پہنچا ہو۔اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تمہاری اولاد سات سال کی ہو جائے تو تم ان کو نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں اس پر (یعنی نماز نہ پڑھنے پر) مارو، اور ان کے سونے کے بستر الگ الگ کردو۔''

[مسند أحمد 6756 ؛ أبو داؤد 495 ؛ صححه الألباني في الإرواء 247]

جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے؛ اور وہ سمجھ دار ہو جائے؛ اعمال کو سمجھ اور ادا کرسکتا ہو؛ تو اس کی رہنمائی کی جائے؛ اور یہ امور اس کے سامنے بیان کئے جائیں۔ یہ وقت ہوتا ہے اسے نماز کا حکم دینے کا۔

شرط چہارم: طہارت (حدث کا خاتمہ): حدث (ناپاکی) چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی ناپاکی کو شامل ہے۔حدث اکبر کا خاتمہ غسل سے ہوتا ہے جیسے جنابت اور حیض سے غسل کرنا۔اور حدث اصغر کے لیے وضوء کرنا پڑتا ہے۔حدث کا خاتمہ نماز کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

((لَا يَقْبَلُ اللَّهُ صَلَاةً إِلَّا بِطُهُورٍ))(مسلم 224)

''اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتے۔''

پس جو کوئی اس حالت میں نماز پڑھ لے کہ وہ ناپاک ہو؛ بھلے ناپاکی چھوٹی ہو یا بڑی۔تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

شرط پنجم:...... نجاست کا ازالہ: یعنی نماز کی جگہ؛ اور لباس اور بدن کو گندگی سے مکمل طور پر پاک رکھے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝﴾[۴:۷۴] ''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔''

طہارت میں اصل پانی کا استعمال ہے۔اگر نجاست زمین پر لگی ہو تو اس پر پانی بہا کر پاک کیا جائے [1] اور اگر کسی

[1] جو کوئی نماز پڑھنے کے بعد دیکھے کہ اس پر گندگی لگی ہوئی ہے؛ اور اسے یہ پتہ نہ چل رہا ہو کہ یہ گندگی کب لگی ہے؛ تو اس کی نماز درست ہوگی۔ایسے ہی اگر اسے پتہ چل بھی جائے کہ یہ گندگی نماز سے پہلے لگی ہے؛ اور وہ اسے ختم کرنا[پاک کرنا] بھول گیا تھا؛ تو راجح قول کے مطابق صحیح بات یہی ہے کہ اس کی نماز درست ہوگی۔اور اگر اسے نماز کے دوران گندگی کا پتہ چلے؛ اور یہ ممکن ہو کہ عمل کثیر کے بغیر اسے ختم کیا جاسکتا ہے؛ جیسے جوتے کا اتار دینا؛ یا اس طرح کا کوئی کام؛ تو وہ گندگی کو ختم کردے؛ اور نماز کو جاری رکھے۔اور اگر اس گندگی کو ختم نہ کرسکے تو اس کی نماز باطل ہوگی[اسے دوبارہ پڑھنا ہوگا]۔

دوسری چیز کولگی ہوتو اسے دھوکر پاک کیا جائے۔

شرط ششم:......شرمگاہ کا پردہ: ......اعضاء پردہ کوکسی ستر والی چیز سے ڈھانپ کر چھپانا واجب ہے؛اور اسے کھلا رکھنا قبیح سمجھا جاتا ہے؛اور ایسا کرنے سے حیاء آتی ہے۔فرمان الٰہی ہے:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾[الاعراف31]

''اے نبی آدم! ہر سجدہ (مسجد) کے وقت اپنے تئیں مزّین کیا کرو۔''

اس سے مراد ہر نماز کا وقت ہے۔پس جو کوئی ننگی حالت میں نماز پڑھے؛تو اس کی نماز باطل ہوتی ہے۔اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔ہاں اگر کسی انسان کے پاس کپڑا ہی نہ ہوتو اس کا مسئلہ علیحدہ ہے۔ایسے ہی حدیث میں ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''بالغ عورت کی نماز بغیر اوڑھنی کے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔''(أحمد 25167؛ ترمذی 377/صحیح)

عورت نماز میں اپنے چہرہ کے علاوہ باقی تمام اعضاء کو چھپائے گی۔ہاں اگر اجنبی مرد بھی وہاں موجود ہوں تو وہ اپنے چہرہ کو بھی چھپالے گی۔اجنبی لوگوں کے سامنے چہرہ کو چھپانا بہت سارے دلائل کی روشنی میں واجب ہوتا ہے۔[1]

شرط ہفتم:......نماز کا وقت ہونا: اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾[النساء103]

''بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔''

ہر نماز کے لیے ایک مناسب وقت متعین ہے نہ ہی اس سے پہلے نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ ہی بعد میں؛فرمان الٰہی ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾[الاسراء78]

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو۔کیوں صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔''

پس نماز کو اس کے وقت پر قائم کیا جائے۔[2] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل امین تشریف لائے؛اور نماز کی

---

[1] عورت کو ایسا کپڑا پہننا چاہیے جس سے اس کی جلد(چمڑی) کی مواصفات بیان نہ ہوسکتی ہوں[یعنی کپڑے کے اندر اس کی جلد یا بال نظر نہ آتے ہوں]۔عورت ساری کی ساری پردہ کی چیز ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:((المرأة عورة۔))''عورت تمام پردہ ہے۔''عورت نا محرم مردوں کے سامنے ساری کی ساری پردہ کی چیز ہے۔اس کے لیے کسی بھی طرح جائز نہیں کہ نماز میں یا عام حالت میں اپنے جسم کا کوئی حصہ ایسے کھلا چھوڑ دے جس پر نامحرم کی نظر پڑ سکے۔پس عورت پر تمام بدن کا پردہ کرنا واجب ہے۔ہاں جب وہ تنہائی میں یا ایسی جگہ نماز پڑھ رہی ہو جہاں اسے کوئی اجنبی نہ دیکھ رہا ہوتو وہ اپنے ہاتھ اور چہرہ کھلا رکھ سکتی ہے۔

[2] یہ اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے احوال کی مناسبت سے اختیار کردہ ہے؛ اور ان کی پابندی کرنا واجب ہے۔اورفوت شدہ نماز کی فی الفور قضا پڑھنے کے لیے جلدی کرنا بھی واجب ہے۔اس کے لیے اس جیسی اگلی نماز کا انتظار نہیں کیا جائے گا؛ جیسا کہ بعض لاعلم لوگوں کا ⇦⇦⇦

امامت کروائی؛ اور پانچوں نمازیں پہلے وقت میں ادا کیں۔ پھر ایک دن کے بعد تشریف لائے اور آپ کی امامت کی اور یہ نمازیں آخری وقت میں ادا کیں۔ اور پھر ارشاد فرمایا:

((هَذَا وَقْتُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ الْوَقْتَيْنِ))[ابو داؤد393؛ ترمذی149]

''یہ آپ سے پہلے انبیاء کی نمازوں کا وقت ہے اور مستحب وقت انہی دو وقتوں کے درمیان ہے۔''

یعنی پہلا وقت اور آخری وقت۔ پس نماز کو اس وقت میں ادا کیا جائے۔ زیادہ بہتر اور افضل نماز کو پہلے وقت میں ادا کرنا ہے۔ سوائے گرمیوں کے موسم میں نماز ظہر کے۔ حدیث میں آتا ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ))

(البخاری 536 ؛مسلم615)

''جب گرمی تیز ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی تیزی دوزخ کی آگ کی بھاپ کی وجہ سے ہوتی ہے۔'' (یعنی میں اتنی تھوڑی سی دیر کرو کہ سورج کی گرمی کا زور ٹوٹ جائے)۔

ایسے سنت مطہرہ میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نماز عشاء میں تاخیر کی جائے۔ ہاں اگر اس کی تاخیر میں نمازیوں پر مشقت ہو تو پھر پہلے وقت میں ادا کر دیا جائے۔

شرط ھشتم:......قبلہ رخ ہونا؛ یعنی کعبہ شریف کی طرف منہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ﴾[البقرة144]

''پس اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔''

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نمازی پر قبلہ رخ ہونا فرض اور نماز درست ہونے کی شرط ہے۔ سنت مطہرہ سے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں آپ نے نماز میں غلطی کرنے والے کی اصلاح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

''جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اچھی طرح سے وضو کرلو؛ اور پھر قبلہ رخ ہو جاؤ۔'' (سبق تخریجہ)

نہم:...... نیت: نیت کا مقام دل ہے۔ (نمازی اپنے دل میں ارادہ کرے کہ وہ کون سی نماز ادا کر رہا ہے۔ اس کے لیے زبان سے بولنے کی ضرورت ہرگز نہیں)۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے؛ اور انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرتا ہے۔''

(بخاری 1 ؛ مسلم 1207)

یہاں پر نیت سے مراد وہ عمل ہے جس سے امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ پس ظہر اور عصر کی نماز کے مابین کس چیز سے امتیاز ہوگا؟ اور فرض اور نفل کے مابین کیسے امتیاز ہوگا؟ یہ صرف دل میں نیت سے ہی ممکن ہے۔

⇦⇦⇦ خیال ہے [کہ وہ ہر قضاء نماز کو اس جیسی نماز مثلاً: ظہر کو ظہر کے ساتھ اور عصر کو عصر کے ساتھ]۔ اور پھر وہ نماز میں تاخیر کرتے ہیں۔ ایسے ہی فرض نماز میں دیر ہو جائے تو اس کی ادائیگی کے لیے ممنوعہ وقت نکلنے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ اسے فی الفور پڑھا جائے۔

نیت کو الفاظ میں ادا کرنا بدعت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل سے ایسا ثابت نہیں ہے۔ اور جو کچھ بعض لوگ کرتے ہیں کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو اونچی آواز میں کہتے ہیں: ''میں عصر کی نماز کی نیت کرتا ہوں؛ چار رکعت نماز فرض: فلاں جگہ پر......'' ایسا کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے عمل سے ایسا کرنا ثابت نہیں ہے۔ ہر بدعت کا بوجھ اس کے مرتکب پر ہوتا ہے؛ اس پر کوئی اجر نہیں ملتا۔ اجر کا تعلق اتباع سنت کے ساتھ ہے بدعت اور دین اللہ میں نئی ایجادات کے ساتھ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف صاف ارشاد فرما دیا ہے:

''جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا؛ وہ مردود ہے۔'' (سبق تخریجہ)

یعنی ایسا کام عمل کرنے والے کے منہ پر مار دیا جاتا ہے؛ اسے شرف قبولیت حاصل نہیں ہوتا۔''

ساتواں سبق:

نماز کے ارکان

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ساتواں سبق: نماز کے ارکان۔

نماز کے ارکان چودہ ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ قدرت ہو تو کھڑے ہونا۔
2۔ تکبیر تحریمہ۔
3۔ سورہ فاتحہ پڑھنا۔
4۔ رکوع۔
5۔ رکوع کے بعد (قومہ میں) ٹھیک سے کھڑے ہونا۔
6۔ سات اعضاء پر سجدہ کرنا۔
7۔ سجدہ سے سر اٹھانا۔
8۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا
9۔ تمام افعال نماز میں اطمینان ہونا۔
10۔ ارکان میں ترتیب ہونا۔
11۔ آخری تشہد۔
12۔ آخری تشہد کے لیے بیٹھنا۔
13۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔
14۔ دونوں طرف سلام پھیرنا۔

شرح:

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ساتواں سبق: نماز کے ارکان۔

''رکن اس مضبوط پہلو کو کہتے ہیں جس کے بغیر قیام ممکن نہیں ہوتا؛ اور رکن کے نہ ہونے سے عمل باطل ٹھہرتا ہے۔ اس سے عمداً سہواً یا جہالت کسی بھی وجہ سے چھوٹ نہیں مل سکتی۔ اس لیے کہ ارکان کے بغیر عبادت کا قیام ممکن نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ستونوں کے بغیر عمارت کا قائم ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ جب عمارت کے ستونوں میں سے کوئی ستون گر جائے تو عمارت منہدم ہو جاتی ہے پس نماز بھی اپنے ارکان کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی [1]۔ نماز کے چودہ ارکان ہیں:

پہلا رکن :...... قیام: (اگر انسان کو طاقت ہو تو فرض نمازوں میں قیام کرنا لازم ہے)۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سے اپنی بات شروع کی ہے کیونکہ اسے باقی تمام ارکان پر سبقت حاصل ہے۔ جو کوئی کھڑا ہونے پر قدرت رکھتا ہو مگر فرض نماز بیٹھ کر پڑھ لے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی۔ کیونکہ قیام نماز کا رکن ہے؛ جب تک انسان اس پر قادر

[1] ارکان: جب رکن رہ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ خواہ جان بوجھ کر رکن کو ترک کر دیا جائے یا پھر بھول سے رہ جائے۔ وہ رکعت باطل ہو جاتی ہے؛ جس میں کوئی رکن رہ گیا ہے۔ اور بعد والی رکعت اس پہلی رکعت کی جگہ لے لے گی۔ اس کی مثال: نمازی عصر کی نماز پڑھ رہا تھا۔ پہلی رکعت میں سجدہ رہ گیا۔ دوسری رکعت میں یاد آیا کہ پہلی رکعت میں سجدہ رہ گیا ہے؛ تو وہ دوسری رکعت پہلی رکعت کے قائم مقام ہوگی؛ یعنی دوسری رکعت پہلی شمار ہوگی [اور سجدہ رہ جانے والی رکعت ادا کرنا ہوگی]۔ واجبات: اگر واجبات میں سے کوئی واجب جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر بھول کر رہ جائے تو سجدہ سہو کر کے اس کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ سنن: کوئی سنت اگر جان بوجھ کر چھوڑ دی جائے؛ یا بھول کر رہ جائے؛ تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ لیکن نماز کے اجر میں ضرور کمی آ جاتی ہے۔

ہو؛ اس سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ [البقرة 238]

''نگہبانی کروسب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔''

اور اصلاح نماز والی حدیث میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو تکبیر کہو۔''[1] (البخاری 757 مسلم 398)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کھڑے ہوکر نماز پڑھو؛ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لو۔''

جب انسان کھڑا ہونے پر قادر ہو تو ضروری ہے کہ کھڑے ہوکر ہی نماز پڑھے؛ اور اگر (کسی بیماری وغیرہ کی وجہ) کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو پھر حسب استطاعت بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھی جائے۔ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:]

''اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لو؛ اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھ لو۔'' (البخاری 1117)

یعنی جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن 16]

''تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہو سکے۔''

دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگ مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور پھر وہ ایسی جگہ تلاش کرتے ہیں جو کرسی کے لیے خاص ہو؛ پھر وہاں سے ایک کرسی اٹھا کر صف کے درمیان میں اپنی جگہ پر رکھ کر اس پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور پھر بیٹھے ہوئے تکبیر تحریمہ کہتا ہے۔ حالانکہ وہ چلتے ہوئے مسجد میں آیا تھا۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی ساتھی یا جاننے والا ہو تو کافی دیر تک اس کے ساتھ کھڑا رہ کر گپ شپ لگاتا رہے۔ اتنی دیر تک کھڑا ہونے کی قدرت کے باوجود وہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے !!

جس انسان کی یہ حالت ہو؛ جو چلتے ہوئے مسجد میں داخل ہو؛ اسے چاہیے کہ کم از کم وہ کھڑے ہوکر تکبیر تحریمہ کہے اور پھر اگر وہ بیٹھنے کی ضرورت محسوس کرے تو بیٹھ جائے۔ خصوصاً جب قیام تھوڑا لمبا ہو جائے (اور اس پر قیام میں مشقت

---

[1] یہ پوری حدیث بخاری اور مسلم میں اس طرح ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ واپس جاؤ اور پھر نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص واپس گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھی اور پھر آ کر سلام کیا۔ لیکن آپ نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ واپس جا اور دوبارہ نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے اس طرح تین مرتبہ کیا۔ آخر اس شخص نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اس کے علاوہ اور کوئی اچھا طریقہ نہیں جانتا، اس لیے آپ مجھے نماز سکھا دیجیئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے تکبیر تحریمہ کہہ۔ پھر آسانی کے ساتھ جتنا قرآن تجھ کو یاد ہو اس کی تلاوت کر۔ اس کے بعد رکوع کر، اچھی طرح سے رکوع ہو لے تو پھر سر اٹھا کر پوری طرح کھڑا ہو جا۔ اس کے بعد سجدہ کر پورے اطمینان کے ساتھ۔ پھر سر اٹھا اور اچھی طرح بیٹھ جا۔ اسی طرح اپنی تمام نماز پوری کر۔''

ہو) تو بیٹھ جائے۔لیکن رہ گیا ایسے ہی بیٹھ کر نماز کو شروع کرنا؛ جب کہ وہ اپنے پاؤں پر چلتے ہوئے مسجد آیا تھا؛ اور خود اپنے لیے جگہ کا انتخاب کیا؛ اور پھر بیٹھ گیا۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کرتے ہوئے مسئلہ سے آگاہ کرنا چاہیے۔

دوسرا رکن:......تکبیر تحریمہ کہنا۔ اس تکبیر کو تحریمہ (یا تکبیر احرام) اس لیے کہ کہتے ہیں کہ یہ تکبیر نماز کی کنجی ہے؛ اور اسی سے نماز شروع ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نہ نماز شروع ہوسکتی ہےاور نہ ہی اس کے بغیر تحریم حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات تو معلوم شدہ ہے کہ صرف اس تکبیر کے کہنے سے نمازی پر وہ کام حرام ہوجاتے ہیں جو اس سے پہلے حرام نہیں تھے پس یہ تکبیر حرام کرنے والی ہے۔ اور وہ تمام اعمال جو نماز میں ادا کئے جاتے ہیں؛ وہ اس تکبیر کی تفصیل ہیں۔ جو کہ نماز کے لیے تحریم ہوتی ہے۔ پس انسان رکوع اور سجدہ کرتا ہے؛ خشوع وخضوع اور تذلل اختیار کرتا ہے؛ دعا اور مناجات اور تسبیح بیان کرتا ہے؛ اور دیگر اعمال بجالاتا ہے؛ یہ سب اس اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تکبیر کی خاطر کرتا ہے۔

پس جو کوئی اس تکبیر کے بغیر نماز میں داخل ہوتا ہے؛ یا اس کے ان الفاظ کے علاوہ کوئی دوسرے الفاظ اختیار کرتا ہے؛ جیسے: ''اللہ اعظم'' یا ''اللہ اجل''؛ یا اس طرح کا کوئی دوسرا لفظ؛ تو اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس نے نماز کی تحریم کے الفاظ تکبیر کی شکل میں ادا نہیں کئے۔ جب کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے تمام تر الفاظ کو چھوڑ کر ان الفاظ کو متعین کیا ہے۔ اصلاح نماز والی حدیث میں ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ تو تکبیر کہو۔'' (البخاری 757 مسلم 398)

تیسرا رکن ......: سوم: سورت فاتحہ پڑھنا۔ یہ قرآن کی سب سے عظیم ترین سورت ہے۔ اس کی تلاوت کرنا ہر نماز؛ بلکہ ہر نماز کی ہر رکعت کا رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں سترہ مرتبہ اس سورت کا پڑھنا اپنے بندوں پر فرض کیا ہے جو اس سورت کی عظمت کی دلیل ہے۔ اور اس کی شان یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو ''نماز'' کا نام دیا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى حَمِدَنِي عَبْدِي وَإِذَا قَالَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَثْنَى عَلَيَّ عَبْدِي وَإِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ قَالَ مَجَّدَنِي عَبْدِي وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ إِلَيَّ عَبْدِي فَإِذَا قَالَ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ قَالَ هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ)) (مسلم 137)

''سورت فاتحہ میرے اور میرے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دی ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو وہ مانگے جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میرے بندے نے میری حمد بیان کی ۔اور جب وہ کہتا ہے:﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' میرے بندے نے میری ثناء بیان کی۔'' اور جب وہ کہتا ہے:﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔'' اور جب وہ کہتا ہے:﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا ہے۔'' جب وہ کہتا ہے:﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾: تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:'' یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا۔''(صحیح مسلم 395)

صحیح حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب)) [البخاری 756؛ مسلم 394]

''اس کی کوئی نماز نہیں جو سورت فاتحہ نہ پڑھے۔''

اس سورت کے ناموں میں سے ایک نام ''ام القرآن'' بھی ہے۔اس لیے کہ علمائے کرام رحمہم اللہ کے قول کے مطابق یہ سورت ان تمام مضامین کو شامل ہے جن کی تفصیل پورے قرآن مجید میں ہے۔اس میں بہت ہی عظیم اور نفع بخش دروس ہیں۔جب مسلمان سے مطلوب ہے کہ قرآن کریم میں تدبر کرے؛ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾ [محمد24]

''تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے۔''

تو پھر اس سورت کی کیا شان ہوگی جس کو مسلمان باقاعدگی کے ساتھ پڑھتا رہتا ہے۔ بلکہ بطور فریضہ ایک دن اور رات میں سترہ بار اس کی تلاوت کرتا ہے۔اگر انسان اس چیز کو دیکھے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے؛ اور وہ اپنی اس کم عمری میں نماز شروع کرتا ہے؛ تو اس نے اپنی زندگی میں اس سورت کی تلاوت کتنی بار کی ہوگی؟ تو اسے ضرور یہ احساس اور شعور بھی ہو جائے گا کہ مقصود صرف اس سورت کی تلاوت کرنا ہی نہیں؛ بلکہ اس کے معانی اور دلائل پر تدبر کر کے انہیں سمجھنا ہے۔اس میں مختلف دروس اور انتہائی بلیغ عبرتیں ہیں۔حتی کہ ہر بار تدبر و تفقہ اور اس کے مدلولات میں بصیرت کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ بہت سارے مسلمان اس سورت کو پڑھتے تو ہیں؛ مگر ان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ ایک دعا ہے؛ اور یہ کہ وہ ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے سب سے بڑے عظیم الشان اور جلیل القدر امر کا سوال کر رہا ہوتا ہے کہ اسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی جائے۔اس سورت کی اس شان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب کیا ہے کہ ہم ایک دن اور رات میں [کم از کم] سترہ بار اس کی تلاوت کریں۔اس سورت میں دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بزرگی؛ اس کی تعظیم اور بڑائی کا بیان ہے؛ اور اس کے لیے عبودیت کا اقرار ہے۔

رکن چہارم:......(ہر رکعت میں) رکوع کرنا۔اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ﴾[الحج 77]

''اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾[البقرة 43]

''اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''۔

پس رکوع کرنا نماز کا رکن ہے؛ اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی۔

اور اصلاح نماز والی حدیث میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس کے بعد رکوع کر، حتی کہ اچھی طرح سے رکوع ہو جائے۔'' (البخاری 757 مسلم 398)

رکن پنجم:......رکوع کے بعد اعتدال: یعنی رکوع سے یوں اٹھے سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور ہر ایک ہڈی اپنی جگہ پر چلی جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:'' تو پھر رکوع سے سر اٹھا کر پوری طرح کھڑا ہو جا۔''

بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض نمازی جب رکوع سے اٹھتے ہیں تو سیدھا کھڑے ہونے سے پہلے ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے؛ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس نے نماز کے ارکان میں سے ایک رکن کو ضائع کر دیا اور وہ اپنے اس عمل سے سب سے بری چوری کا ارتکاب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''سب سے برا چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ اپنی نماز میں چوری کیسے کرتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:'' وہ اس کے رکوع اور سجدہ کو پورا نہیں کرتا۔''

ایک روایت میں ہے فرمایا:'' رکوع اور سجدہ کے بعد اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔''

(أحمد 812؛ صححه الالبانی /صحیح الجامع 986)

چوری کی یہ قسم مال کی چوری سے بھی بہت زیادہ بری ہے۔ اس لیے کہ مال کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہے اور نماز کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق سب سے بڑا اور عظمت والا ہے۔

رکن ششم:......سات اعضاء پر سجدہ کرنا: (چہرہ؛ دونوں ہاتھ؛ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾

''اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''

یہ حکم ہے اور حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ صحیحین میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ، وَأَشَارَ بِيَدِهِ عَلَى أَنْفِهِ وَالْيَدَيْنِ

وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ))۔(البخاری 812 ؛ مسلم 490)

'' مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم ہوا ہے۔ پیشانی پر اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر۔''

ان اعضاء پر اچھی طرح سے سجدہ کرنا ضروری ہے تاکہ پورے جسم کو سجدہ میں اس کا حصہ مل سکے۔ وگرنہ اس کی نماز درست نہ ہوگی۔ جیسا کہ بعض نمازی کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ سجدہ کے شروع سے آخر تک ایک پاؤں کے ساتھ دوسرے پاؤں کی خارش کر رہے ہوتے ہیں۔ (ان کا پاؤں زمین پر لگتا ہی نہیں)؛ حتی کہ سجدہ یونہی پورا کر لیتے ہیں۔ ایسے انسان کا سجدہ سات اعضاء پر نہیں ہوتا۔

رکن ہفتم:...... سجدہ سے سر اٹھانا: اصلاح نماز والی حدیث میں ہے؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

'' پھر سر اٹھا اور اچھی طرح اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا'' (البخاری 757 مسلم 398)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنا لازمی ہے؛ کیونکہ اسے بیانِ ارکان کے سیاق میں بیان کیا جا رہا ہے۔

رکن ہشتم:...... '' دو سجدوں کے درمیان میں بیٹھنا۔'' (اسے جلسہ کہتے ہیں) یہ بھی نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جب پہلے سجدہ سے سر اٹھائے تو بیٹھ جائے۔ اس کی کم از کم مقدار یہ ہے کہ انسان کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ یعنی اس کے بدن میں اطمینان اور ٹھہراؤ آ جائے۔ جب وہ اطمینان سے بیٹھ جائے تو اب دوسرا سجدہ کرے۔ جو کوئی اچھی طرح بیٹھنے سے قبل ہی دوسرے سجدہ میں چلا جائے تو وہ ایک رکن ترک کر دیتا ہے؛ اور اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

'' پھر سر اٹھا اور اچھی طرح اطمینان کے ساتھ بیٹھ جا'' (البخاری 757 مسلم 398)

یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں کسی قدر تکرار پایا جاتا ہے؛ اس لیے کہ مؤلف نے سجدہ سے سر اٹھانے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا ذکر کیا ہے؛ یہاں پر صرف ایک بات کا ذکر کر دینا ہی کافی تھا؛ خصوصاً جب کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کسی ایسی چیز کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یہ خصوصی ذکر سجدہ سے سر اٹھانے کا اس لیے ہے تاکہ دو سجدوں کے مابین فرق ہو سکے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا ایک علیحدہ اور زیادہ چیز ہے۔ پس ایسے سر اٹھانا لازمی ہے کہ دو سجدوں کے مابین فرق ہو سکے/ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا بھی لازمی ہے؛ کیونکہ یہ جلسہ نماز کے ارکان میں سے ایک مستقل رکن ہے۔ اسی لیے انہیں دو علیحدہ علیحدہ ارکان بھی شمار کیا گیا ہے۔

رکن نہم:...... '' ان مذکورہ بالا تمام افعال کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا۔'' اصلاح نماز والی حدیث میں گزرا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رکوع میں اور رکوع سے سر اٹھانے میں ؛ اور سجدوں میں اور سجدوں سے سر اٹھانے میں ؛ اطمینان کا ذکر کیا ؛ بلکہ یہ بھی ارشاد فرمایا: '' اسی طرح اپنی تمام نماز پوری کر۔'' یعنی بندے سے مطلوب یہ ہے کہ وہ پوری نماز کو اطمینان کے ساتھ ادا کرے۔''

رکن دھم :...... ارکان کے مابین ترتیب :اصلاح نماز والی حدیث میں ہے؛آپ ﷺ ہر رکن کی تعلیم دیتے ہوئے ارشادفرماتے تھے:''پھر یوں کرو پھر یوں کرو۔''لفظ (ثم)''پھر''ترتیب کے لیے آتا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ارکان اس ترتیب کے ساتھ ادا کرنے ہیں۔ان میں سے کسی ایک رکن کو بھی دوسرے سے مقدم نہیں کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان گرامی بھی ہے:

((صلوا کما رأیتمونی أصلی)) (البخاری 631)

''نماز ایسے پڑھو؛ جیسے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔''

پس اگر کسی انسان نے بھول کر رکوع سے پہلے سجدہ کرلیا؛ تو اس پر واجب ہوتا ہے کہ ۃ وہ دوبارہ رکوع کر کے پھر سجدہ کرے۔اور جو سجدہ بھول سے ہوگیا ہے؛اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

یازدھم و دوازدھم:......آخری تشہد اور جلسہ: حدیث شریف میں آتا ہے؛ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''جب تم میں سے کوئی ایک نماز میں بیٹھے تو اسے چاہیے کہ التحیات پڑھے......''(البخاری 6328 مسلم 402)

ایک دوسری روایت میں ہے:''لیکن یوں کہو: التحیات للہ......''(البخاری 835)

پس آخری تشہد کے لیے بیٹھنا اور آخری تشہد میں درود شریف پڑھنا نماز کے دو ارکان ہیں۔جبکہ پہلا تشہد اور اس میں درود شریف پڑھنا یہ دونوں نماز کے واجبات میں سے ہیں۔اگر کوئی انسان بھول کر انہیں ترک کردے اور تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہوجائے تو اس صورت میں نماز کے آخر میں سہو کے دو سجدوں سے اس کا ازالہ ممکن ہے۔

سیزدھم :...... نبی کریم ﷺ پر درود شریف کا پڑھنا۔اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم گرامی ہے: یوں درود پڑھا کرو:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلَى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ))[بخاری (3370) مسلم (406)]

''اے اللہ محمد ﷺ اور آل محمد پر اس طرح رحمت نازل کر جس طرح تو نے ابراھیم اور آل ابراھیم پر رحمت نازل کی بے شک تو تعریف و بزرگی والا ہے اے اللہ محمد ﷺ اور آل محمد پر اس طرح برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراھیم اور آل ابراھیم پر برکت نازل کی بے شک تو تعریف و بزرگی والا ہے۔''

چہاردھم :......دونوں طرف سلام پھیرنا۔اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان گرامی ہے:

''نماز کو حرام کرنے والی چیز تکبیر تحریمہ ہے اور حلال کرنے والی چیز سلام پھیرنا ہے۔''(مسلم 498)

نماز کے یہ چودہ ارکان ہیں۔ان میں سے پانچ یعنی تکبیر تحریمہ؛ قرأت فاتحہ؛ اور آخری تشہد اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف اور دونوں طرف سلام قولی ارکان ہیں؛ اور باقی فعلی ارکان ہیں۔

آٹھواں سبق:

نماز کے واجبات

شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آٹھواں سبق:......نماز کے واجبات: نماز کے واجبات آٹھ ہیں:

ا۔تکبیر تحریمہ کے علاوہ بقیہ ساری تکبیرات۔
۲۔امام اور منفرد کا'' سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ'' کہنا۔
۳۔سب کا'' رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ'' کہنا۔
۴۔رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہنا۔
۵۔سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہنا۔
۶۔دونوں سجدوں کے درمیان رَبِّ اغْفِرْلِيْ کہنا۔
۷۔تشہد اوّل۔
۸۔تشہد اوّل کے لیے بیٹھنا۔

شرح:

شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:'' آٹھواں سبق: نماز کے واجبات'' نماز کے واجبات؛ وہ اقوال و افعال ہیں جن کا نماز میں ادا کرنا واجب (ضروری) ہے؛ مگر ان کا مرتبہ''رکن'' سے کم ہوتا ہے۔پس اس بنا پر اگر کوئی انسان کسی واجب کی ادائیگی بھول جائے تو نماز کے آخر میں سہو کے دوسجدے کرکے اس کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔اور اگر کوئی جان بوجھ کر واجب چھوڑ دے تو اس کی نماز باطل ہوجاتی ہے۔

پہلا واجب:......''تکبیر تحریمہ کے علاوہ بقیہ ساری تکبیرات'' اس سے پہلے گزر چکا کہ تکبیر تحریمہ نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔اور اس کے علاوہ جتنی بھی تکبیریں ہیں ؛ جیسے رکوع کرتے وقت ؛ سجدہ کے وقت؛ سجدہ سے اٹھتے ہوئے؛ اور اس طرح کی دیگر تکبیرات سبھی نماز کے واجبات میں سے ہیں۔جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جھکنے اور اٹھنے کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔''

(احمد 3660 ؛ ترمذی 253 ؛ نسائی 1083 ؛ صحیح إرواء330)

دوسرا اور تیسرا واجب:......''امام اور منفرد کا سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہنا۔اور سب کا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہنا۔'' یعنی امام؛ مقتدی اور منفرد سبھی کے لیے یہ حکم ہے۔امام سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے گا؛ اور جو کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو؛ وہ بھی رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے گا۔امام مقتدی؛ اور منفرد سبھی رکوع سے اٹھ کر کہیں گے: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بیان ہوا ہے؛ اس میں ہے:''پھر سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتے جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے۔''(مسلم 392)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم'' رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ '' کہتے اور بعض

روایات میں ہے: اللھم ربنا ولک الحمد کہتے۔ (البخاری 378 ؛ مسلم 411)

سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کا معنی ہے: استجاب۔ یعنی رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے رب اور مولا کی حمد کرنے والے بندے کی بات سن لی؛ اور اسے قبول کرلیا۔ یہاں پر سماعت اجابت کے معنی میں ہے۔

چوتھا اور پانچواں واجب:...... ''رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہنا اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى کہنا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ''رسول صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ) پڑھتے تھے۔ اور سجدے میں (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى) پڑھتے۔ (صحيح: رواه مسلم في صلاة المسافرين (772).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''پس رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو۔'' صحيح: رواه مسلم في الصلاة (479).

اور اللہ تعالیٰ کی عظمت یہ ہے کہ انسان سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ کہے۔

اور ایسے ہی یہ دعا پڑھنا بھی ثابت ہے:

((سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ))

[حسن: رواه أبو داود873، والنسائي 1132]

''پاک ہے جبروت والا؛ بادشاہی والا؛ کبریائی اور عظمت والا۔''

یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں پڑھتے تھے۔''

چھٹا واجب:...... ''دونوں سجدوں کے درمیان رَبِّ اغْفِرْلِيْ کہنا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے:

((رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي))

''میرے رب! مجھے بخش دے، اے میرے رب مجھے معاف کردے۔''

حسن: رواه النسائي (1665)، وابن ماجه (897) والحاكم (271/1).أحمد 23375۔ وصححه الألباني فى الإرواء 335۔

ساتواں اور آٹھواں واجب:...... ''تشہد اوّل۔ اور تشہد اوّل کے لیے بیٹھنا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

''جب تم دو رکعت کے بعد بیٹھو تو ((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ)) پڑھا کرو۔''

(احمد 4160 ؛ نسائی 1163 ؛ صححه الالبانی فی الارواء 336۔)

اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی کہ ''بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں تشہد اول میں نہ بیٹھے؛ کھڑے ہوگئے؛ جب آپ نے نماز پوری کر لی تو دو سجدے (سہوہ کے) کر لیے۔'' (البخاری 830 و مسلم 570)

یہ اس بات کی دلیل ہے یہ بیٹھنا نماز کے واجبات میں سے ایک واجب ہے؛ رکن نہیں. اس لیے کہ واجب رہ جانے کا ازالہ دو سجدوں سے کیا جاسکتا ہے؛ جب کہ رکن کے رہ جانے پر نماز باطل ہو جاتی ہے۔

نواں سبق:

تشہد کا بیان

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نواں سبق: تشہد کا بیان:

تشہد درج ذیل ہے:

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔))

''تمام تعریفیں اور دعائیں (عبادتیں) اور پاکیزہ چیزیں اللہ ہی کے لیے ہیں، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے اور آپ کے لیے برکت کی دعا کرے، درود یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔))

''اے اللہ محمد پر اور آلِ محمد پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر، بے شک تو لائق تعریف اور بزرگی والا ہے، اور برکت نازل فرما محمد پر اور آل محمد پر جیسے تو نے برکت نازل فرمائی ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر، بے شک تو خوبیوں والا اور بزرگ ہے۔''

پھر آخری تشہد میں عذابِ جہنم اور عذابِ قبر سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگے ، پھر جو دعا پسند ہو پڑھے اور بالخصوص ماثورہ دعائیں، انہی ماثور دعاؤں میں سے درج ذیل دعائیں بھی ہیں:

((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ، فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ))

''اے اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اپنی بہترین عبادت کے لیے میری مدد فرما۔ اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرتا، لہٰذا اپنی مہربانی سے مجھے معاف کر دے اور مجھ

پر رحم فرما، بے شک تو ہی معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

البتہ پہلے تشہد میں شہادتین کے بعد ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے گا، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھی پڑھے تو افضل ہے، کیونکہ اس بارے میں وارد احادیث عام ہیں، پھر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو۔

شرح:

یہ درس شیخ رحمہ اللہ تشہد اور درود ابراہیمی اور ان کے بعد کی نبی کریم ﷺ سے ماثور دعاؤں کے بارے میں لائے ہیں؛ کہ ان کے بعد انسان کو نماز پوری کر کے سلام سے پہلے کیا کہنا چاہیے۔ بیشک تشہد اور درود ابراہیمی کے یہ الفاظ اور ان چار چار چیزوں سے پناہ مانگنا جن کا ذکر آئے گا؛ یہ اہم ترین امور ہیں؛ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان الفاظ کے سیکھنے کا حریص ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں؛ اور پھر ان کے معانی کو اچھی طرح سے سمجھے۔ التحیات کے جو الفاظ مؤلف رحمہ اللہ نے یہاں نقل کئے ہیں؛ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوئے ہیں؛ اس کے علاوہ التحیات کے دیگر الفاظ بھی ہیں؛ جنہیں علماء نے ذکر کیا ہے؛ لیکن اس کے صحیح ترین الفاظ یہی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوئے ہیں اور مصنف نے یہاں پر ذکر کئے ہیں۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ ماثور تشہد سیکھے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تشہد کے یہ الفاظ آپ کو اس حالت میں سکھائے کہ آپ کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا؛ اور اس طرح سکھائے جیسے قرآن کی سورت سکھائی جاتی ہے۔ اس میں کمال اہتمام اور حرص کی انتہاء ہے۔ یہ ضروری ہے کہ تشہد کے الفاظ کو انتہائی باریک بینی کے ساتھ ایسے ہی یاد کیا جائے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہیں۔ بعض عوام الناس کی زبانوں پر بسا اوقات کچھ اضافی کلمات یا حروف جاری ہو جاتے ہیں؛ یا کچھ حروف کم ہو جاتے ہیں یا پھر اعراب کے میں فرق آ جاتا ہے اور معانی بدل جاتے ہیں۔

تشہد یہ ہے کہ انسان کہے: ((اَلتَّحِيَاتُ لِلّٰهِ))۔ تحیات سے مراد تعظیمی کام ہیں؛ جیسے: رکوع؛ سجدہ؛ تذلل؛ انکساری؛ یہ تمام امور صرف اللہ کے لیے ہیں۔ صرف وہی ان کا مستحق ہے؛ کوئی دوسرا نہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ﴾ (الحج 77)

''اے ایمان والو! تم رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو''.

یہ تمام امور صرف اللہ کے لیے ہیں؛ ان میں سے کسی بھی چیز میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور نہ ہی کسی عبادت کو اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے بجا لانا جائز ہے۔

((وَالصَّلَوَاتُ))۔ یعنی دعائیں۔ صلاۃ: لغت میں دعا کو کہتے ہیں۔ اور دعا صرف اللہ سے کی جاسکتی ہے؛ اس کے علاوہ کسی کو نہیں پکارا جاسکتا۔ اور نہ ہی کسی کے پاس التجاء کی جاسکتی ہے؛ اور نہ ہی سوال میں غیر کی طرف توجہ کی جاسکتی

ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[غافر60].

''اور آپ کے رب نے فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔''

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾[البقرة186].

''اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں؛ دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔''

بسا اوقات ''صلاۃ'' سے مراد وہ نماز ہی لی جاتی ہے جس میں رکوع اور سجدہ ہوتا ہے؛ فرض ہو یا نفل؛ ہر قسم کی نماز صرف اللہ کے لیے ہے؛ اس میں کسی غیر کا کوئی حصہ نہیں۔

((وَالطَّيِّبَاتُ))۔یعنی پاکیزہ اقوال اور افعال صرف اللہ کے لیے ہیں۔(جیسا کہ فرمان الٰہی ہے):

﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾(فاطر 10)

''اُسی کی طرف چڑھتے ہیں پاکیزہ کلمات۔''

مؤمن اپنے اقوال و افعال اور اعمال میں پاکیزہ ہوتا ہے؛ اسی لیے بروز قیامت اہل ایمان کہا جائے گا:

﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾(الزمر 73)

''سلام ہو تم پر تم پاکیزہ (اچھے) رہے پس داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لیے۔''

((وَالطَّيِّبَاتُ)) سے مراد: پاکیزہ ایمانی اقوال اور ایمانی افعال ہیں؛ جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ اور ان سے مقصود فقط اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہوتی ہے۔پس اللہ تعالیٰ پاک ہیں؛ اور صرف پاکیزہ چیز کو ہی قبول کرتے۔اور ''الطیب'' اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے؛ جو اس کے تمام اسماء وصفات کے پاکیزہ ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ اس کے تمام نام پاکیزہ ہیں؛ اور تمام کام؛ اقوال و افعال پاکیزہ ہیں۔سبحانہ وتعالیٰ۔

پھر اس تعظیم و اقرار اور اللہ تعالیٰ کے لیے خضوع کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی معرفت آپ کے واسطہ اور وسیلہ سے حاصل ہوئی ہے؛ اور آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے مخلوق کے درمیان دین پہنچانے کا وسیلہ ہیں۔آپ نے کھول کھول کر دین پہنچایا؛ اور امت کی خیر خواہی کی؛ اور اللہ کی راہ میں ایسے جہاد کیا جیسے جہاد کرنے کا حق تھا؛ حتی کہ آپ اپنے رب کے پاس چلے گئے۔کوئی خیر کی بات باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق بتایا نہ ہو؛ اور کوئی برائی نہیں چھوڑی جس سے خبردار نہ کیا ہو۔پس پھر یوں کہا جائے:((اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ))۔یہ تینوں کلمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا ہیں۔آپ کے لیے دعا کی جاتی ہے؛ آپ سے دعا نہیں کی جاتی۔دعا صرف اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔یہ توحید کے دلائل میں سے ہے۔

((اَلسَّلَامُ))۔اس میں عافیت اورسلامتی کی دعا ہے۔

((وَالرَّحمۃُ))۔یہ اللہ تعالیٰ کی وہ رحمتیں پانے کی دعائیں ہیں؛ جو اس کے نیک بندوں اور مقرب اولیاء کے ساتھ خاص ہیں؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا﴾۔(الاحزاب43)

''اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بہت ہی مہربان ہے۔''

((وَالبَرَکَۃُ)) کا معنی ہے: بڑھوتری؛ خیر وفضل میں زیادہ ہونا۔بڑھنا۔

پس پہلے یہ کامل ومکمل سلام بطور خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جائے گا؛ پھر عام مسلمانوں پر سلام پڑھا جائے گا:((اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِیْنَ))۔یہ سلام عام ہے جو ہر نیک انسان کو شامل ہے۔ پہلے دور کے لوگ ایسے کہا کرتے تھے:''فلاں پر سلام ہو؛ فلاں پر سلام ہو'' تو بات بہت لمبی ہو جاتی تھی۔اس کے باوجود ان تمام لوگوں کا احاطہ نہ ہوسکتا تھا جن پر سلام کرنا مقصود ہو۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف رہنمائی کی؛ کہ اس قسم کی باتیں چھوڑ دیں اور یوں ایک جامع دعا بتادی؛ جب انسان یہ دعا پڑھ لیتا ہے تو یہ دعا ہر نیک انسان اور ہر مومن کو شامل ہوتی ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم لوگ نماز میں التحیات پڑھتے تھے اور نام لیتے تھے اور ہم میں سے بعض ایک دوسرے کو سلام کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا: کہو:'' اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ۔''جب تم نے ایسا کرلیا تو تم نے آسمان و زمین میں اللہ تعالیٰ کے ہر صالح بندے پر سلام بھیج دیا۔''(البخاری1202)

یہ اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں کے لیے دعا ہے۔دعا صرف اللہ سے ہی ہوتی ہے کسی غیر سے نہیں۔ یہ بھی توحید کے دلائل و براہین میں سے ہے۔جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

((اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ))۔یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اس کی توحید ؛ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ان کی رسالت کا اقرار ہے۔((اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ))کلمہ توحید ہے؛اس کا مدلول توحید ہی ہے۔یہ کلمہ نفی اور اثبات پر قائم ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر ایک کی عبودیت کی نفی ہے؛ اور ہر قسم کی عبودیت کا ہر معنی سے اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ہے۔اس کا مطلب عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص اور اس کی توحید ہے۔اور شرک سے برأت اور اجتناب ونجات ہے۔

((وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ))اس گواہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا اقرار ہے؛ کہ آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ بندے کی بندگی نہیں کی جاسکتی۔اور رسول کی بات کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔بلکہ آپ کی اتباع و اطاعت کی جائے گی۔اسی لیے یہ کلمہ ((اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ))اپنا اقرار

کرنے والے اور یہ عقیدہ رکھنے والے کو غلو اور جفا سے پاک ایک متوسط اور معتدل انسان بنا دیتا ہے۔

''پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے اور آپ کے لیے برکت کی دعا کرے'': اور آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور آپ پر درود کے الفاظ یہاں نقل کیے ہیں۔ یہ الفاظ حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں وارد ہوئے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔))

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کا مطلب ملاء اعلیٰ میں ان کی تعریف و توصیف ہے۔ اور ملائکہ کی طرف سے اور اہل ایمان کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف کا مطلب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے مقام کی بلندی کی دعا اور آپ کی ثناء اور ملاء اعلیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر ہے۔

((وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ)): کے جملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کے لیے برکت کی دعا ہے۔ برکت کا معنی ہے بڑھنا اور خیر و بھلائی حاصل ہونا؛ فضیلت اور مقام و مرتبہ میں زیادہ ہونا۔

- پھر آخری تشہد میں عذابِ جہنم اور عذابِ قبر اور زندگی اور موت کے فتنہ اور مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگے. صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی ایک تشہد پڑھے تو اسے چاہیے کہ ان چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔'' (مسلم 588)

اس دعا میں بذیل چار امور کا ذکر کیا گیا ہے:

اول: جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ: یعنی جہنم کی آگ اور اس کے عذاب سے پناہ کی طلب کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندے کو اس سے بچائیں گے اور جہنم میں داخل ہونے سے نجات دیں گے۔ اور پناہ مانگنے کا مطلب ہے: اللہ کی بارگاہ میں التجاء کرنا؛ اور اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا۔

دوم:...... عذاب قبر سے پناہ: قبر میں عذاب بھی ہوتا ہے اور نعمتیں بھی ملتی ہیں۔ اور عذاب قبر برحق ہے۔ جو کہ کفر کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور گناہ اور نافرمانی کی وجہ سے بھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

''یقیناً ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے؛ اور کسی بڑے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا، لیکن ہے یہ بہت بڑا۔'' پھر فرمایا: ''ان میں سے ایک لوگوں کے درمیان چغل خوری کرتا تھا اور دوسری پیشاب میں احتیاط نہیں کرتا تھا۔'' (البخاری 1378 ؛ مسلم 292؛ عن ابن عباس)

سوم:...... پھر زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ طلب کرنا: لفظ ''فتنہ'' مفرد مضاف ہے؛ تو یہ ہر اس فتنہ کو عام اور شامل ہے جو انسان کو اس کی زندگی میں پیش آ سکتا ہے۔ فتنے بہت زیادہ ہیں؛ ان کا مرجع اجمالی طور پر شہوات کے فتنے اور شبہات کے فتنے ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی جائے۔ انسان کو ہمیشہ فتنوں کا سامنا

رہتا ہے۔صحیح حدیث میں رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

''فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو؛ ان میں جو ظاہری ہیں ان سے بھی اور پوشیدہ سے بھی۔'' (مسلم 2867)

انسان کو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔اور زندگی اور موت کے تمام فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔موت کے وقت کا فتنہ زیادہ سخت اور خطرناک ہوتا ہے۔زندگی کے فتنہ میں تو اس کے بعد بھی کچھ نہ کچھ زندگی ہوتی ہے جس میں انسان اس فتنہ سے نجات حاصل کر کے اس کا ازالہ کرسکتا ہے؛ لیکن موت کے فتنہ کے بعد موت کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا؛ اسی لیے اسے موت کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ یہ فتنہ قرب موت کے وقت انسان کے سامنے پیش آتا ہے۔

چہارم:......شیخ رحمہ اللہ کا فرمان گرامی: ''مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگے'': یہ سب سے سخت ترین فتنہ ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت کے وقوع اور اس کے قریب تر ہونے کی نشانی بنایا ہے۔بلا شک وشبہ دجال کا خروج آخری زمانہ میں ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی نبی ایسا مبعوث نہیں کیا جس نے اپنی قوم کو اس کے فتنہ سے خبردار نہ کیا ہو؛ اس سے اس فتنہ کا خطرہ واضح ہوتا ہے۔ہمارے لیے مشروع یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اس فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طلبگار رہیں۔اور خصوصاً نمازوں کے آخر میں سلام سے قبل دجال کے اس بہت بڑے فتنہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں۔اس دجال کا نام ''مسیح'' کی وجہ اس کی دائیں آنکھ کا پھوڑا ہوا ہونا ہے۔گویا کہ وہ انگور کا دانہ ہو۔اور ''دجال'' کہنے کی وجہ اس کے تمام معاملات کا دجل وفریب اور جھوٹ پر قائم ہونا ہے۔اس کا سب سے بڑا دجل اور بہت بڑا جھوٹ یہ ہوگا کہ وہ اپنے بارے میں رب ہونے کا دعوی کرے گا۔اور پھر اپنے اس دعوی پر کچھ خلاف عادت امور کو بطور دلیل کے پیش کرے گا۔اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں ان امور کو جاری کریں گے۔اصل میں اس میں لوگوں کا امتحان اور آزمائش ہوگی۔وہ آسمان سے کہے گا: بارش برساؤ'' تو بارش ہوجائے گی۔وہ زمین سے کہے گا: غلہ پیدا کرو تو زمین نباتات اگل دے گی۔اور کسی شہر سے کہے گا: ''اپنے خزانے نکال دے؛ تو اس کے خزانے اس دجال کے پیچھے چل پڑیں گے۔یہ تمام امور خارق/خلاف عادت اور عقل کو حیران کردینے والے ہوں گے۔رسول اللہ ﷺ نے اس سے خبردار کیا ہے کہ جب دجال کا خروج ہو تو کوئی اس جگہ کے قریب بھی نہ جائے جہاں پر وہ موجود ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو کوئی دجال کے بارے میں سنے تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے دور رہے۔'' (أحمد 19875، أبو داؤد 4319 صحيح)

مسلمان کو چاہیے کہ وہ دجال کے فتنے سے اہتمام کے ساتھ پناہ مانگتے رہا کرے۔

✿ فرمایا: ''پھر جو دعا پسند ہو پڑھے اور بالخصوص ماثورہ دعائیں'' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''پھر جو دعا پسند ہو کرے۔'' (البخاری 835، مسلم 402)

یہ دعا کرنے کے لیے بہت ہی بہترین اور مناسب موقع ہے۔التحیات اور درود والسلام اور ان وسائل کے بعد اب آپ کے سامنے صرف دعا ہی رہ گئی ہے۔انسان کو سلام پھیرنے میں جلدی نہ کرنا چاہیے۔بلکہ خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی متوجہ ہو کر اس سے مانگے اور دعا کرے۔اس چیز سے بہت سارے لوگ غفلت کا شکار ہیں۔آپ دیکھیں گے کتنے ہی

لوگ نفلی نمازوں میں تشہد سے بہت جلد فارغ ہوکر پھر ہاتھ پھیلا کر دعا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔مگر وہ اس بہترین موقع سے محروم ہو جاتے ہیں جو اصل خزانہ تھا۔ چاہیے تھا کہ تشہد کو لمبا کرے؛ اور پھر جو مرضی چاہے دعا کرے۔

اگر امام تشہد کو طول دیدے تا کہ وہ یہ دعائیں کر سکے تو بعض مقتدی بہت غصہ ہو جاتے ہیں۔ ایک امام صاحب نے بتایا کہ: ایک مقتدی نے نماز کے بعد اس سے کہا: ''میں نے آپ کے پیچھے دو بار تشہد پڑھا۔''

لیکن اس کو کس نے یہ کہا کہ دو بار تشہد پڑھے؟ یہ تو دعا کرنے کے لیے بہترین فرصت کے لمحات تھے تا کہ انسان اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی کا سوال کر سکے۔لیکن یہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس بابرکت گھڑی سے محروم رہا۔

بہتر تو یہ ہے جیسا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''پھر ماثور دعاؤں میں سے جو دعا پسند ہو پڑھے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ساری دعائیں منقول ہیں جو کہ سلام سے قبل پڑھی جاتی ہیں۔انسان کو ان کا اہتمام کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ پاکیزہ اور جامع دعائیں ہیں جو اعلیٰ مطالب اور جلیل القدر مقاصد پر مشتمل ہیں۔اور اگر انسان کچھ خاص دعائیں بھی مانگ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماثور دعاؤں پر اکتفاء کرنا زیادہ اولیٰ ؛اکمل اور احسن ہے۔پس انسان کو چاہیے کہ مسنون دعائیں اہتمام کے ساتھ زبانی یاد کرے۔

پھر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان ماثور دعاؤں میں سے دو دعائیں ذکر کی ہیں؛ ان میں سے پہلی دعا:

((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

''اے اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اپنی بہترین عبادت کے لیے میری مدد فرما۔''

یہ دعا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی روایت میں ثابت ہے: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''معاذ! اللہ کی قسم! میں تم سے محبت رکھتا ہوں اور تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑنا:

((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

''یا اللہ! تو میری مدد فرما اپنا ذکر کرنے اپنا شکر کرنے اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے پر۔''

صحيح: رواه أحمد 22119 ؛ أبو داود (1522)، والنسائي (1303)صححه الألباني /صحيح أبو داؤد 253/5)

اس سلسلہ میں ایک قاعدہ یاد رکھیں؛ جتنی بھی دعائیں ہیں وہ سلام سے پہلے ہیں۔اور سبھی اذکار سلام کے بعد ہیں۔

یہ الفاظ کہ:((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))۔ان میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی طلب ہے؛ کہ وہ دوام ذکر پر اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کے شکر کی ادائیگی پر ان کی مدد کرے اور ان کو نیکی کی توفیق دے۔اور اچھی طرح سے عبادت بجا لانے کی توفیق دے۔ یہاں پر صرف :((عِبَادَتِكَ))''اپنی عبادت'' نہیں کہا ؛ بلکہ یوں ارشاد فرمایا:((وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))''اپنی بہترین عبادت۔''اور عبادت اسی وقت بہترین ہو سکتی ہے جب اس میں دو بنیادی چیزیں پائی جائیں: 1۔اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص 2۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کامل۔

نماز کے آخر میں سلام سے قبل یہ دعائیں مانگنے کا انتہائی مناسب موقع ہے۔آپ نے یہ جو نماز پڑھی ہے؛ یہ اللہ

تعالیٰ کی طرف سے آپ کی خاص مدد ہے۔ پس نماز سے سلام قبل یہ بہت ہی مناسب موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق طلب کریں؛ اور اس کی بارگاہ میں اپنی حاجت مندی اور نیاز مندی کا اظہار کریں جس نے نماز کی ادائیگی پر آپ کی مدد کی؛ اور اب قریب ہے کہ آپ جب نماز سے فارغ ہوں تو وہ اپنا ذکر اور شکر بجا لانے اور بہترین عبادت ادا کرنے پر آپ کی مدد کرے۔ اس میں دوسری نماز کے لیے آپ کی مدد بھی شامل ہے۔ جب آپ ایک نماز پڑھ لیں تو دوسری کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں۔

دوم: ...... ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ، فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)) ''یا اللہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا بہت ظلم؛ اور تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا، لہٰذا اپنی مہربانی سے مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما؛ بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔'' یہ دعا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ جس میں ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجئے جسے میں نماز میں پڑھا کروں۔'' ایک روایت میں ہے: امجھے ایسی دعا سکھائیں جسے میں اپنی نماز میں اور اپنے گھر میں مانگا کروں۔'' متفق عليه: رواه البخاري في الدعوات (6326)، ومسلم في الذكر والدعاء (2705).

یہ امت کے سب سے بڑے صدیق اللہ کے نبی سے ایسی دعا سکھانے کا مطالبہ کر رہے ہیں جو آپ نماز میں بھی اللہ سے مانگیں اور اپنے گھر میں بھی۔ حالانکہ آپ کے لیے کئی دوسری دعاؤں کا کرنا بھی ممکن تھا۔ لیکن اس راہ میں رکاوٹ صرف یہ چاہت تھی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سکھائی ہوئی دعا کا اہتمام کرنا چاہتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا)) ''یا اللہ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا بہت ظلم۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق امت کی اس دعا کی طرف رہنمائی فرمائی ہے؛ کہ اس کا اہتمام کریں۔ آپ اس امت کے بہترین انسان اور انبیائے کرام علیہم السلام کے تمام لوگوں سے افضل ترین ہستی ہیں۔ جب امت کے صدیق اکبر کو ان کی فضیلت اور حسن تعبد اور ایمانی قوت کے باوجود اس طرف رہنمائی کی ہے کہ آپ یوں کہیں: ((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِيْرًا)) 'تو پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جن کا مقام مرتبہ آپ سے درجہ ہا کم تر ہے۔ اور جو کوئی آپ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خضوع کے ہزارویں حصہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا؟

جان پر ظلم: جیسے یہ گناہ کو شامل ہے؛ ایسے ہی عبادت میں کوتاہی اور اس کی عدم تکمیل کو بھی شامل ہے۔

یہ کہنا: ((وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ)) ''اور تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔'' اس میں یہ بیان ہے کہ صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی گناہ معاف کر سکتے ہیں۔ ان کے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آل عمران 135)

''اور کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے سوائے تیرے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''الغفور'' اور ''الغفار'' کے مدلول پر ایمان کا مسئلہ بھی ہے۔ یعنی وہ ہستی جو تمام گناہوں کو بخش دے گی؛ اس کے سامنے کوئی گناہ اتنا بڑا نہیں جسے وہ بخش نہ دے۔

((فَاغْفِرْلِيْ)) ''لہٰذا مجھے معاف کر دے'' اپنی جان پر بہت زیادہ ظلم؛ اور اپنے رب کے عام فضل اور گناہوں کی مغفرت کا اقرار کرنے کے بعد مغفرت طلب کی جا رہی ہے:: ((فَاغْفِرْلِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ)) ''لہٰذا اپنی مہربانی سے مجھے معاف کر دے۔'' یعنی مجھ پر اپنا فضل و احسان فرما دے؛ جو تیری طرف سے اس پیکر عجز و نیاز پر فضل و کرم اور احسان و انعام ہوگا۔

((وَارْحَمْنِيْ)) اور مجھ پر رحم فرما؛ اس میں اللہ تعالیٰ سے کامیابی اور کامرانی پانے اور اس رحمت کے حصول کی دعا ہے جو اس کے اہل ایمان بندوں کے ساتھ خاص ہے۔

((اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)) ''بے شک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے'' یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دو عظیم اور مبارک اسمائے گرامی ((الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ)) کے وسیلہ کی پیشی ہے۔ اسم ((الْغَفُوْرُ)): میں اللہ تعالیٰ کی صفت مغفرت کا اثبات ہے؛ اور اسم گرامی ((الرَّحِيْمُ)) میں اللہ تعالیٰ کی صفت ِرحمت کا اثبات ہے۔ اور اس دعا کو ان دو اسمائے گرامی پر ختم کرنے میں مطلوب کی بہترین رعایت ہے؛ اس لیے کہ مطلوب رحمت اور مغفرت ہے۔

ان دو کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کے دوسرے صیغے/ الفاظ بھی ثابت ہیں؛ جو کہ نماز کے اختتام پر سلام سے قبل دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''پہلے تشہد میں شہادتین کے بعد کھڑا ہو جائے'' یعنی التحیات میں جب ''((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)). پڑھ لے تو تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ ایسا ظہر؛ عصر مغرب اور عشاء میں ہوگا۔ اور اگر وہ پہلے تشہد میں بیٹھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھے؛ تو عموم احادیث کی روشنی میں ایسا کرنا افضل ہے۔ درود ابراہیمی پڑھنے کے بعد تیسری رکعت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

❀ یہاں پر ہم ایک وقفہ لیں گے تاکہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الصلاۃ'' میں تشہد؛ درود ابراہیمی اور ان چاروں تعوذات کے متعلق جو قیمتی کلام ذکر کیا ہے؛ اسے یہاں نقل کر سکیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''التحیات انسان کی طرف سے اس زندہ ہستی کی بارگاہ میں سلام ہے جس کو موت نہیں آنے والی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام مخلوق سے بڑھ کر اس سلام کے حق دار ہیں۔ یہ التحیات ''حیات؛ بقاء اور دوام'' کو مستلزم ہے۔ اس التحیات کا مستحق اس زندہ اور باقی رہنے والی ہستی کے علاوہ کوئی نہیں؛ نہ ہی اسے موت آئے گی؛ نہ ہی اس کی بادشاہی کو زوال آئے گا۔ ایسے ہی ''الصلوات'' بھی ہے۔ اس صلات کا مستحق بھی اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ کسی دوسرے کے لیے نماز (صلات) پڑھنا بہت بڑا کفر و شرک ہے۔ اور ایسے ہی ''الطیبات'' کا لفظ

محذوف موصوف کی صفت ہے۔ یعنی تمام پاکیزہ کلمات؛ افعال؛ اور صفات اور اسماء صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہیں۔ وہ پاک ہے؛ اس کے تمام افعال پاک ہیں؛ اور اس کی صفات سب سے پاکیزہ چیز ہیں۔ اس کے اسماء سب سے پاکیزہ اسماء ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ایک اسم گرامی ''**الطیب**'' بھی ہے۔ اور اس سے صرف پاک افعال ہی صادر ہوتے ہیں۔ اور صرف پاکیزہ اعمال ہی اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور پاکیزہ اشیاء کو اس کی قربت نصیب ہوتی ہے۔ اس کے افعال پاک ہیں۔ اور پاک اعمال کو اس کی جانب عروج نصیب ہوتا ہے۔ پس ہر پاکیزہ چیز اسی کے لیے ہے؛ اور اسی کی طرف منسوب ہے؛ اور اسی سے صادر ہوتی ہے؛ اور اسی کی طرف اس کی انتہاء ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

''بیشک اللہ تعالیٰ ''طیب'' پاک ہے؛ اور صرف پاک چیزوں کو ہی قبول کرتا ہے۔''

اور مریض پر دم کی حدیث جسے امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے؛ اس میں ہے:

((أنت رب الطيبين)) (أبو داؤد 3892 / ضعفه الألباني ؛ ضعيف الجامع 5422)

''بیشک تو پاکبازوں کا رب ہے۔''

اور اس کے پڑوس میں اس کے بندوں میں سے پاک لوگ ہی ہوں گے۔ جیسا کہ اہل جنت سے کہا جائے گا:

﴿سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ﴾ (الزمر 73)

''تم پر سلام ہو، تم خوش حال رہو تم اس میں ہمیشہ کے لیے چلے جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت اور تقدیر میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ پاک چیزیں پاک لوگوں کے لیے ہیں۔ پس جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ علی الاطلاق سب سے پاک ہیں؛ تو تمام پاکیزہ افعال؛ کلمات اور صفات اور اسماء سب کے سب اللہ کے لیے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بھی ان کا مستحق نہیں۔ بلکہ کوئی بھی چیز اس کے پاک کیے بغیر پاک نہیں ہو سکتی۔ پس اس کے علاوہ ہر ایک چیز کی پاکیزگی اس کے پاک ہونے کے اثرات ونتائج میں سے ہے۔ پس یہ پاکیزہ سلام بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی روا ہو سکتا ہے کسی دوسرے کے لیے نہیں۔

جب سلام بھی پیغام خیر سگالی کی اقسام میں سے ایک ہے؛ تو مسلمان جس کو سلام کرتا ہے؛ دراصل اسے دعائیں دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے ان بندوں کے لیے سلامتی طلب کرتا ہے جنہیں اس نے اپنی عبادت کے لیے خاص کر لیا ہے؛ اور انہیں اپنی ذات کے لیے چن لیا ہے۔ اور یہ مشروع ٹھہرایا ہے کہ اس عمل کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب اور قریب ترین ہستی پر سلام سے ہو؛ پس اس کی ابتداء شہادتین سے ہوتی ہے جو کہ اسلام کی کنجی ہیں۔ پس یہ مشروع ٹھہرایا کہ نماز کا اختتام اس پر ہو۔ اس میں تکبیر وتحمید اور ثناء وتمجید اور توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کا اقرار داخل ہوتے ہیں۔ آخر میں اس کا اختتام لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کے اقرار پر کیا گیا۔

اگر نماز دو رکعت سے زائد ہو تو پھر نماز کے درمیان میں بھی یہ سلام مشروع کیا گیا ہے۔ اور اس کے لیے دو سجدوں

کے درمیان جلسہ سے مشابہت دی گئی ہے۔ اس جلسہ میں رکعات کے مابین فصل کے ساتھ ساتھ نمازی کے لیے راحت بھی ہوتی ہے تا کہ وہ اگلی دو رکعت پوری نشاط اور قوت اور تندھی کے ساتھ ادا کر سکے۔ بخلاف اس کے کہ اگر وہ پے در پے رکعات پڑھتا جائے تو وہ نشاط نہ ہو۔ اسی لیے افضل یہ ہے کہ نفلی نمازیں دو دو رکعت کر کے ادا کی جائیں۔ اور اگر وہ چار رکعت پڑھنا چاہے تو ان کے درمیان میں ضرور بیٹھے۔

التحیات کے ان کلمات کو نماز کے آخر میں رکھا گیا ہے؛ یہ ایسے ہی ہے جیسے خطبہ حاجت اس کے بعد ہو۔ اس لیے کہ جب نمازی نماز سے فارغ ہوتا ہے تو ڈرتے ہوئے اور رغبت رکھتے ہوئے بیٹھتا ہے اور اپنے رب سے وہ عطائیں طلب کرتا ہے جن کے بغیر اسے کوئی چارہ کار نہیں۔ پس مشروع یہ ہے کہ وہ ان عطاؤں کے مانگنے سے پہلے التحیات کو ان الفاظ میں مقدمہ کے طور پر پیش کرے۔ اور پھر اس ہستی پر درود و سلام پڑھے جن کی بدولت اسے یہ نعمت اور سعادت حاصل ہوئی ہے۔ گویا کہ نمازی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور پھر اس کی ثناء اور اس کے لیے وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے اقرار اور آپ پر درود و سلام کو وسیلہ کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ پھر اس سے کہا گیا ہے کہ اب جو دعا پسند ہو مانگ لو۔ جو کچھ پہلے ہوا وہ آپ پر حق تھا؛ اور اب جو کچھ مانگو گے وہ تمہارا حق ہوگا۔

آپ پر صلاۃ وسلام کے ساتھ ساتھ بطور تکمیل آپ کی آل پر بھی صلاۃ وسلام پڑھنا مشروع ٹھہرایا گیا ہے؛ اس میں آپ کی آل کا احترام اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر ایسے ہی صلاۃ وسلام پڑھا جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء آپ کی آل میں سے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی ایسے ہی درود و سلام مطلوب ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بعد تمام انبیاء اور ان کی مؤمن آل کے لیے درود وسلام مطلوب تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر پڑھے جانے والے درودوں میں سب سے زیادہ کامل اور افضل یہی درود یعنی درود ابراہیمی ہے۔ جب نمازی یہ درود پڑھ لے تو اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کے جامع شر اور برائی سے پناہ مانگے۔ بیشک اصل شر یا تو آخرت کا عذاب ہے یا پھر اس کے اسباب۔ سوائے عذاب اور اس کے اسباب کے کوئی شر نہیں۔ عذاب کی دو اقسام ہیں:

1۔ برزخ کا عذاب 2۔ آخرت کا عذاب۔

اس کے اسباب فتنہ کی بھی دو اقسام ہیں: صغری اور کبری۔

کبری:......یعنی بڑا فتنہ؛ دجال کا اور موت کا فتنہ ہے۔ اور صغری: یعنی چھوٹا فتنہ؛ زندگی کا فتنہ ہے؛ جس کا تدارک توبہ سے ممکن ہے۔ بخلاف موت اور دجال کے فتنہ کے۔ بیشک ان فتنوں میں مبتلا انسان کا تدارک نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس کے لیے دعا کرنا مشروع ہے؛ جیسے وہ چاہے اپنی دنیا اور آخرت کی مصلحتوں کے لحاظ سے دعا کا انتخاب کرے۔ پس اس مقام پر سلام سے قبل دعا؛ سلام کے بعد دعا سے زیادہ افضل اور نفع بخش ہے۔" (نماز اور اس کے تارک کے احکام 151)

دسواں سبق:

نماز کی سنتیں

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دسواں سبق: نماز کی سنتیں:

نماز کی سنتوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ دعائے استفتاح پڑھنا۔

۲۔ حالتِ قیام میں، رکوع سے پہلے ہو یا رکوع کے بعد، دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر سینہ کے اوپر رکھنا۔

۳۔ تکبیرِ تحریمہ کے وقت، رکوع کے لیے جھکتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور تشہد اوّل سے تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت دونوں ہاتھوں کو انگلیاں ملائے ہوئے مونڈھوں یا کانوں کے برابر تک اٹھانا۔

۴۔ رکوع اور سجدہ میں ایک سے زائد بار تسبیح پڑھنا۔

۵۔ رکوع سے اٹھنے کے بعد "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" سے زائد دعا پڑھنا اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک سے زائد بار دعائے مغفرت پڑھنا۔

۶۔ رکوع میں سر کو پیٹھ کے برابر رکھنا۔

۷۔ سجدہ میں بازوؤں کو پہلوؤں سے، پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے دور رکھنا۔

۸۔ سجدے کی حالت میں دونوں بازوؤں کو زمین سے اٹھائے ہوئے رکھنا۔

۹۔ تشہد اوّل میں اور دونوں سجدوں کے درمیان نمازی کا بائیں پیر کو بچھا کر بیٹھنا اور دائیں پیر کو کھڑا کرنا۔

۱۰۔ تین اور چار رکعت والی نماز ہو تو آخری تشہد میں تورک کرنا، یعنی دائیں پیر کو کھڑا کر کے اس کے نیچے سے بائیں پیر کو نکال کر کولہے کو زمین پر رکھ کر بیٹھنا۔

۱۱۔ پہلے اور دوسرے تشہد میں بیٹھنے کے وقت سے لے کر تشہد کے اختتام تک شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا اور دعا کے وقت اسے حرکت دینا (ہلانا)۔

۱۲۔ تشہد اوّل میں محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، نیز ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام پر صلاۃ وتبریک (درود ابراہیمی) پڑھنا۔

۱۳۔ آخری تشہد میں دعا کرنا۔

۱۴۔ نمازِ فجر، نمازِ جمعہ، نمازِ عیدین، نمازِ استسقاء اور نماز مغرب وعشاء کی ابتدائی دو رکعت میں جہری قراءت کرنا۔

۱۵۔ نمازِ ظہر ونمازِ عصر میں اور نمازِ مغرب کی تیسری رکعت اور نماز عشاء کی آخری دو رکعتوں میں قراءت آہستہ کرنا۔

۱۶۔ سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن سے کچھ اور پڑھنا۔

مذکورہ بالا بیان کردہ سنتوں کے علاوہ نماز کی بقیہ واردشدہ سنتوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے، مثال کے طور پر: رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام، مقتدی اور منفرد کا "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" سے زائد دعا پڑھنا کیونکہ یہ سنت ہے، اسی طرح حالت رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھنا کہ ہاتھوں کی انگلیاں پھیلی ہوئی ہوں۔

شرح:

جب شیخ رحمۃ اللہ علیہ نماز کے ساتھ اس کے ارکان اور واجبات کے بیان سے فارغ ہوئے؛ تو یہ درس شروع کیا جس میں نماز کی سنتوں کا بیان ہے جو واجب یا رکن نہیں ہیں۔ اس میں مسلمان کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ ان سنتوں کا بھرپور اہتمام کرے۔ اور کوشش کرے کہ ان میں سے کوئی چیز اس سے چھوٹ نہ پائے۔ اور ان کا مقام کم جانتے ہوئے ہرگز ایسے نہ کہے یہ تو سنت ہے رہ گئی تو کیا ہوا؟ بلکہ اسے چاہیے کہ سنت کی ادائیگی کا حریص ہو؛ اور ان کا خوب اہتمام کرے۔ اور اس کے ساتھ ہی اسے ڈر کر رہنا چاہیے کہ کہیں بے رغبتی کی وجہ سے کوئی سنت چھوٹ نہ جائے۔ بیشک جو انسان بے رغبتی کے ساتھ کوئی سنت ترک کرتا ہے تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوسکتا ہے جن کے متعلق فرمان نبوی ہے:

''جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی وہ ہم میں سے نہیں۔'' (البخاری 5063 مسلم 1401)

لیکن اگر کسی انسان سے سنت بے رغبتی کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ اس وجہ سے رہ جاتی ہے کہ اس وقت اس میں نشاط اور دل جمعی نہیں تھی؛ یا سستی کی وجہ سے؛ تو ایسا انسان گنہگار تو نہیں ہوگا؛ مگر وہ اس کے اجر وثواب سے محروم رہے گا۔

یہ سنتیں بہت ہی عظیم شان والی ہیں؛ ان سے انسان کی نماز کی تکمیل ہوتی ہے؛ اور ثواب بڑھتا ہے۔ اور انسان کوشش کر کے جتنا ہی زیادہ ان سنتوں پر عمل کرے گا؛ اس کی نماز کا ثواب اتنا زیادہ اور مقام اتنا ہی بلند درجہ کا ہوگا۔

نماز کی سنتوں کی اقسام

نماز میں مذکور ان سنتوں کی دو اقسام ہیں:

۱۔ **قولی سنتیں:**...... ان میں دعائے استفتاح پڑھنا؛ رکوع میں ایک سے زیادہ بار **سبحان ربي العظيم** پڑھنا؛ رکوع سے اٹھنے کے بعد "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" سے زائد دعا پڑھنا اور سجدہ میں ایک سے زیادہ بار **سبحان ربي الأعلى** پڑھنا؛ دونوں سجدوں کے درمیان ایک سے زائد بار دعائے مغفرت ''رب اغفرلی'' پڑھنا۔

۲۔ **فعلی سنتیں:**...... جیسے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا۔ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت؛ اور تیسری رکعت کے لیے اٹھتے وقت رفع یدین کرنا۔ اور رکوع کے وقت سر اور پیٹھ کو برابر رکھنا؛ جیسا کہ آگے آئے گا؛ اور ایسے ہی سجدہ کے متعلق سنتیں؛ اور تشہد میں انگلی کو حرکت دینا۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نماز کی سنتوں میں سے'' دعائے استفتاح پڑھنا'' اسے استفتاح اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے نماز کی ابتداء ہوتی ہے؛ اور تکبیر تحریمہ کے بعد سب سے پہلے ادا کیا جاتا ہے۔ اس استفتاح کی کئی دعائیں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت اور وارد ہیں۔ ان میں سے جس دعا سے بھی مسلمان اپنی نماز شروع کرے گا؛ وہ اس عظیم سنت کے ثواب کو پالے گا۔ اس لیے کہ جب کسی کام میں مختلف فعل وارد ہوئے ہوں تو بہتر یہ ہوتا ہے کہ کبھی ایک پر عمل کر لیا جائے اور کبھی دوسرے پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفتاح کی کئی دعائیں وارد ہیں۔ مثال کے طور پر:

((اللهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اللهُمَّ نَقِّنِي مِنْ الخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنْ الدَّنَسِ اللهُمَّ اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ))

متفق عليه: رواه البخاري في الأذان (744)، ومسلم في المساجد (598)

''اے اللہ میرے اور گناہوں کے درمیان اس قدر دوری کر دے کہ جس قدر تو نے مشرق ومغرب کے درمیان دوری ڈالی ہے اے اللہ مجھے گناہوں سے اس طرح صاف فرما دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کر دیا جاتا ہے اے اللہ میرے گناہوں کو برف اور پانی اور اولوں کے ساتھ دھو دے۔''

((سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ))

(ابو داؤد775)

''پاک ہے تو، اے اللہ اور آپکی ہی حمد ہے اور بابرکت ہے نام آپ کا اور بلند ہے آپ کی شان، اور نہیں کوئی عبادت کے لائق آپ کے سوا۔''

ان دعاؤں میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور بزرگی کا بیان پایا جاتا ہے؛ جیسے **سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ** پاک ہے تو اے اللہ اور آپ کی ہی حمد ہے۔ اور پہلی استفتاح میں دعا ہے: (**اللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ**)۔ اور ایسی دعائیں بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور دعا کو جمع کر دیا گیا ہے؛ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

((اللّٰهُمَّ لَكَ الحَمْدُ أَنْتَ قَيِّمُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الحَمْدُ لَكَ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ، وَلَكَ الحَمْدُ أَنْتَ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، وَلَكَ الحَمْدُ أَنْتَ مَالِكُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، وَلَكَ الحَمْدُ أَنْتَ الحَقُّ وَوَعْدُكَ الحَقُّ، وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ، وَقَوْلُكَ حَقٌّ، وَ الجَنَّةُ حَقٌّ، وَالنَّارُ حَقٌّ، وَالنَّبِيُّونَ حَقٌّ، وَمُحَمَّدٌ ﷺ حَقٌّ، وَالسَّاعَةُ حَقٌّ، اللهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ، وَ بِكَ آمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ، وَإِلَيْكَ حَاكَمْتُ، فَاغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ المُقَدِّمُ، وَأَنْتَ المُؤَخِّرُ، لاَ إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ)) رواه البخاري في التهجد (1120)، ومسلم في صلاة المسافرين (769).

''اے میرے اللہ تیرے ہی لئے حمد ہے، تو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیانی چیزوں کا نگران ہے، تیری ہی لئے حمد ہے تیرے ہی لئے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں پر حکومت ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو آسمان اور زمین کی روشنی ہے، تیرے ہی لئے حمد ہے تو حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے، تیری ملاقات حق ہے۔ تیرا قول حق ہے جنت حق ہے، جہنم حق ہے، تمام نبی حق ہیں اور محمد حق ہیں اور قیامت حق ہے، اے میرے اللہ میں نے اپنی گردن تیرے لئے جھکا دی اور میں تجھ پر ایمان لایا تجھی پر میں نے بھروسہ کیا، تیری طرف میں متوجہ ہوا، تیری ہی مدد سے میں نے جھگڑا کیا اور تیری ہی طرف میں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، میرے اگلے پچھلے اور ظاہری اور چھپے ہوئے گناہوں کو بخش دے تو ہی آگے اور پیچھے کرنے والا ہے، تو ہی معبود ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں؛ اور تیرے بغیر کوئی توفیق اور قوت نہیں۔''

استفتاح کی یہ دعا اپنے کثیر جملوں کے ساتھ استفتاح کی ان طویل ترین دعاؤں میں سے ہے جو نبی کریم ﷺ سے ماثور ہیں۔ آپ تہجد کی نماز میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ یہ ایک جامع استفتاح ہے۔ بلکہ یہ استفتاح عقیدہ اور اصول دین کے اہم ترین مسائل پر مشتمل ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ اس دعا کو یاد کرے؛ اور اپنی نمازیں (خصوصاً تہجد) اس دعا سے شروع کرنے کا اہتمام کرے۔ اس میں سب سے اہم ترین بات ایمان کی تجدید اور دل کی تقویت ہے؛ اور یہی وہ مقصد شرعی ہے جو نبی کریم ﷺ سے ماثور دعاؤں میں مطلوب ہوتا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نماز کی سنتوں میں سے'' حالتِ قیام میں، رکوع سے پہلے ہو یا رکوع کے بعد، دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر سینہ کے اوپر رکھنا'' یعنی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھ پر ہاتھ باندھے۔ مصنف رحمہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں ایک علیحدہ کتابچہ بھی تحریر فرمایا ہے؛ جس کا نام ہے: '**تمام الخشوع في وضع اليدين على الصدر بعد الركوع**۔' اور اس کتابچہ انہوں نے اپنے موقف پر دلائل پیش کئے ہیں۔

اصل میں یہ کیفیت کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا جائے؛ یہ ذلت و انکساری اور رب سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے عاجزی کی کیفیت ہوتی ہے؛ جس میں دل ایک نکتہ پر جمع ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے؛ یا لٹکا دیا جائے تو بسا اوقات انسان ہاتھوں کو حرکت دینے لگ جائے؛ یا کوئی اور فعل صادر ہوجائے۔ لیکن جب وہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر پکڑ لیتا ہے تو اس میں سکون اور طمانیت ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ کی بارگاہ میں ذلت و انکساری بھی ہوتی ہے۔ پس کھڑا ہونے کی یہ حالت رب کے سامنے خشوع و خضوع اور تذلل کی حالت ہوتی ہے۔ بھلے انسان ہاتھ کو کلائی پر رکھے یا اس سے پیچھے بازو پر۔ ان میں سے ہر ایک عمل سنت سے ثابت ہے۔ جیسے شیخ رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر ہاتھ کو کلائی پر اس طرح رکھے کہ انگلیاں بازو پر ہوں تو یہ افضل ہے؛ اور اگر بازو پر رکھ لے تو یہ بھی سنت ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے، رکوع کے لیے جھکتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور تشہد اوّل سے تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے وقت دونوں ہاتھوں کو انگلیاں ملائے ہوئے مونڈھوں تک یا کانوں کے برابر تک اٹھانا۔'' یہ چار مواقع ایسے ہیں جہاں پر مسلمان کو نماز میں رفع یدین اس طرح کرنا چاہیے کہ اس کی انگلیاں باہم ملی ہوئی ہوں یعنی ان میں فاصلہ نہ ہو۔ رفع یا تو کندھوں تک ہوتا ہے یا پھر کانوں کی لو تک۔ اس لیے کہ صحیح سنت مطہرہ میں یہ عمل ایسے ہی ثابت ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

''اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر تک اٹھائے۔''

(أخرجه أحمد 23599؛ أبو داؤد 730 ؛ الترمذی 304 نسائی 1181)

اور دوسری حدیث میں ہے: ''اپنے ہاتھوں کو کانوں کی لو کے برابر تک اٹھائے۔'' (مسلم 391)

پس ان چار مقامات پر رفع یدین کرنا سنت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے : عبیداللہ عمری نے نافع سے بیان کیا ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے اور ساتھ ہی رفع یدین کرتے۔ اسی طرح جب وہ رکوع کرتے تب اور جب ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے تب بھی (رفع یدین کرتے)؛ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب قعدہ اولیٰ سے اٹھتے تب بھی رفع یدین کرتے۔ آپ نے اس فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا۔'' (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔) (البخاری 739)

نماز کی سنتوں میں سے: ''رکوع اور سجدہ میں ایک سے زائد بار تسبیح پڑھنا'' یعنی رکوع میں ایک سے زیادہ بار **سبحان ربی العظیم** پڑھنا؛ اور سجدہ میں ایک سے زیادہ بار **سبحان ربی الأعلی** پڑھنا؛ ایک ایک بار یہ اذکار پڑھنا نماز کے واجبات میں سے ہے؛ اور اس سے زیادہ مرتبہ پڑھنا سنت ہے۔

رکوع کے بعد قومہ کی حالت میں ''رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ'' سے زائد دعا'' رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا پڑھنا سنت ہے؛ ''رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ'' امام اور مقتدی/منفرد سبھی پڑھیں گے۔ اور جو کچھ اس سے زیادہ وارد ہوا ہے وہ سنت ہے جیسے یہ کلمات: ((رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ [كما يحب ربنا و يرضى]))

''اے ہمارے رب اور تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے تعریف زیادہ' پاکیزہ جس میں برکت ڈال دی گئ' جیسے ہمارے رب کو پسند ہے اور وہ راضی ہوتا ہے۔''

(البخاری 799/ اس روایت کے آخری الفاظ مجھے نہیں ملے؛ مترجم)

یا پھر (اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) کے بعد یوں پڑھے:

((مِلْ ءُ السَّمٰوَاتِ وَ الاَرْضِ وَمِلْ ءُ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ))

''تیری اتنی حمد ہے کہ آسمان بھر جائیں زمین بھر جائے اور ان کے بعد ہر وہ چیز بھر جائے جو تو چاہے اے ثناء اور بزرگی والے۔'' [مسلم (477) ابو داؤد (847) نسائی 2/198`199]

یا پھر(اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ) کے بعد یوں پڑھے: ((اَللّٰھُمَّ طَھِّرنی بالثَلْجِ والبَرَدِ وَالمَاءِ البَارِدِ، اَللّٰھُمَّ طَھِّرنی من الذُّنوبِ والخطایا کما یُنَقّٰی الثوبُ الأبیضُ من الوَسَخِ))

[رواه مسلم في الصلاة (476)]

''اے اللہ! تو مجھے گناہوں اور خطاؤں سے پاک کردے برف سے ؛اولوں سے اور ٹھنڈے پانی سے؛
اے اللہ! مجھے گناہوں اور خطاؤں سے پاک کردے جیسے سفید کپڑے کو میل سے پاک کیا جاتا ہے۔''

''اور دونوں سجدوں کے درمیان ایک سے زائد بار دعائے مغفرت پڑھنا۔''اس سے پہلے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزرا ہے کہ: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسجدوں کے درمیان یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((رَبِّ اغْفِرْ لِي))[حسن: رواه النسائي (1665)، وابن ماجه (897) والحاكم (271/1)]

''اے میرے رب مجھے معاف کردے۔''

ایک بار یہ دعا پڑھنا واجب ہے؛ اوراس سے زائد پڑھنا سنت ہے۔

- ''رکوع میں سرکو پیٹھ کے برابر رکھنا''یعنی سرکو اتنا نیچے بھی نہ کیا جائے کہ وہ پیٹھ کی سطح سے نیچے چلا جائے ؛ اور نہ ہی اس سے زیادہ اوپر اٹھایا جائے۔ بلکہ سر اور پیٹھ برابر ہونے چاہییں۔صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے طریقہ میں یوں ہی منقول ہے۔آپ فرماتی ہیں:''جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع کرتے تو سر کو نہ ہی زیادہ جھکاتے اور نہ ہی اوپر اٹھاتے ؛ بلکہ اس کے درمیان رکھا کرتے تھے۔''(مسلم 498)
- ''سجدہ میں بازوؤں کو پہلوؤں سے، پیٹ کو رانوں سے اور رانوں کو پنڈلیوں سے دور رکھنا۔''یہ فاصلہ رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔اہل علم رحمہم اللہ نے اس فاصلہ کا فائدہ یہ بیان کیا ہے کہ جسم کے ہر حصہ کو سجدہ میں اس کا حصہ مل جاتا ہے۔اس کے برعکس اگر جسم کے اعضاء آپس میں ملے ہوئے ہوں (تو ایسا نہیں ہوسکتا)۔پس بازؤوں کو پہلوؤں سے ؛ اور پیٹ کو رانوں سے ؛ اوررانوں کو پنڈلیوں سے جدا رکھنا انسان کی ہئیت کے اعتبار سے رب کے سامنے سجدہ کے لیے زیادہ اکمل ہے۔
- ''سجدے کی حالت میں دونوں بازوؤں کو زمین سے اٹھائے ہوئے رکھنا'': حدیث شریف میں آتا ہے:

''جب آپ سجدہ کرتے تو ہاتھوں کو زمین پر رکھ دیتے مگر نہ بچھاتے تھے اور نہ ہی ساتھ ملا کر رکھتے۔''(بخاری 828)

- تشہد اوّل میں اور دونوں سجدوں کے درمیان نمازی کا بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھنا اور دائیں پیر کو کھڑا کرنا۔'' صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بائیں پاؤں کو بچھا دیتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔''(مسلم 498)

- تین اور چار رکعت والی نماز ہوتو آخری تشہد میں تورک کرنا،یعنی دائیں پیر کو کھڑا کرکے اس کے نیچے سے بائیں پیر کو نکال کر کولہے کو زمین پر رکھ کر بیٹھنا'' یہ عمل حضرت ابو حمید رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں ثابت ہے؛اس میں ہے:

''اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کولہے کو زمین پر رکھ کر بیٹھ جاتے۔'' (بخاری 828)

اس حالت کو عربی میں ''تَوَرُّك'' کہا جاتا ہے۔اس میں نمازی تین اور چار رکعت والی نماز کے آخری تشہد میں اپنی سرینوں (کولہوں) پر بیٹھ جاتا ہے۔جبکہ صرف دو رکعت والی نماز (یا پہلے تشہد) میں اپنے بائیں پاؤں کو بطور فرش استعمال کرتے ہوئے اس کے اوپر بیٹھ جاتا ہے۔

- پہلے اور دوسرے تشہد میں بیٹھنے کے وقت ہی سے لے کر تشہد کے اختتام تک شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا اور دعا کے وقت اسے حرکت دینا (ہلانا)'': یہ اشارہ انسان کے تشہد کے لیے بیٹھنے سے لے کر سلام تک جاری رہے گا۔شہادت کی انگشت سے اشارہ کیا جائے۔انگلی کو اوپر اٹھایا جائے مگر پوری طرح سے نہیں۔توحید کا اشارہ کیا جائے۔اور دعا کے وقت اسے خفیف سی حرکت دی جائے۔
- تشہد اوّل میں محمد اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، نیز ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام پر صلاۃ وتبریک (درود ابراہیمی) پڑھنا:'' یہ بھی درود ابراہیمی کی سنتوں میں سے ہے کہ تشہد اول میں اسے پڑھا جائے۔اس کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں۔
- آخری تشہد میں دعا کرنا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی حدیث میں گزر چکا ہے کہ:'' پھر جو چاہے دعا مانگے''پس تشہد اور درود ابراہیمی پورا پڑھنے کے بعد سلام پھیرنے میں جلدی نہ کرے۔بلکہ جو بھی جی میں آئے دعا کرے؛ کیونکہ یہ قبولیت دعا کا مقام ہے۔
- نمازِ فجر، نمازِ جمعہ، نمازِ عیدین، نمازِ استسقاء اور نماز مغرب و نمازِ عشاء کی ابتدائی دو رکعت میں قراءت میں جہری کرنا: پس اگر امام نماز میں فاتحہ اونچی آواز میں پڑھنا بھول جائے؛ اور آدھی فاتحہ وہ آہستہ سے پڑھ لے؛ اور پھر اسے تنبیہ کی جائے تو وہ فاتحہ کو دوبارہ شروع سے نہ پڑھے؛ بلکہ جہاں تک پہنچ چکا ہے؛ وہاں سے آگے مکمل کرے۔اس لیے کہ فاتحہ کا ابتدائی حصہ دوبار پڑھنا مشروع نہیں ہے۔پس جہاں پہنچ چکا ہو؛ وہاں سے آگے مکمل کرے۔
- نمازِ ظہر و نمازِ عصر میں اور نمازِ مغرب کی تیسری رکعت اور نماز عشاء کی آخری دو رکعتوں میں قراءت آہستہ کرنا۔جہر کے موقع پر جہری قرأت کی جائے؛ اور اسرار کے موقع پر سری قرأت کی جائے۔اس کے مستحب ہونے پر اجماع ہے۔اور اس میں اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل مبارک ہے۔
- سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن سے کچھ اور پڑھنا: یعنی ایسا کرنا بھی نماز کے مسنون اعمال میں سے ہے۔جبکہ نماز کی ہر رکعت میں سورت فاتحہ پڑھنا نماز کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ:

''جو سورت فاتحہ نہ پڑھے؛ اس کی کوئی نماز نہیں ہوتی۔'' (بخاری 756 مسلم 394 /بروایت عبادہ بن صامت)

شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مذکورہ بیان کردہ سنتوں کے علاوہ نماز کی بقیہ واردشدہ سنتوں کا بھی خیال رکھنا چاہیے'' آپ نے بطور تنبیہ کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو کچھ اس سے پہلے بیان ہوا ہے؛ اس میں تمام امور کا احاطہ نہیں کیا گیا۔بلکہ بطور

مثال کے گزرا ہے۔مثلاً: رکوع سے سر اٹھانے کے بعد امام، مقتدی اور منفرد کا ”رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ“ سے زائد دعا پڑھنا کیونکہ یہ سنت ہے“ اس کا بیان گزر چکا ہے۔” اسی طرح حالت رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھنا کہ ہاتھوں کی انگلیاں پھیلی ہوئی ہوں“ اس کی دلیل حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے؛ جس میں ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رکوع فرماتے تو اپنی انگلیوں کو کھلا رکھتے تھے۔“

أخرجه ابن خزيمة فی صحيحه 594؛ الكبرانی فی الكبير 26؛ السنن الكبری للبيهقی 2695 ؛ صححه الألبانی فی صحيح الجامع 4733۔۔

گیارہواں سبق:

مفسداتِ نماز

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: گیارہواں سبق: مفسداتِ نماز:

مفسداتِ نماز آٹھ ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ علم اور یادداشت رکھتے ہوئے قصداً نماز میں بات کرنا، البتہ بھول کر یا ناواقفیت کی بنا پر بات کرنے والے کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

۲۔ ہنسنا۔ ۳۔کھانا۔

۴۔ پینا۔ ۵۔شرمگاہ ظاہر ہونا۔

۶۔ قبلہ کے رخ سے بہت زیادہ ہٹ جانا۔

۷۔ نماز میں لگاتار بہت زیادہ غیر متعلق افعال کرنا۔

۸۔ وضوٹوٹ جانا۔

شرح:

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مفسداتِ نماز'': یعنی وہ امور جن کے وجود سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ نماز توڑنے والے امور کو پہچان کر رکھے؛ اور کا علم حاصل کرے تاکہ ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کرے۔ یہ مفسداتِ نماز آٹھ ہیں:

۱۔ علم اور یادداشت رکھتے ہوئے قصداً نماز میں بات کرنا'' اس کی دلیل حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے؛ جس میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾[۲:۲۳۸]

''نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔''

فرماتے ہیں: ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نماز پڑھنے میں باتیں کرلیا کرتے تھے۔ کوئی بھی اپنے قریب کے نمازی سے اپنی ضرورت بیان کر دیتا۔ پھر آیت ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ اتری اور ہمیں (نماز میں) خاموش رہنے کا حکم ہوا اور ہمیں بات چیت کرنے سے منع کر دیا گیا۔''

(البخاری 1200 مسلم 537)

۞ ''یاد ہوتے ہوئے'' یعنی بھول کر کلام نہ کرے۔

- ''علم ہوتے ہوئے''یعنی لاعلمی یا جہالت کی بنا پر نہ ہو۔ اگر کوئی بھول کر کلام کر لے؛ مثلاً بھول کر نماز کے دوران بات کر لے؛ یا جہالت کی وجہ سے دوران نماز گفتگو کرے؛ تو اس کی نماز جہالت اور بھول کے عذر کی وجہ سے باطل نہیں ہوگی۔
- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' ہنسا۔۳۔کھانا۔۴۔پینا''اس پر اہل علم کا اجماع ہے؛ کہ جب انسان نماز میں ہنس پڑے؛ یا پھر کچھ کھالے یا پی لے؛تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔
- '' شرمگاہ ظاہر ہونا۔''شرم گاہ کے پردہ ہونے کا اس سے پہلے نماز کی شروط میں گزر چکا ہے۔ جب شرط ختم ہوجائے تو مشروط خود بخود باطل ہوجاتا ہے۔
- ''قبلہ کے رخ سے بہت زیادہ ہٹ جانا'': قبلہ رخ ہونا نماز کی شروط میں سے ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔ اگر انسان معمولی سا ہٹا ہے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوگی؛ لیکن جب قبلہ سے بہت زیادہ ہٹ گیا نماز باطل ہوجائیگی۔
- ''نماز میں لگا تار بہت زیادہ غیر متعلق افعال کرنا'' مثلاً انسان اپنے ہاتھوں یا پاؤں سے یا داڑھی سے یا کپڑے سے یا کسی اور چیز سے فالتو حرکت کرتا رہے۔ اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اس سے انسان نماز سے کسی دوسری چیز میں مشغول ہوجاتا ہے؛ پس اس کی حرکت کا سبب اس کے دل میں انصراف [توجہ کا نہ ہونا] ہوتا ہے۔ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء بھی خشوع کا اظہار کرتے۔ اوراس لیے کہ نماز میں اطمینان اس کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جب عبث/ فالتو حرکت بہت زیادہ اور مسلسل ہوتی ہے؛تو نماز باطل ٹھہرتی ہے۔ اس کی کوئی محدود حد نہیں ہے؛ اوراس کو تین حرکات تک محدود کرنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔
- ''وضوٹوٹ جانا'': پاکیزگی یعنی طہارت نماز کی شروط میں سے ایک شرط ہے؛ جیسا کہ حدیث میں گزرا؛''لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلَاۃً إِلَّا بِطُھُورٍ ۃ'' (سبق تخریجہ)۔''اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتے۔''

پس جب انسان کی طہارت نماز کے دوران ختم ہوجائے؛ بھلے ہوا نکل جائے یا پیشاب کا قطرہ وغیرہ نکل جائے؛ تو بلا شک وشبہ اس سے اس آدمی کی نماز باطل ہوجاتی ہے۔''

بارھواں سبق:

وضوء کی شرائط

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بارھواں سبق: وضوء کی شرائط:

وضو کی شرائط دس ہیں:

۱۔ اسلام۔

۲۔عقل۔

۳۔ تمیز۔

۴۔نیت۔

۵۔ وضو مکمل ہونے تک نیت باقی رکھنا۔

۶۔سبب وضو کا ختم ہو جانا۔

۷۔ وضو سے پہلے پانی یا پتھر، ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنا۔

۸۔پانی کا پاک اور مباح ہونا۔

۹۔ جلد تک پانی کے پہنچنے میں حائل رکاوٹ کو دور کرنا۔

۱۰۔ ایسے شخص کے لیے نماز کا وقت داخل ہو جانا جس کی ناپاکی دائمی ہو۔''

شرح:

❁ اس سے پہلے نماز کے درست ہونے کی شرائط گزر چکی ہیں پس اس کی شروط کے اعتبار سے اس سے متعلقہ احکام کی معرفت حاصل کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ایسے ہی دیگر وہ مسائل بھی ہیں جن کا ذکر آنے والا ہے۔ان کی ابتداء وضوء کی شرائط سے ہوتی ہے۔شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وضوء کی دس شرائط ہیں:

❁ **اول؛ دوم؛ سوم:** ''اسلام؛ عقل؛ تمیز'': ان شرائط کا تذکرہ اس سے پہلے نماز کی شرائط میں بھی گزر چکا ہے۔اور ان پر تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔

اسلام:...... جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو غیر مسلم کا کوئی بھی عمل؛ خواہ وہ نماز ہو یا طہارت؛ زکوات ہو یا کوئی دوسرا عمل وہ باطل اور برباد ہوتا ہے۔بے شک کفر کی وجہ سے تمام تر اعمال تباہ و برباد ہو جاتے ہیں: ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾(المائدۃ5)

''منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ گھاٹا پانے والوں میں سے ہیں۔''

عقل:...... پاگل مرفوع القلم ہوتا ہے۔ حدیث میں گزر چکا ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: ''...ایک پاگل بھی ہے۔'' جنون سے عقل مفقود ہو جاتی ہے۔عبادت کی عمومی شرائط میں سے عقل کا وجود بھی ہے تاکہ وہ عبادت کی معرفت اور اس کے مفہوم کا ادراک کر سکے۔جب کہ فاقد العقل ان امور کو بہتر انداز میں سرانجام نہیں دے سکتا۔

تمیز (سمجھداری):...... حدیث میں گزر چکا ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: ''....وہ بچہ؛ جو ابھی تک نا سمجھ ہو۔

مزید برآں حدیث شریف میں آیا ہے: ''اپنے بچوں کو اولاد کا حکم دو اور وہ سات سال کے ہوں۔''
عمر کا ساتواں سال سمجھداری کا وہ مرحلہ ہے جب بچے کو نماز کا حکم دیا جاتا ہے۔

- **چہارم**: نیت: نیت طہارت اور نماز میں اور دیگر ہر ایک عبادت میں شرط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے؛ اور انسان کو وہی ملے گا جس کی وہ نیت کرتا ہے۔'' (بخاری 1؛ مسلم 1207)

طہارت میں نیت سے مراد انسان کا پختہ عزم کرنا ہے کہ وہ طہارت حاصل کرنے کے لیے ان اعمال کو انجام دے رہا ہے۔ اگر کوئی انسان وضوء کے فرائض پورے بجا لائے؛ مگر اس کی نیت طہارت کی نہ ہو؛ بلکہ نیت صرف اعضاء کی صفائی ہو؛ تو اس کا یہ عمل طہارت نہیں کہلائے گا؛ کیونکہ طہارت کے لیے نیت شرط ہے۔

- **پنجم**: وضو مکمل ہونے تک نیت باقی رکھنا؛ وضوء مکمل ہونے تک اس کی نیت میں انقطاع نہ آئے۔ اگر عمل کے دوران انسان طہارت کی نیت کو منقطع کر دے تو اس کی طہارت درست نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر انسان وضوء کے دوران ہی نیت کو طہارت سے نظافت یعنی صفائی میں بدل دے۔

- **ششم**: سبب وضوء کا ختم ہو جانا۔ یعنی جس چیز کی وجہ سے طہارت واجب ہوئی ہو؛ وہ ختم ہو جائے۔ طہارت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اس کا سبب ختم نہ ہو جائے۔ جیسے دونوں شرمگاہوں سے نکلنے والی چیز؛ اونٹ کا گوشت کھانا۔ یا دوسرا کوئی سبب۔ اگر وضوء کا سبب موجود ہو؛ اور انسان طہارت حاصل کرلے؛ یا طہارت شروع کر دے تو ایسا کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ پس جو کوئی اس حال میں وضوء کرے کہ اسے پیشاب بھی جاری ہو؛ تو اس سے ناپاکی کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ ایسے ہی جو کوئی اونٹ کا گوشت کھا رہا ہو اور وضوء کر لے۔ لیکن سلسل بول/ ریح والے مستثنی ہیں۔

- **ہفتم**: ''وضو سے پہلے پانی یا پتھر، ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنا'': یہ اس صورت میں ہوگا جب شرمگاہ (سبیلین) سے کچھ خارج ہوا ہو۔ تو اس صورت میں طہارت کے لیے وضو سے پہلے پانی یا پتھر، ڈھیلے وغیرہ سے استنجا کرنا شرط ہے۔ استنجاء سے مراد: غلاظت نکلنے والی جگہ کو پانی سے دھو کر صاف کرنا ہے۔ اور استجمار سے مراد اس جگہ کو پتھر یا ڈھیلے سے پاک کرنا ہے۔ ایسا کرنا اس وقت شرط ہوتا ہے جب شرمگاہ سے کچھ نکلا ہو۔ ایسا نہیں جیسے کچھ عوام الناس کا خیال ہے کہ ہر طہارت کے لیے استنجاء شرط ہے۔ بھلے بول و براز نہ بھی نکلا ہو۔ [صرف ہوا ہی نکلی ہو۔]

- **ہشتم**: ''پانی کا پاک اور مباح ہونا'': اگر پانی ناپاک ہو تو اس سے طہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور ایسے ہی اگر پانی چوری کا ہو یا غصب شدہ ہو تو اس سے بھی طہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔

- **نہم**: '' جلد تک پانی کے پہنچنے میں حائل رکاوٹ کو دور کرنا'': پس وضوء کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ

ہاتھ یا پاؤں (اعضاء وضوء) پر جو کچھ مٹی ؛ آٹا؛اورکوئی اور ایسی چیز لگی ہو؛ یا پھر پالش وغیرہ لگی ہو؛ یا ناخن پر کوئی دیگر طلاء وغیرہ لگا ہوا ہوتو اسے ختم کیا جائے تا کہ ان اعضاء پر پانی لگ سکے۔ ہاں اگر ایسی چیز لگی ہو جس سے جلد کی رنگت تو بدل جائے مگر جلد پر رکاوٹ کی تہہ نہ بنتی ہو؛ جیسے مہندی وغیرہ؛ تو یہ چیزیں وضوء کے صحیح ہونے میں رکاوٹ نہیں۔

۞ **دھم:**''ایسے شخص کے لیے نماز کا وقت داخل ہو جانا جس کی ناپاکی دائمی ہو'': جیسے وہ انسان جسے سلسل بول ؛ یا سلسل ریح کی بیماری ہو۔ پس نماز کا وقت داخل ہوگا تو ایسا انسان وضوء کرے گا۔ اور پھر اپنے حال پر نماز پڑھے گا۔ اگر اب اس سے کوئی قطرہ یا ہوا نکل گئی ؛تو اس کی طہارت ختم نہ ہوگی ۔ کیونکہ اب یہ معاملہ اس کے اختیار میں نہیں رہا۔ لیکن اس کے حق میں شرط یہ بھی ہے کہ وہ ہر نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضوء کرے۔ اس کا حکم مستحاضہ والا ہے۔

تیرہواں سبق:

وضوء کے فرائض

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وضو کے فرائض چھ ہیں:

۱۔ چہرہ دھونا، اسی میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی شامل ہے۔
۲۔ دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھونا۔
۳۔ پورے سر کا مسح کرنا، اسی میں کانوں کا مسح کرنا بھی داخل ہے۔
۴۔ دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھونا۔
۵۔ ترتیب۔
۶۔ تسلسل یعنی پے در پے دھونا۔

چہرہ، دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کا تین تین بار دھونا مستحب ہے، اسی طرح تین بار کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی مستحب ہے۔ لیکن فرض صرف ایک بار ایسا کرنا ہے، البتہ سر کا مسح ایک سے زائد بار کرنا مستحب نہیں ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں سے پتہ چلتا ہے۔

شرح:

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرائض (جو نہ ہی عمداً ساقط ہو سکتے ہیں اور نہ ہی سہواً) فرض کی جمع ہے؛ وہ چیز جس کا حکم شریعت نے بطور لازم ہونے کے دیا ہو۔ ''ان کی تعداد چھ ہے'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

''تو اپنے منہ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو اپنے سروں کو مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔''

یہ آیت کریمہ نماز کے لیے وضوء کو واجب کرتی ہے؛ اور ان اعضاء کو بھی بیان کرتی ہے جن کا دھونا یا مسح کرنا وضوء میں لازم ہے۔ اس میں وضوء کے مواقع کے حد متعین کی گئی ہے۔ پھر سنت نبوی میں اس کی شرح اور تفصیل وارد ہوئی ہے۔

اوّل:...... پورے چہرے کو دھونا (اس میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی شامل ہے) چہرہ جس سے آمنا سامنا کیا جاتا ہے۔ لمبائی میں سر کے بالوں سے لے کر جبڑوں اور ٹھوڑی کے نیچے تک؛ اور چوڑائی میں ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک۔ اس بیان کی ابتداء چہرہ سے اس کے شرف کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جبکہ وضوء کے شروع میں ہاتھوں کا دھونا نظافت کے لیے ہے۔ اس لیے کہ ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا فرض ہے؛ مگر اس کا مقام چہرہ دھونے کے بعد ہے۔

''اسی میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی شامل ہے'' یعنی چہرہ کے دھونے میں منہ میں پانی ڈال کر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی شامل ہے۔ منہ اور ناک کا شمار چہرہ میں ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہے:

﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾

''تو اپنے منہ کو دھولو۔''

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل والی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جس میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلی کی؛ اور ناک سے پانی جھاڑا۔''

(بخاری 159 مسلم 226 ؛ یہ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

کلی کرنا:......یعنی منہ میں پانی ڈال کر اسے حرکت دینا تاکہ منہ اندر سے صاف شفاف ہو جائے۔

استنشاق:......(ناک میں پانی ڈالنا): اور زور سے اندر کو کھینچنا تاکہ پانی ناک کے آخری حصہ تک پہنچ جائے۔

استنثار:......(ناک جھاڑنا): پھر ناک میں ڈالے ہوئے پانی کو زور سے باہر کو جھاڑنا تاکہ ناک کے بانسے صحیح صاف ہو جائیں۔

دوم:...... دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا؛ یعنی انگلیوں کے پوروں سے کہنی تک۔ کہنیوں تک سے مراد کہنیوں کے سمیت ہے۔ اس لیے کہ دھونے کا حکم کہنیوں کو بھی شامل ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت عملی سنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک فعل سے بھی ہوتی ہے۔

سوم:...... پورے سر کا مسح کرنا: سنت نبویہ نے اس طریقہ کو واضح کر دیا ہے: جیسے حضرت عبد اللہ بن زید کی روایت میں ہے:

''پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کا مسح کیا۔ اس طور پر اپنے ہاتھ آگے لائے پھر پیچھے لے گئے۔ مسح سر کے ابتدائی حصے سے شروع کیا۔ پھر دونوں ہاتھ گدی تک لے جا کر وہیں واپس لائے جہاں سے (مسح) شروع کیا تھا۔'' (البخاری 185 مسلم 235)

(اس میں کان بھی شامل ہیں)۔ اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان گرامی ہے:

''کان سر کا حصہ ہیں۔''

(أحمد 22282 أبو داؤو 124 الترمذی 37؛ ابن ماجه 444 ؛ و صححه الالبانی فی الارواء 84)

نیز اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل ہے؛ آپ اپنے کانوں کا مسح اسی پانی سے کیا کرتے تھے جس سے اپنے سر کا مسح فرماتے۔ اس کے لیے علیحدہ پانی نہیں لیا کرتے تھے۔ اور اپنی انگشت شہادت کو کانوں کے اندر کی طرف رکھ کر مسح کرتے؛ جبکہ انگوٹھوں سے کان کے بیرونی حصہ کا مسح فرماتے۔ کانوں کو دھویا نہیں جاتا بلکہ ان کا مسح کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ کانوں کا حکم وہی ہے جو سر کا حکم ہے۔ اور سر کا مسح فرض ہے دھونا نہیں۔

چہارم: ''دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا'': اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

''اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو۔''

یہاں پر آیت میں لفظ ''إلی'' مع کے معنی میں ہے۔ اس کی دلیل وہ احادیث بھی ہیں جن میں وضوء کا طریقہ بیان

ہوا ہے۔ یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں کا دھونا اس میں داخل ہے۔

پنجم:...... اعمال وضوء میں ترتیب؛ اس فریضہ کو اس طرح ادا کیا جائے کہ پہلے چہرہ دھویا جائے؛ پھر دونوں ہاتھ پھر سر کا مسح پھر پاؤں۔ یعنی ان کی ترتیب ویسے ہی باقی رہے جیسے آیت کریمہ میں وارد ہوئی ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے۔ اس لیے بھی کہ مسح والے عضو یعنی سر کو دھوئے جانے والے اعضاء کے درمیان میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل بھی ہے۔ جن حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وضوء کا طریقہ نقل کیا ہے؛ انہوں نے اسی ترتیب کے ساتھ نقل کیا ہے۔

ششم:...... موالات: [لگاتار] اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ اعضاء کے دھونے میں فاصلہ نہ ہو؛ یعنی دوسرا عضو دھونے میں اتنی دیر نہ کی جائے کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔ بلکہ فوراً ہی ایک کے بعد ایک کر کے دھویا جائے؛ اور اس کے درمیان میں کوئی وقفہ نہ آئے۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل ایسے ہی اپنے اعضاء دھویا کرتے تھے؛ اس کے درمیان میں فاصلہ نہیں دیتے تھے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''چہرہ، دونوں ہاتھ اور دونوں پیروں کا تین تین بار دھونا مستحب ہے، اسی طرح تین بار کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی مستحب ہے۔ لیکن فرض صرف ایک بار کرنا ہے'': حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو میں ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔'' (البخاری 157)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو میں اعضاء کو دو دو بار دھویا۔''

(البخاری 158 مسلم 235)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ: ''انہوں نے پانی کا ایک برتن مانگا، اولا اپنی ہتھیلیوں پر تین بار پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک صاف کی، پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھویا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میرے اس وضو کے مثل وضو کرے اور اس کے بعد دو رکعت نماز خلوص نیت سے پڑھے، تو اس سے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ابراہیم، صالح بن کیسان، ابن شہاب، عروہ، حمران کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان (رض) نے وضو کیا تو فرمایا اگر ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم سے یہ حدیث بیان نہ کرتا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو اس وضو اور نماز کے درمیان گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔'' (متفق علیہ) تین تین بار دھونا زیادہ اکمل ہے۔

تین بار سے آگے تجاوز نہ کیا جائے۔ جس نے ایسا کیا؛ اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک دیہاتی آیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وضو کے بارے میں پوچھ رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تین تین بار اعضاء وضو دھو کر کے دکھائے، پھر فرمایا: ''اسی طرح وضو کرنا ہے، جس نے اس پر زیادتی کی اس نے برا کیا، وہ حد سے آگے بڑھا اور اس نے ظلم کیا۔''

(أحمد 6684 ؛ النسائی 140 ابن ماجه 422)

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''البتہ سر کا مسح ایک سے زائد بار کرنا مستحب نہیں ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں سے پتہ چلتا ہے۔'' اس لیے کہ جتنے بھی حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضوء کا طریقہ روایت کیا ہے؛ انہوں نے سر کا مسح صرف ایک بار نقل کیا ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے سر کے مسح کا اعادہ نہیں کیا۔ بلکہ جب آپ اپنے تمام اعضاء کو کئی بار دھویا کرتے تھے تب بھی سر کا مسح صرف ایک ہی بار کرتے تھے۔ صحیح اور صریح سنت میں ایسے ہی ثابت ہے۔ اور اس کے خلاف کبھی ایک بار کا عمل بھی ثابت نہیں ہے۔''(زاد المعاد 1/ 186)

چودھواں سبق:

وضو کے نواقض

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: چودھواں سبق: وضو کے نواقض:

وضو کے نواقض چھ ہیں:

۱۔ پیشاب و پائخانے کے راستے سے نکلنے والی چیز۔ ۲۔ جسم سے نکلنے والی سخت نجاست۔

۳۔ نیند یا کسی اور وجہ سے عقل کا زائل ہونا۔ ۴۔ اگلی یا پچھلی شرمگاہ کو بغیر کسی حائل کے ہاتھ سے چھونا۔

۵۔ اونٹ کا گوشت کھانا۔ ۶۔ اسلام سے مرتد ہو جانا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

شرح:

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وضو کے نواقض: یعنی وضوء کو توڑنے (خراب کرنے) والے امور؛ چھ ہیں:

اوّل:...... ''پیشاب و پائخانے کے راستے سے نکلنے والی چیز'': جب ایسی چیز پائی جائے جو ان راستوں سے نکلی ہو؛ جیسے: پیشاب ؛ پائخانہ؛ ہوا؛ خون اور منی اور مذی ؛ یا اس طرح کی کوئی دیگر چیز۔ بیشک ان امور سے انسان کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ﴾(النساء43)

''یا تم سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو۔''

اور حدیث نبوی میں ہے:

''جنابت کے سوا پاخانے، پیشاب اور نیند کے سبب نہ اتاریں۔''

(احمد 18091 الترمذی 96 النسائی 127 ابن ماجه 478)

دوم:...... ''جسم سے نکلنے والی سخت نجاست'': جو ان دو راستوں کے علاوہ کسی طرح سے نکلے۔ ان راستوں کے بغیر نکلنے والے خون کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے؛ کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا؛ کیونکہ اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں۔

بعض اہل علم کہتے ہیں: اگر خارج ہونے والی یہ نجاست زیادہ ہو تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اس بارے میں بعض صحابہ اور تابعین سے آثار وارد ہوئے ہیں۔ اور یہی مؤقف شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر اختیار کیا ہے۔ اور اس پر عمل کرنے میں ہی احتیاط اور اختلاف سے خروج ہے۔

سوم:......'' نیند یا کسی اور وجہ سے عقل کا زائل ہونا'': نیند کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس صورت میں ناپاکی واقع ہوسکتی ہے اور ایسا ہلکی پھلکی نیند میں نہیں ہوسکتا؛ اس سے وضوء نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نماز کے انتظار میں اونگھتے رہتے۔ وضوء صرف گہری نیند سے ٹوٹتا ہے۔ دلائل کے درمیان جمع و تطبیق سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی چیز سے عقل زائل ہو جیسے جنون؛ نشہ؛ اور بیہوشی؛ تو اس سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

چھارم:......'' اگلی یا پچھلی شرمگاہ کو بغیر کسی حائل کے ہاتھ سے چھونا'' شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر یہی مؤقف اختیار کیا ہے۔ اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ ایسا اس وقت ہوگا جب بغیر کسی رکاوٹ کے شرمگاہ کو چھوا جائے۔ خواہ وہ اپنی شرمگاہ ہو یا کسی دوسرے کی۔ اور بھلے وہ دوسرا چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ۔ اس کی دلیل حضرت بسرہ بنت صفوان کی روایت ہے؛ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' جو کوئی اپنے ذکر کو چھو لے؛ تو اسے چاہیے کہ وضوء کرے۔'' (أبوداؤد 181؛ الترمذی 82؛ النسائی 163۔ ابن ماجہ 479)

پنجم:......'' اونٹ کا گوشت کھانا'': اونٹ کا گوشت کھا کر وضوء کرنے پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔ جس میں ہے:

'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا اونٹ کے گوشت پر وضوء کیا جائے؟ تو فرمایا: '' ہاں۔'' (مسلم 360)

ششم:......'' اسلام سے مرتد ہو جانا؛ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے'': مرتد ہونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اور سارے کے سارے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی ہے:

﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ [الزمر 65]

'' اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے۔''

اس لیے بھی کہ یہ بھی ایک ناپاکی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کے تحت داخل ہے:

'' تم میں سے کسی کے ناپاک ہونے پر اس کی نماز قبول نہیں کی جاتی حتی کہ وہ وضوء کر لے۔''

(البخاری 135 مسلم 225)

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ایک اھم تنبیه:**...... جہاں تک میت کو غسل دینے کا تعلق ہے، تو صحیح بات یہ ہے کہ اس کی وجہ سے غسل دینے والے کا وضو نہیں ٹوٹتا، اور یہی اکثر اہلِ علم کا قول ہے: کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔''

شرح:

اہل علم کی اس مسئلہ میں دو مختلف رائے ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ: اس سے وضوء کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

دوسری رائے کے مطابق اس صورت میں وضوء کرنا مستحب ٹھہرتا ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اس صورت میں وضوء

نہیں ٹوٹتا۔ کیونکہ اس کی کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی۔ اور اصل طہارت کا باقی رہنا ہے۔ اور یہ حدیث مبارک کہ:
''جو کوئی میت کو غسل دے اسے چاہیے کہ وہ خود بھی غسل کرے۔''

(أحمد 7769 ؛ أبو داؤد 3161 ؛ ابن ماجه 1463۔صحيح)

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ حدیث ضعیف ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوسری کئی احادیث ایسی ثابت ہیں جو میت کو غسل دینے والے کے لیے غسل کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

فرمایا:''البتہ اگر غسل دینے والے کا ہاتھ میت کی شرمگاہ سے بغیر کسی حائل کے چھو جائے تو اس پر وضو کرنا واجب ہے''۔: یعنی اب وضوء واجب ہونے کا سبب میت کو غسل دینا نہیں ؛ بلکہ اس کی شرمگاہ کو بلا رکاوٹ/ حائل کے ہاتھ لگنا ہے۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگنے سے وضوء کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ میت کو غسل دینے والے پر واجب ہوتا ہے کہ وہ بغیر حائل کے میت کی شرمگا کو ہاتھ نہ لگائے۔ کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے۔ ایسے ہی اس کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔ پس یہ واجب ہوتا ہے کہ میت کی شرمگاہ پر کپڑا وغیرہ رکھ دیا جائے تا کہ اس پر نظر نہ پڑے؛ ایسے غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر بھی کپڑا چڑھالے تا کہ ہاتھ براہِ راست (بلا حائل) اس کی شرمگاہ کو نہ لگے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اسی طرح عورت کو چھو لینا بھی علماء کے صحیح تر قول کے مطابق مطلقاً ناقض وضو نہیں ہے، چاہے شہوت سے ہو یا بغیر شہوت کے، جب تک کہ اس سے کوئی چیز نہ نکلے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔''

شرح:

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اس لیے کہ اصل وضوء کا اپنی حالت پر باقی رہنا ہے جب تک کہ کوئی صحیح اور واضح دلیل نہ ہو۔ اس مسئلہ میں کوئی ایسی صاف اور واضح دلیل نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ عورت کو ہاتھ لگنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ یہ عموم بلوی ہے؛ یعنی ہر گھر کا مسئلہ ہے۔ اگر عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹتا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مسئلہ کو کھول کر واضح الفاظ میں بیان فرماتے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جہاں تک سورہ نساء اور سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: {أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ} ''یا تم نے عورتوں کو چھو لیا ہو'' کا تعلق ہے، تو علماء کے صحیح تر قول کے مطابق اس سے جماع مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ واللہ ولی التوفیق!''

شرح:

امام طبری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول اور سلف کی ایک جماعت کا اجماع نقل کیا ہے۔ اور اس مسئلہ

میں دو قول نقل کئے ہیں۔ اور پھر فرمایا ہے: ''ان میں سے ان حضرات کا قول حق وصواب کے زیادہ قریب ہے جو کہتے ہیں: ﴿أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ ''یا تم نے عورتوں کو چھولیا ہو'' کا تعلق جماع سے ہے، نہ کہ فقط چھو جانے سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیا؛ اور پھر بغیر وضوء کئے ہی نماز پڑھ لی۔'' (دیکھیں: تفسیر طبری 73/7)

پندرہواں سبق:

مسلمان اور اسلامی اخلاق

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پندرہواں سبق: ہر مسلمان کے لیے مشروع اخلاق سے مزین ہونا:

ان اخلاق سے مزین ہونا جو ہر مسلمان کے لیے مشروع ہیں، انہی میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) سچائی　　(۲) امانت داری

(۳) پاک دامنی　　(۴) شرم وحیا

(۵) شجاعت　　(۶) سخاوت

(۷) وفاداری　　(۸) اللہ تعالیٰ کی تمام حرام کردہ چیزوں سے دور رہنا۔

(۹) بہترین ہمسائیگی۔　　(۱۰) حسب استطاعت ضرورت مند کی مدد کرنا۔

ان کے علاوہ دیگر وہ اخلاق جن کی مشروعیت کتاب یا سنت سے ثابت ہے۔''

شرح:

اچھے اخلاق انسان کی کامیابی عنوان اور دنیا و آخرت میں اس کی سعادت مندی کا راستہ ہیں۔ انسان کو دنیا اور آخرت میں کوئی بھی بھلائی حسن اخلاق جیسی نہیں مل سکتی۔ اور نہ ہی برائی اور شر کو ٹالنے میں اس جیسا کردار کسی اور چیز کو حاصل ہے۔ اخلاق کی شان بہت بڑی اور مقام و مرتبہ بہت ہی عالیشان ہے۔ حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب پوچھا گیا:

((مَا أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ)) ''لوگ کس چیز کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے؟''

تو آپ نے فرمایا: ((التَّقْوَى وَحُسْنُ الْخُلُقِ)) ''اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کیوجہ اور حسن خلق کی وجہ سے۔''[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا:

''میرے نزدیک تم میں سے (دنیا میں) سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ

---

[1] (مسند أحمد (9694)؛ سنن الترمذی (2004)؛ سنن ابن ماجه (4246)۔ یہ پوری حدیث اس طرح ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا گیا اکثر لوگ کس چیز کیوجہ سے جنت میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کیوجہ اور حسن خلق کیوجہ سے اور پوچھا گیا اکثر کس چیز کیوجہ سے دوزخ میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا منہ اور شرمگاہ کیوجہ سے منہ سے بری باتیں نکالیں گے اور شرمگاہ سے حرام کریں گے۔'' علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (الصحيحه 45)

حسن اخلاق ہے کیا؟ اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: ((أَنَّهُ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ فَقَالَ هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ وَبَذْلُ الْمَعْرُوفِ وَكَفُّ الْأَذَى)) (جامع ترمذی: ج1: ح 2093)

''حسن خلق یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے ملے بھلائی کے کاموں پر خرچ کرے اور تکلیف دینے والی چیز کو دور کرے۔''

قریب بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو تم میں سے بہترین اخلاق والے ہیں۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بیشک مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''

[أحمد 8952 ؛ البخاری /الأدب المفرد 273]

اچھے اخلاق کے فضائل اور اس کے بلند مقام و مرتبہ کے بیان اور دنیا و آخرت میں اس کے اچھے نتائج و ثمرات میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے نبی کریم ﷺ کے کمال درجہ کے اعلی اور عظیم تر اچھے اخلاق اور حسن کردار کی تعریف کی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾﴾[۶۸:۴]

''اور بیشک آپ بڑی شان کے اخلاقِ عظیم پر ہیں۔''

آپ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر با اخلاق اور کامل ادب والے اور حسن معاشرت والے؛ بہترین معاملہ کرنے والے تھے۔آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و سلام اور برکتیں ہوں۔آپ ہر قسم کے اچھے اخلاق اچھے معاملہ اور بہترین ادب میں لوگوں کے لیے ایک بہترین نمونہ تھے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾﴾[۳۳:۲۱]

''بیشک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے؛ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔''

شریعت اسلام میں اخلاق کا باب بہت ہی وسیع ہے؛ جو کہ صرف مخلوق کے ساتھ حسن سلوک تک خاص نہیں؛ بلکہ یہ اخلاق اور آداب اللہ تعالیٰ اور بندے کے مابین بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی اور بندوں کے مابین بھی۔یہی وجہ ہے کہ جو کوئی بھی غیر اللہ کی بندگی کرتا ہے اس کے اخلاقیات سب سے زیادہ گرے ہوئے ہوتے ہیں۔تو اس انسان کے اخلاق کہاں ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا؛ اسے رزق دیکر اس کی مدد فرمائی؛ اور اپنے فضل سے ہر قسم کی نعمتیں اس پر انعام کیں۔اسے صحت و عافیت دی۔پھر وہ اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے پاس پناہ پکڑتا ہے؛ اور اس کے ہاں گریہ وزاری کرتا ہے۔اور عبادت کو غیر اللہ کے لیے بجالاتا ہے؟۔اس لیے اس انسان کے اخلاق سب سے بگڑے ہوئے اور برے ہیں؛

---

[1] سنن الترمذی حدیث نمبر: 2018 ---البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔الصحیحة (791)...پوری حدیث اس طرح ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''میرے نزدیک تم میں سے (دنیا میں) سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو تم میں بہترین اخلاق والے ہیں، اور میرے نزدیک تم میں (دنیا میں) سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے دور بیٹھنے والے وہ لوگ ہیں جو باتونی، بلا احتیاط بولنے والے، زبان دراز اور تکبر کرنے والے۔''

کیونکہ وہ شرک پر لگا ہوا ہے۔ ہر مشرک بد اخلاق ہوتا ہے۔ اس کا شرک کرنا ہی اخلاقی بگاڑ کا نتیجہ ہے۔ بلکہ سب سے پرلے درجہ کی بد اخلاقی شرک کا ارتکاب ہے۔ پس اس صورت میں بعض کفار کے بعض اچھے معاملات کی وجہ سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ ان کا یہ رویہ ان کی دنیاوی مصلحتوں اور قریبی مقاصد کے تحت ہوتا ہے؛ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں بروز قیامت کسی قسم کے ثواب کی کوئی امید نہیں رکھتے۔

فائدہ مند اخلاق وہی ہیں جن کا حامل اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہو؛ تاکہ بروز قیامت وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شرف اور جنت میں داخلہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو اور بلند درجات پر فائز ہو کر کامیابی حاصل کر سکے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝﴾[٧٦:٩]

''ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں چاہتے۔''

اور نہ ہی وہ بدلہ اور معاوضہ/قرض چکانے کے طور پر ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے۔'' [البخاری؛ حدیث نمبر: 5991]

جو کوئی دنیاوی معاملات کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتا ہے؛ تو اسے دنیا میں سے صرف اتنا کچھ ہی مل سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے نصیب میں لکھ دیا ہے۔ مگر وہ اپنے لیے آخرت میں ثواب کا نقصان کر رہا ہے۔ اسے بدلہ اور معاوضہ کے طور پر اچھے اخلاق اپنانے کا نتیجہ برداشت کرنا پڑے گا۔ بہت سارے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اچھی طرح سے جواب نہیں دے سکتے۔ اور نہ ہی وہ احسان کرنے والے کے ساتھ اچھی طرح سے سلوک کرنا جانتے ہیں۔ بلکہ بہت سارے لوگ گندی طبیعت کے مالک ہوتے ہیں؛ اگر ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو وہ اپنے محسن کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔ خیر خواہ ناصح لوگوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے میں ان سے کسی بدلہ یا جزاء کی امید یا انتظار نہیں کرتا۔ اس کی نظر اور امید اس چیز پر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن احادیث میں حسن اخلاق کی ترغیب وارد ہوئی ہے ان میں قیامت کے دن حسن اخلاق کا ثواب بیان ہوا ہے کہ وہ انسان جنت میں داخل ہوگا؛ اور اسے بلند درجات پر فائز کیا جائے گا؛ اور جیسے جیسے انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کرتا جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہوتا جاتا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کے اپنے اجر و ثواب میں اس کی امید بڑھ جاتی ہے۔ اگر انسان ایسا اللہ کی رضامندی اور اس کی خوشنودی کے لیے نہ کرے؛ بلکہ اس کا مقصد دنیاوی مصلحت ہو تو اس کا شمار انسان کے نیک اعمال میں نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ نیک اعمال کی شرط یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ثواب کی امید رکھی جائے۔ اور عمل کرنے والے کا مقصود اللہ تعالیٰ کی قربت کا حصول ہو۔

خلاصہ کلام! اخلاق کا دین میں بہت بڑا بلند اور عالیشان مقام ہے؛ شیخ رحمہ اللہ کا مقصد یہاں پر ان جملہ امور اخلاق میں سے چند ایک اچھے اخلاقیات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ جن سے ایک مسلمان کو متصف ہونا چاہیے۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر مسلمان کے لیے مشروع اخلاق سے مزین ہونا'' اورپھر ان جملہ اخلاقیات میں سے بطور اشارہ چند ایک کا شمار شروع کردیا؛ تمام امور اخلاق بیان نہیں فرمائے؛ اسی لیے فرمایا:''انہی میں سے چند یہ ہیں'':

سچائی:...... صداقت وہ سب سے بڑا اسلامی اخلاق ہے جو اسلام میں سچے مسلمان کی فضیلت ظاہر کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [۹:۱۱۹]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم پر سچائی کو لازم پکڑنا ضروری ہے۔ بلاشبہ سچ آدمی کو نیکی کی طرف بلاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے؛ اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔'' (البخاری 6094 ؛ مسلم 2607)

سب سے بڑے مقام و مرتبہ والی اور اونچی شان والی سچائی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ [۳۳:۲۳]

''مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کردیا جو عہد اللہ سے کیا تھا۔''

پس وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی توحید میں اور اس پر ایمان میں ؛ اس کی عبادت اور قربت حاصل کرنے میں سچا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو (دوزخ کی) آگ پر حرام کر دیتا ہے۔'' (البخاری 128)

لا اله الا اللّٰه کا اقرار ایمان کی سب سے بڑی شاخ اور اسلام کی سب سے اونچی بنیاد ہے؛ اور یہ اقرار اور گواہی سچائی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ حدیث میں بھی ہے:''سچے دل سے گواہی دے۔''

''**صدق**''(سچائی) کا مطلب ہے کہ دل اور زبان میں موافقت ہو۔ یعنی جو کچھ انسان زبان سے کہے؛ اس کے دل میں بھی وہی کچھ ہو۔ اگر ظاہر و باطن؛ اور اسرار و اظہار میں اختلاف ہو تو یہ نفاق (منافقت) ہے۔

بسا اوقات یہ نفاق نفاق اکبر ہوتا ہے؛ اور کبھی نفاق اصغر۔ یہ سب کچھ ظاہر اور باطن میں اختلاف کے حساب سے ہوتا ہے۔ جب انسان ایمان کا اظہار کرتا ہو؛ اور دل میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و انکار چھپایا ہو؛ تو یہ نفاق اکبر ہے۔ اور اگر صداقت و وفاداری کا اظہار کررہا ہو؛ مگر باطن میں جھوٹ اور خیانت پوشیدہ ہو تو یہ نفاق اصغر ہے؛ اسے عملی نفاق بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

(البخاری 33مسلم 59)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

جب جھوٹ بولنا نفاق کی نشانی ہے تو بیشک سچ بولنا ایمان کی نشانی و علامت ہے۔مسلمان پر سچائی کا اہتمام کرنا واجب ہے۔اور چاہیے کہ سچائی اس کی صفت ؛ زینت جمال اور کردار ہو؛ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کردہ انعامات حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے جو اس نے اپنے سچے بندوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''امانت داری'': دین میں امانت کا بہت بڑا مقام و مرتبہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے امانت کو زمین و آسمان پر پیش کیا مگر وہ اس کی منزلت اور شان کی وجہ سے اس کا بوجھ برداشت کرنے سے ڈر گئے؛فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾[۳۳:۷۲]

''بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی، بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔''

امانت عمومی معنی کے اعتبار سے پورے دین کو شامل ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی توحید کے لیے پیدا کیا ہے اور اپنی اطاعت گزاری کے لیے انہیں وجود بخشا ہے۔ہر انسان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس امانت کی حفاظت اور اس کا خوب اہتمام کرے۔لوگ اس سلسلہ میں تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔یہ تین اقسام اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں:

﴿ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾[۳۳:۷۳]

''تاکہ اللہ عذاب منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اور اللہ توبہ قبول فرمائے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

1۔ **پہلی قسم:** جنہوں نے ظاہراً اس امانت کی حفاظت کی مگر ان کا باطن خراب ؛ تباہ و برباد ہے۔ یہ لوگ منافق ہیں۔

2۔ **دوسری قسم:** جنہوں ظاہری اور باطنی طور پر اسرار و اعلان میں اس امانت کو ضائع کر دیا۔ یہ لوگ مشرک ہیں۔

3۔ **تیسری قسم:** جنہوں ظاہری اور باطنی طور پر اسرار و اعلان میں اس امانت کی حفاظت کی۔ یہ لوگ مؤمن ہیں۔

امانت داری میں سے: لوگوں کے حقوق حفاظت ؛ اور ان کے اقوال و مصلحتوں اور منفعت میں اور دیگر امور میں ان

کے ساتھ وفاداری بھی ہے۔ انسان کے تمام حواس بھی امانت ہیں۔ بروز قیامت اللہ ان کی بابت پوچھے گا۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾﴾ [١٧:٣٦]

''اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال ہونا ہے۔''

اور انسان کا مال اور اولاد بھی اس کے پاس امانت ہیں؛ ان کے متعلق بھی بروز قیامت سوال ہوگا۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾﴾ [٨:٢٨]

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت کرو، اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے اور اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔''

فتنہ:......یعنی امتحان اور آزمائش کہ کیا اس نے اس مال اور اولاد سے متعلق امانت کو ادا کیا ہے یا نہیں؟ ایک خیر خواہ مسلمان کا اخلاق یہ ہونا چاہیے کہ وہ اس امانت کی نگہداشت اور خوب عمومی و خصوصی اہتمام کے ساتھ حفاظت کرے۔

۞ ''پاک دامنی'': پاکدامنی حرام چیزوں اور گناہ اور فحاشی سے اجتناب کی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (النور 33)

''اور چاہیے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کا مقدور نہیں رکھتے حتی کہ اللہ اپنے فضل سے غنی کر دے۔''

جس کے پاس نکاح کرنے کی گنجائش نہ ہو اسے چاہیے کہ وہ پاکدامنی اختیار کرے؛ اور اللہ تعالیٰ اطاعت گزاری میں اور تقوی کے حصول کے لیے حرام کاری سے دور رہے۔ اور ایسے ہی جس کے پاس مال نہ ہو؛ اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ کر رہے؛ کوئی دے یا نہ دے۔ حدیث مبارک میں ہے:

''جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے سوال کرنے سے محفوظ ہی رکھتا ہے۔''

(البخاری 1469 مسلم 1053)

۞ ''شرم و حیاء'': حیاء مومن ایک عظیم الشان اخلاقی وصف ہے جس سے اس کی ذات مزین ہوتی ہے۔ جب مؤمن میں حیاء پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ہر بری اور گھٹیا حرکت سے رک جاتا ہے اور اعلی اور فاضل اخلاق کو اپناتا ہے۔ اس لیے حیاء سراسر خیر و بھلائی ہی ہے۔ صرف خیر و بھلائی کا سبب ہے۔ جب انسان میں حیاء نہ رہے تو اس سے خیر و برکت ختم ہو جاتے ہیں اور اسے کوئی بھی برائی اور گناہ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ))

(البخاری 6120)

''بیشک اگلے پیغمبروں کا کلام جو لوگوں کو ملا اس میں یہ بھی ہے کہ جب شرم نہ رہی تو پھر جو جی چاہے وہ کرے۔''

سب سے بڑی اور عظیم الشان حیاء اللہ رب العالمین؛ مخلوق کے خالق سے حیاء ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی ایسا کام کرتے ہوئے نہ دیکھے جس سے اس نے منع کیا ہے۔ بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء کرتے رہیں۔ اس حیاء کی وجہ سے حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ اور گناہوں کا ارتکاب نہ کریں؛ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کی ہر حرکت سے آگاہ ہیں؛ آپ کا کوئی کام اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے حیاء یہ ہے کہ انسان اپنے حواس اور اعضاء کی حفاظت کرے۔ اور اپنے پیٹ کو حرام سے محفوظ رکھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

((وَلَكِنَّ الِاسْتِحْيَاءَ مِنَ اللَّهِ حَقَّ الْحَيَاءِ أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعَى، وَتَحْفَظَ الْبَطْنَ وَمَا حَوَى، وَتَتَذَكَّرَ الْمَوْتَ وَالْبِلَى، وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا))

(أحمد 3671 ترمذی 2458)

''اللہ سے شرم و حیاء کرنے کا حق یہ ہے کہ تم اپنے سر اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں ہیں ان سب کی حفاظت کرو۔ اور اپنے پیٹ اور اس کے اندر جو چیزیں ہیں ان کی حفاظت کرو۔ اور موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو یاد کیا کرو، اور جسے آخرت کی چاہت ہو وہ دنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دے۔''[1]

انسان کے حیاء میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ برے تعامل و کردار اور بری اعمال و اخلاق سے دور رہے۔ یہ تمام امور حیاء کے منافی ہیں۔

❁ ''شجاعت'' بہادری اور شجاعت کا استعمال اگر اپنے مقام پر اور درست ہو تو یہ عزت اور کامیابی ہے؛ اور غیر مناسب جگہ پر اس کا استعمال ہلاکت و بربادی اور جاہلیت ہے۔

مؤمن کی شجاعت کا اصل منبع اس کا ایمان اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ پر پختہ توکل؛ اعتماد ہوتا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا؛ نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کا خوف رکھتا ہے؛ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ سے غلبہ کا طلبگار ہوتا ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس کی عزت نفس اور ایثار اور اچھے اخلاق و عادات اسے اچھا سلوک اور نیکی و احسان کرنے پر ابھارتے ہیں جو کہ اصل میں نفس کی شجاعت اور اس کی قوت ہے کہ اپنی محبوب چیز کی جدائی برداشت کرنا اور اپنے غصہ کو پیتے ہوئے عفو و درگزر سے کام لینا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے نفس کی قوت و شجاعت اور بہادری کی وجہ سے

---

[1] یہ پوری حدیث اس طرح ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء کرو جیسا کہ اس سے شرم و حیاء کرنے کا حق ہے۔'' ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم اللہ سے شرم و حیاء کرتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''حیاء کا یہ حق نہیں جو تم نے سمجھا ہے، اللہ سے شرم و حیاء کرنے کا جو حق ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنے سر اور اس کے ساتھ جتنی چیزیں ہیں ان سب کی حفاظت کرو۔ اور اپنے پیٹ اور اس کے اندر جو چیزیں ہیں ان کی حفاظت کرو۔ اور موت اور ہڈیوں کے گل سڑ جانے کو یاد کیا کرو، اور جسے آخرت کی چاہت ہو وہ دنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دے پس جس نے یہ سب پورا کیا تو حقیقت میں اسی نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کی جیسا کہ اس سے حیاء کرنے کا حق ہے۔'' (شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے: صحیح الجامع 935)

اپنے نفس پر ضبط کو بحال رکھا جاتا ہے۔ اور اسے کسی بھی قسم کے نزاع ایسے امر سے لگام دی جاتی ہے۔ فرمان نبوی ہے:

''پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی لڑنے میں غالب ہو جائے بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے بے قابو نہ ہو جائے۔'' (البخاري 6114 ؛ مسلم 2609)

یہ حقیقی شجاعت و بہادری اور ایسا ملکہ ہے جس کی بدولت انسان اپنے دشمن پر غالب آ سکتا ہے۔'' (مدارج 2/294)

- ''سخاوت'': کرم نوازی ؛ یہ مال خرچ کرنے اور عطیات بخشنے کو شامل ہے۔ اور اس کا حصول کریمانہ اخلاق کی بدولت ہی ممکن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسلمان کی اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کرم نوازی یہ ہے ان کے ساتھ حسن برتاؤ؛ اچھا سلوک اور ان کی مدد کے لیے ہاتھ آگے بڑھانا اور ان کے ساتھ عمدہ اور پاکیزہ معاملہ کرنا۔

کرم نوازی میں مال خرچ کرنا؛ سخاوت اور کشادہ دلی؛ اور عطیات سے نوازنا بھی داخل ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (تغابن 16)

''اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے محفوظ رکھا جائے وہی کامیاب ہے۔''

پس کامیابی کرم نوازی میں ہے۔ اور ہلاکت بخل اور کنجوسی میں ہے۔

- '' وفاداری'' یعنی جو وعدہ یا عہد و پیمان کیا ہوا سے نبھانا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (الانعام 1)

''اے ایمان والو! عہد و پیماں پورے کرو۔''

پس مسلمان نے جس چیز کا عہد کیا ہوا سے پورا کرتا ہے۔ یہ عہد عقد نکاح؛ خرید و فروخت ؛ اور دیگر ان تمام معاملات کو شامل ہے جو اس مسلمان کے اور اس کے دوسرے بھائیوں کے مابین ہوتے ہیں۔ پس مسلمان کی ایک نمایاں صفت اور اس کی زینت اور اعلی اخلاق کی نشانی اس کا اہل وفاء میں سے ہونا ہے۔

- ''اللہ تعالیٰ کی تمام حرام کردہ چیزوں سے اجتناب۔'' مسلمان ہر حرام چیز سے بچنے والا ہوتا ہے؛ وہ ڈر کر رہتا ہے کہ کہیں وہ حرام میں نہ پڑ جائے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اس کی ناراضگی اور عقاب کے ڈر سے اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے دور رکھتا ہے۔ مسلمان بچنے والا ہوتا ہے؛ وہ حرام کاموں ؛ برے اخلاق اور بد معاملگی سے بچ کر رہتا ہے؛ وہ اپنے دین کی حفاظت اور اپنے اخلاقیات کی رعایت میں شر و فساد کے ساتھ اختلاط سے بچ کر رہتا ہے۔

- ''بہترین ہمسائیگی'': یہ بھی عظیم الشان اسلامی اخلاقیات میں سے ایک ہے جس کی تاکید شریعت مطہرہ میں آئی ہے۔ حتی کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''جبرائیل علیہ السلام مجھے اس طرح بار بار پڑوسی کے حق میں وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک نہ کر دیں۔'' (البخاری 6015 ؛ مسلم 2625)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔عرض کیا گیا کون: یا رسول اللہ؟ کون ایمان والا نہیں؟ فرمایا:'' وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔'' (البخاری 6016 ؛ مسلم 61)

حسن پڑوس:......انسان اپنے پڑوسی کو کسی بھی قسم کی زبانی یا فعلی تکلیف دینے سے دور رہے۔

حسن پڑوس:...... انسان اچھا اور پاکیزہ معاملہ رکھے؛ پڑوسی کے حقوق کا خیال رکھے؛ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے پڑوسی کے ساتھ احسان کرنے کا جو حکم دیا ہے؛ اس میں ان کی اطاعت کرے۔''

۞ '' حسب استطاعت ضرورت مند کی مدد کرنا'': یعنی جتنا انسان کے بس میں ہو؛ اس قدر تعاون کرے۔ حدیث شریف میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ))

''اور اللہ اس بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جو اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے۔''

اور فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

'جس آدمی نے کسی مومن سے دنیا میں مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں کو دور کرے گا۔''[1]

'' ان کے علاوہ دیگر وہ اخلاق جن کی مشروعیت کتاب یا سنت سے ثابت ہے'': یہ اخلاقیات بہت زیادہ ہیں۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ان عظیم الشان اخلاقیات میں سے ان چند ایک کی طرف اشارہ تھا جن سے ایک مسلمان کو بہرہ ور ہونا چاہیے۔ اور جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس میں ذکر نہ کئے جانے والے کی طرف تنبیہ ہے۔

بعض اہل علم رحمہم اللہ نے اس سلسلہ میں بطور خاص علیحدہ کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سب سے وسیع اور جامع کتاب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب اپنی ترتیب ؛ جمع نصوص اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے آثار و مرویات میں سے دلائل ذکر کرنے کی وجہ سے اپنے باب میں بہت ہی عظیم الشان کتاب ہے۔

---

[1] صحیح مسلم 2699: یہ پوری حدیث اس طرح ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' جس آدمی نے کسی مومن سے دنیا میں مصیبتوں میں سے کسی مصیبت کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں کو دور کرے گا۔ اور جس نے تنگ دست پر آسانی کی اللہ اس پر دنیا میں اور آخرت میں آسانی کرے گا۔ اور اللہ اس بندے کی مدد میں ہوتے ہیں جو اپنے بھائی کی مدد میں لگا ہوتا ہے۔ اور جو ایسے راستے پر چلا جس میں علم کی تلاش کرتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ذریعہ جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور اس کی تعلیم میں مصروف ہوتے ہیں ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ ان کا ذکر اپنے پاس موجود فرشتوں میں کرتے ہیں اور جس شخص کو اس کے اپنے اعمال نے پیچھے کر دیا تو اسے اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

سولھواں سبق:

اسلامی آداب

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سولھواں سبق: اسلامی آداب سے آراستہ ہونا:

اسلامی آداب سے آراستہ و پیراستہ ہونا، جن میں سے چند آداب حسب ذیل ہیں:

۱۔ سلام کرنا۔ ۲۔خندہ پیشانی سے پیش آنا۔

۳۔ دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔

۴۔ کھانا شروع کرتے وقت "بِسْمِ اللهِ" اور فارغ ہونے کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پڑھنا۔

۵۔ چھینک کے آنے کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پڑھنا۔

۶۔ چھینکنے والا جب "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے تو اس کا جواب دینا۔

۷۔ مریض کی عیادت کرنا۔

۸۔ نماز پڑھنے اور دفن کے لیے جنازے کے پیچھے جانا۔

۹۔ مسجد یا گھر میں داخل ہوتے یا نکلتے وقت، سفر کے وقت، والدین، رشتہ داروں، پڑوسیوں، بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں، نومولود کی تہنیت اور شادی کی مبارک باد دینے میں، مصیبت زدہ شخص کی تعزیت کرنے میں اوران کے علاوہ کپڑے پہننے اور اتارنے، جوتے پہننے اور نکالنے وغیرہ میں اسلامی آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔"

شرح:

اسلامی شریعت کامل آداب کی شریعت ہے؛ جس میں انسان کے ہر ایک سلوک اور برتاؤ کے کامل آداب ہیں۔ اس کا والدین کے ساتھ سلوک؛ پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ؛ خرید و فروخت؛ استاذ اور شاگرد کے مابین تعلقات؛ گھر میں آنے جانے کے آداب؛ جانور پر سواری؛ سفر؛ مسجد میں داخل ہونا اور باہر نکلنا؛ اور دیگر تمام امورِ عبادات جیسے نماز؛ حج اور روزہ کے بھی خاص آداب ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ نے اختصار کے ساتھ ان جملہ اسلامی آداب میں سے چند ایک یہاں پر بیان کئے ہیں؛ ان میں:

❁ سلام کرنا۔ سلام کو عام کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا۔ أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ)) (مسلم 54)

"تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ ایمان نہیں لاؤ گے اور پورے مومن نہیں بنو گے جب تک کہ

آپس میں محبت نہیں کرو گے۔ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جب تم اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگ جاؤ گے وہ یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔''

مسلمانوں کے مابین سلام کو عام کرنے بہت ہی مثبت نتائج مرتب ہوتے ہیں ؛ اور اس کے اصل اور مبارک نتائج دنیا و آخرت میں ملنے والے ہیں۔

۞ ''خندہ پیشانی سے پیش آنا'': انسان اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے ہنستے مسکراتے ہوئے خندہ پیشانی سے ملے ؛ مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیکی کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))(مسلم 2626)

''نیکی میں کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر چہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی (خوش روی) سے ہی ملے۔''

۞ دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ یہ تمام کھانے پینے کے آداب ہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ صرف دائیں ہاتھ سے کھائے اور پیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائیں ہاتھ سے کھانے اور پینے سے منع کیا ہے؛ اور فرمایا ہے:

((لَا تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ ويشرب بشماله))(مسلم 2020)

''تم بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ ؛ بے شک شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے؛ اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔''

پس جو کوئی بائیں ہاتھ سے کھاتا (اور پیتا) ہے وہ شیطان کی مشابہت اختیار کرتا ہے۔

۞ کھانا شروع کرتے وقت "بِسْمِ اللهِ" اور فارغ ہونے کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' پڑھنا'': کھانے کا ادب یہ ہے کہ شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے ؛ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((يَا غُلَامُ سَمِّ اللَّهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ)) (البخاری 5376 ؛ مسلم 2022)

''اے لڑکے! اللہ کا نام لے اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے سامنے سے کھا۔''

اور کھانے کے بعد آخر میں اس فضل و انعام پر اللہ کی حمد وثنا بیان کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

''بیشک اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ وہ ایک لقمہ کھائے تو اس پر اس کی حمد بیان کرے یا پانی کا ایک گھونٹ پیئے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔'' [مسلم في الذكر والدعاء (2734)].

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کھانے میں جب چار چیزیں جمع ہو جائیں تو وہ کھانا کامل ہوتا ہے:

1۔ شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے۔ 2۔ آخر میں حمد بیان کی جائے۔

3۔ کھانے والے ہاتھ زیادہ ہوں۔ 4۔ کھانا حلال مال سے ہو۔'' (زاد المعاد 4/ 213)

چھینک کے آنے کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پڑھنا۔ اور چھینکنے والا اگر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے تو اس کا جواب دینا'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے اور جمائی کو ناپسند فرماتا ہے۔ جب کوئی شخص چھینکے اور الحمد للہ کہے تو ہر

مسلمان پر جو اس کو سنے واجب ہے اس کا جواب دے (یرحمك الله کہے)۔ اور جمائی شیطان کی طرف سے ہے جہاں تک ممکن ہو اس کو روکے۔ جب کوئی شخص ہاہا کی آواز نکالتا ہے تو اس پر شیطان ہنستا ہے۔''

[متفق علیه: رواه البخاري في الأدب (6223) ومسلم في الزهد (2994)]

چھینکنے پر الحمدللہ کی کہنے میں حکمت کے متعلق شیخ الاسلام علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بیشک چھینکنے والے کی چھینک سے اسے نعمت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کے دماغ زائد اور فالتو گیس نکل جاتی ہے۔ اگر یہ گیس باقی رہ جاتی تو سخت بیماری کا سبب بن سکتی تھی۔ اسی لیے اس نعمت کے حصول پر الحمد للہ کہنا مشروع ٹھہرایا گیا ہے؛ کہ بدن میں پیدا ہونے والے اس زلزلہ کے بعد بھی باقی اعضاء اپنی حالت اور ہیئت پر اپنی اصل حالت پر موجود ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے لیے ہی تعریف ہے جیسے اس کی عزت اور جلال کے لائق ہے۔'' (زاد المعاد 401/2)

برادر مسلم! اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان ہو؛ ذرا اس جمال و کمال پر نظر ڈالیں جس کی طرف دعوت چھینک کے وقت شریعت اسلام نے دی ہے۔ حمد و ثناء؛ رحمت کی طلب اور دعا۔ چھینک مارنے والا الحمد للہ کہتا ہے؛ اس کا سننے والا اس کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہے؛ پھر یہ اس کے بدلہ میں اس کے لیے ہدایت اور اصلاح احوال کی دعا کرتا ہے۔ پس یہ کتنا ہی مضبوط تعلق ہے اور کتنا خوبصورت رابطہ وصال ہے۔

- '' مریض کی عیادت کرنا'': مریض کی عیادت کرنا اس کے مسلمان بھائیوں پر اس کا حق ہے۔ اس عیادت کے موقع پر اس کے لیے شفاء اور عافیت کی دعا کی جاتی اور اسے تسلی دی جاتی ہے جس سے وہ نیک فال لیتا ہے اور اس میں نشاط اور حرکت پیدا ہوتی ہے۔

- ''نماز پڑھنے اور دفن کے لیے جنازے کے پیچھے جانا'' یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائیوں پر حق ہے۔ اور اس پر بہت بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ شَهِدَ الْجَنَازَةَ حَتَّى يُصَلِّيَ فَلَهُ قِيرَاطٌ وَمَنْ شَهِدَ حَتَّى تُدْفَنَ كَانَ لَهُ قِيرَاطَانِ قِيلَ وَمَا الْقِيرَاطَانِ قَالَ مِثْلُ الْجَبَلَيْنِ الْعَظِيمَيْنِ)) (البخاری 1325؛ مسلم 945)

''جو شخص جنازہ میں شریک ہو حتی کہ نماز پڑھ لے؛ تو اس کے لئے ایک قیراط ہے اور دفن کئے جانے تک حاضر رہے تو اس کے لئے دو قیراط ہیں۔ پوچھا گیا کہ دو قیراط کیا ہیں؟ فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کی طرح ہیں۔''

- ''اور شرعی آداب میں سے مسجد یا گھر میں داخل ہوتے یا نکلتے وقت دعا پڑھنا'': مسجد میں داخل اور خارج ہونے کے خاص آداب ہیں۔ ان میں سے: مسجد میں داخل ہوتے وقت دائیاں پاؤں مقدم رکھا جائے اور نکلتے ہوئے بائیاں پاؤں؛ اور داخل ہوتے ہوئے اور باہر نکلتے ہوئے یوں کہنا چاہیے:

''بسم اللّٰہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللّٰہ''

پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جائیں۔ اور باہر نکلتے ہوئے دعا کرکے کہ اس کے لیے فضل/ روزی کے دروازے کھول دیے جائیں۔

حضرت ابوحمید یا ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے پھر یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ افتَح لِی اَبوَابَ رَحمَتِكَ))

''اے اللہ! میرے لئے رحمت کے دروازے کھول دے۔''

اور جب مسجد سے نکلے تو یہ دعا پڑھے: ((اَللّٰھمَّ اِنِّی اَسئَلُكَ مَن فَضلِكَ))

''اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں۔''

أبو داود (465)،وابن ماجه(772)،وصحّحه ابن حبان (2048). ورواه مسلم (713) وليس عنده لفظ "التسليم".

مسجد میں داخل ہوتے اور باہر نکلتے ہوئے شیطان سے پناہ مانگنا بھی مسنون عمل ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے کہے:

((اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِوَجْھِهِ الْکَرِیْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ)) (ابوداؤد)

''میں عظمت والے اللہ کی اور اس کے رخ زیبا اور اس کے ازلی اقتدار کی شیطان مردود سے پناہ پکڑتا ہوں۔''

اور مسجد سے باہر نکلتے ہوئے یوں کہے:

((اللهم احفظني من الشيطان))[رواه النسائي في عمل اليوم والليلة (91) بإسناد جيد.]

''اے اللہ! شیطان سے میری حفاظت فرما۔''

اس میں راز اور حکمت یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے شیطان کی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ عبادت کے حسن اور لذت کو خراب کر دے؛ اور باہر نکلتے ہوئے کوشش ہوتی ہے کہ اس عبادت کے اثر سے محروم رکھے؛ اور اسے کسی حرام ٹھکانہ پر یا حرام کام کی طرف لے جائے؛ یا کوئی حرام حرکت کرادے۔ تاکہ اس عبادت کے پھل سے محروم رہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان ابن آدم کی راہوں میں بیٹھا ہوا ہے۔''

(احمد 15958 ؛ نسائی 3134)

ایسے ہی گھر میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے آداب ہیں۔ جب انسان گھر میں داخل ہو تو بسم اللہ پڑھے؛ اور سلام کرے؛ اس کی برکت اس کے لیے اور اس کے اہل وعیال اور گھر بار کے لیے ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب آدمی اپنے گھر داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ: ''آج تمہارے لئے اس گھر میں رات گزارنے کی جگہ نہ ملی۔''

اور جب گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کہ: ''رات گزارنے کی جگہ مل گئی۔''

اور جب کھانا کھانے کے وقت اللہ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کہ:

''رات گزارنے کی جگہ اور شام کا کھانا مل گیا۔'' [صحیح: رواہ مسلم في الأشربة (2018).]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کیا کرو، یہ سلام تمہارے لیے اور تمہارے گھر والوں کے لیے خیر و برکت کا باعث ہوگا۔''

(ترمذی ح: 2698 ۔ حسنہ الالبانی رحمہ اللہ ؛صحیح الجامع 6419)

اور جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے:

((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ))

(صححه الألباني في صحيح سنن الترمذي ٣٤٢٦)

''اللہ ہی کے نام سے' میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، گناہ سے بچنے کی ہمت ہے نہ نیکی کرنے کی طاقت، مگر اللہ ہی کی توفیق سے۔''

اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اس کی پناہ مانگے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ)) (صحيح سنن ابي داؤد ٥٠٩٤)

''اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں گمراہ ہوجاؤں یا مجھے گمراہ کردیا جائے، میں پھسل جاؤں یا مجھے پھسلا دیا جائے، میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے، میں کسی سے جہالت سے پیش آؤں یا میرے ساتھ جہالت سے پیش آیا جائے۔''

- سفر کے وقت'': سفر کے کئی آداب ہیں۔ مسافر کو چاہیے ان کی معرفت حاصل کرے اور ان سے بہرہ ور ہونے کا اہتمام کرے۔ جیسے سوار ہونے اور اترنے کے آداب؛ بستی میں داخل ہونے کے آداب؛ اور جو شریعت مبارکہ میں اس سلسلہ میں دعائیں وارد ہوئی ہیں؛ مسلمان کو ان کا اہتمام کرنے پر حریص ہونا چاہیے۔
- ''اور والدین کے ساتھ'': بیشک لوگوں میں حسن ادب کے سب سے زیادہ مستحق والدین ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے؛ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ پوچھا: اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تمہارا باپ ہے۔'' (البخاری 5971؛ مسلم 2548)

ایک دوسری حدیث میں ہے: ''اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرو؛ پھر اپنے باپ کے ساتھ؛ پھر اپنی بہن کے ساتھ پھر اپنے بھائی کے ساتھ پھر قریب سے قریب تر کے ساتھ۔'' (الحاکم 7245 ؛ الإرواء 322/3؛ / صحیح)

پس والدین حسن معاملہ اور آداب کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''الادب المفرد''

میں پہلا باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: ''باب بر الوالدین۔'' اس میں تنبیہ ہے کہ والدین تمام لوگوں سے بڑھ کر ادب اور حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ ان کے عظیم الشان حقوق پر دلالت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی ایک مواقع پر ان کے حقوق کو اپنے حق کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴿٢٤﴾﴾ [۱۷:۲۴]

''اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پُوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دنوں نے مجھے بچپن میں پالا۔''

یعنی ان کے ساتھ احسان اور ہر لحاظ سے قول و فعل میں اچھا سلوک کرو؛ کیونکہ والدین انسان کے وجود کا سبب ہوتے ہیں اور انہوں نے انسان کی تربیت اور اس کے ساتھ حسن سلوک میں بہت کچھ کیا ہوتا ہے۔

- ''اور قرابت دار'': جیسا کہ سابقہ حدیث میں گزرا: ''پھر قریب سے قریب تر کے ساتھ۔'' پس مسلمان کو کوشش کرنا چاہیے کہ وہ ان کے ساتھ کریمانہ آداب کا معاملہ کرے۔ اور ان کے حقوق کی نگہداشت کرے صلہ رحمی کرے۔ ان کے ساتھ احسان کرے؛ اور برائی کرنے سے دور رہے اور اجتناب کرے۔

- ''اور پڑوسی'': شریعت کے آداب میں سے پڑوسی کے ساتھ کے آداب بھی ہیں؛ اس کے حقوق کا خیال رکھیں اور اسے تکلیف دینے سے بچ کر رہیں۔ اس کے ساتھ حسب استطاعت قولی اور فعلی طور پر احسان اور حسن سلوک کرنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں شریعت میں بہت بڑی وصیتیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''جبرائیل علیہ السلام مجھے اس طرح بار بار پڑوسی کے حق میں وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک نہ کر دیں۔'' (البخاری 6015 ؛ مسلم 2625)

- ''اور بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ آداب'': ہر ایک کا ادب اس کے مقام کے اعتبار سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے: ''جو ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے؛ وہ ہم میں سے نہیں۔''

(أحمد 6643 ؛ حسنه الألبانی / صحيح الجامع 5443)

پس بڑے کے ساتھ عزت اور توقیر اور احترام کا معاملہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللَّهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ))(أبو داؤد 4843 ؛ صحيح الجامع 2199)

''معمر اور سن رسیدہ مسلمان کی عزت و تکریم دراصل اللہ کے اجلال و تکریم ہی کا ایک حصہ ہے۔''

چھوٹے کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا جائے۔ جو مہربانی نہیں کرتا؛ اس پر مہربانی نہیں کی جاتی۔ صحیحین میں ہے حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا؛ تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میرے تو دس بیٹے ہیں میں نے تو ان میں سے کسی سے پیار نہیں کیا۔'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ)) (البخاری 5998؛ مسلم 2318)

''جو آدمی رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

صحیحین میں ہے؛ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا؛ اور کہنے لگا: ''کیا آپ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؛ ہم تو نہیں چومتے (یعنی ہم اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتے)۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَ وَأَمْلِكُ لَكَ إِنْ نَزَعَ اللَّهِ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ)) (البخاری 5998 ؛ مسلم 2317)

''میں کیا کرسکتا ہوں اگر اللہ نے تمہارے دل سے رحم نکال دیا ہے۔''

* '' ایسے ہی بچے کی مبارکباد دینا'' اور اس کے والدین کے لیے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اسے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ائمہ ہدایت میں سے بنادے؛ اور اسے اپنے گھر والوں اور امت اسلامیہ کے لیے بابرکت بنا دے۔ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حضرت ایوب نے ایک آدمی کو بچے کی مبارکباد ان الفاظ میں دی: ''اللہ تعالیٰ اسے آپ کے لیے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکت والا بنا دے۔'' (الطبرانی /الدعا 946 ؛ ابو نعیم /الحلیه 8/3)

یہ بہت بڑی دعا ہے۔ اور اس مناسبت سے اچھی دعا دینا چاہیے اور پر تکلف اور غلط کلمات سے بچ کر رہنا چاہیے۔

سری بن یحی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: ''بیشک ایک آدمی جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا؛ اس کے گھر بیٹا پیدا ہوا؛ تو اسے ایک دوسرے شخص نے مبارکباد دی۔ اور کہا: ''یہ شہسوار تمہیں مبارک ہو'' تو حضرت حسن نے کہا: تمہیں کیا معلوم ہے کہ یہ شہسوار ہوگا؟ ممکن ہے وہ نجار ہو؛ ممکن ہے درزی ہو؟ تو اس نے کہا: پھر میں کیا کہوں؟ تو فرمایا: ''یوں کہو: ''اللہ تعالیٰ اسے آپ کے لیے اور امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برکت والا بنا دے۔'' (الطبرانی/الدعا945؛)

* ''ایسے ہی نکاح/شادی کی مبارک باد دینا؛ حدیث میں یہ دعا ان الفاظ میں وارد ہوئی ہے:

((بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ))

''اللہ تیرے لئے برکت نازل کرے اور تجھ پر برکت کرے اور تم دونوں کو بھلائی میں جمع کرے۔''

حسن: أبو داود (2130)، الترمذي (1091)، ابن ماجه (1905)، وأحمد (8956)، وابن حبان (4052)، والحاكم (183/2)

* ''مصیبت زدہ شخص سے تعزیت کرنا'': کہ اس پر جو مصیبت آئی ہے؛ اس کے متعلق اسے تسلی دے؛ اور یوں کہے:

((إِنَّ لِلَّهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى، فَلْتَصْبِرْ وَ لْتَحْتَسِبْ))

’’اللہ کا ہی تھا جو اس نے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے دیا اور ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے پس صبر کر اور اسے بھی ثواب سمجھ۔‘‘

اس طرح کی دوسری مسنون دعائیں جو وارد ہوئی ہیں۔ اور ایسے کلمات بھی کہے جا سکتے ہیں جو سنت میں تو وارد نہیں ہوئے مگر ان میں مانوسیت اور تسلی ہوتی ہے۔ اور ایسی چیزوں سے بچ کر رہیں جن میں شریعت کی مخالفت ہو۔

ان کے علاوہ کپڑے پہننے اور اتارنے، جوتے پہننے اور نکالنے وغیرہ میں اسلامی آداب کا خیال رکھنا چاہیے۔’’جو کوئی نیا کپڑا پہنے تو وہ اللہ کی حمد و ثناء بیان کرے؛ اور یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْهِ اَسْاَلُكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِ مَاصُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ)) (مختصر شمائل الترمذی للالبانی، ص:47)۔

’’اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں، تو نے ہی مجھے یہ لباس پہنایا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس کی بھلائی کا اور اس کام کی بھلائی کا جس کے لیے اسے تیار کیا گیا ہے اور میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس کے شر سے اور اس کام کے شر سے جس کے لیے اسے تیار کیا گیا ہے۔‘‘

اور جو کوئی اپنے بھائی کو نیا لباس پہنے ہوئے دیکھے؛ تو اسے مسنون دعا دے؛ جو حدیث میں وارد ہوئی ہے:

((تُبْلِيْ وَيُخْلِفُ اللّٰهُ تَعَالٰى)) [صحیح ابو داؤد: 760/2]

’’تم اسے بوسیدہ کرو اور اللہ (تمہیں) اس کے عوض اور دے۔‘‘

سنت طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان لباس وغیرہ پہننے میں دائیں جانب سے پہل کرے؛ اور شہرت کے لباس سے؛ لباس کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے سے اور تکبر سے بچ کر رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((كُلُوا وَتَصَدَّقُوا، وَالْبَسُوا فِي غَيْرِ إِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ))

(سنن ابن ماجه ٣٦٠٥ مسند احمد ٢/١٨١ حسن)

’’کھاؤ، صدقہ کرو، اور پہنو، لیکن اسراف (فضول خرچی) اور غرور (گھمنڈ و تکبر) سے بچو۔‘‘

یہ جن آداب کا ذکر شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے؛ یا جو آداب یہاں پر ذکر نہیں بھی کئے؛ ان سے اپنے آپ کو سنوارنا مسلمان کے کمال و جمال میں سے ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی کامیابی اور سعادت کا عنوان ہے۔

مسلمان کو چاہیے کہ ان آداب سے اپنے آپ کو سنوارنے کے لیے رب العالمین سے مدد طلب کرے؛ اور اس سے اچھے اخلاق کا سوال کرے۔ اور برے اخلاق سے اس کی پناہ مانگے۔ جیسا کہ ماثور دعا میں ہے:

((اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا إِلَّا اَنْتَ)) (مسلم:771)

’’اے اللہ! میری راہنمائی فرما اچھے اخلاق کی جانب کیونکہ کوئی راہنمائی نہیں کر سکتا اچھے اخلاق کی جانب مگر

تو ہی۔ دور کر دے مجھ سے سب برے اخلاق کہ نہیں دور سکتا کوئی مجھ سے برے اخلاق مگر تو ہی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:

((اللهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ ، وَالْأَعْمَالِ ، وَالْأَهْوَاءِ))

''اے اللہ! میں تجھ سے بری عادتوں، برے کاموں اور بری خواہشوں سے پناہ مانگتا ہوں۔''

صحيح: رواه الترمذي (3591)، وصحّحه ابن حبان (960)، والحاكم (532/1)

سترہواں سبق:

شرک اور دیگر گناہ

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سترہواں سبق: شرک اور دیگر گناہوں سے آگاہی۔

شرک اور مختلف قسم کے گناہوں سے بچنا اور ان سے متنبہ و آگاہ رہنا، انہی میں سے سات ہلاک و برباد کر دینے والے گناہ ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ کے ساتھ شرک　　(۲) جادو

(۳) کسی ایسے آدمی کی ناحق جان لینا جس کو اللہ نے حرام کیا ہو۔

(۴) سود کھانا　　(۵) یتیم کا مال کھانا

(۶) میدانِ جنگ سے فرار ہونا۔　　(۷) بھولی بھالی پاک دامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔

انہی گناہوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ والدین کی نافرمانی۔　　۲۔ رشتہ داروں کے ساتھ بدسلوکی کرنا۔

۳۔ جھوٹی گواہی دینا۔　　۴۔ جھوٹی قسمیں کھانا۔

۵۔ پڑوسی کو تکلیف دینا۔　　۶۔ لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو پر زیادتی کرنا۔

۷۔ نشہ آور چیزیں استعمال کرنا۔　　۸۔ جوا کھیلنا۔

۹۔ غیبت۔　　۱۰۔ چغل خوری۔

ان کے علاوہ دیگر وہ چیزیں جن سے اللہ عز وجل، یا اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔"

شرح:

جب شیخ رحمہ اللہ اسلامی اخلاق اور آداب سے متعلق سابقہ دو دروس اور ان کی اہمیت کے بیان سے فارغ ہوئے تو پھر یہ درس قائم کیا جس میں کبیرہ گناہوں سے آگاہ اور منع کیا گیا ہے۔ پس سابقہ دو دروس اخلاقیات کو اپنانے کے بارے میں ہیں؛ اور یہ درس برے اخلاق کو ترک کرنے کے بارے میں ہے۔ دین فضائل کے ساتھ مزّین ہوتا ہے؛ اور رذائل کی وجہ سے اس میں خلل آتا ہے۔ سب سے بڑی فضیلت اور نیکی اللہ تعالیٰ کی توحید ہے؛ اور سب سے بڑی برائی اور ہلاک کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا ارتکاب کرنا ہے۔

مسلمان سے مطلوب ہے کہ وہ فضائل اور نیکی کی باتوں کی معرفت حاصل کرے تاکہ ان سے مزین ہو سکے؛ اور اس کا شمار اعلیٰ اخلاقیات کے حاملین میں سے ہو؛ تو بلا شک و شبہ ایسے ہی اس سے یہ بھی مطلوب ہے کہ وہ حرام اور ہلاک کر

دینے والے امور کی معرفت حاصل کرے تا کہ ان سے اجتناب کر سکے؛ اور آگاہ رہے کہ کہیں ان گناہوں کی لپیٹ میں نہ آ جائے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

''برائی کی معرفت برائی کے لیے نہیں بلکہ اس لیے حاصل کرو کہ اس سے بچ سکو؛ اس لیے کہ لوگوں میں سے جس کو برائی کا علم نہیں ہوتا؛ وہ اس میں واقع ہو جاتا ہے۔''

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''دوسرے صحابہ کرام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کیا کرتے تھے لیکن میں شر کے بارے میں پوچھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں میں ان میں نہ پھنس جاؤں۔'' (البخاری ح: 3606 - مسلم ح: 1847)

بزرگ لوگ ایک جملہ کہا کرتے تھے:

کیف یتقی من لا یدری ما یتقی

''وہ انسان کیسے بچ سکتا ہے جس کو پتہ ہی نہ ہو کس چیز سے بچنا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ وہ انسان حرام چیزوں اور برے کاموں سے کیسے بچ سکتا ہے جس کو برائی کا اور اس کے خطرات کا پتہ ہی نہ ہو۔ اور نہ ہی اس کو ان سزاؤں کا علم ہو جو شریعت مطہرہ میں ان برے کام کرنے والوں کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ پس مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں کی معرفت اس لیے حاصل کرے کہ ان سے اجتناب کر سکے۔

علمائے کرام رحمہم اللہ نے کبیرہ گناہوں کے متعلق مخصوص کتابیں تحریر کی ہیں؛ جن میں کبیرہ گناہوں کو شمار کیا گیا ہے؛ اور ہر کبیرہ گناہ کے ساتھ کتاب وسنت سے اس کے دلائل بھی ذکر کئے ہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے بہترین کتاب امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی ''الکبائر'' ہے۔ یہ اپنے موضوع پر بہت ہی عظیم الشان اور فائدہ مند کتاب ہے جس میں کبیرہ گناہوں سے آگاہ کیا گیا ہے؛ اور ان کے خطرات بیان کئے گئے ہیں۔

خلاصہ کلام! مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان کبیرہ اور ہلاکت خیز گناہوں کی معرفت حاصل کرے؛ اور ان کے خطرات سے آگاہ رہے اور ان کے بارے میں وارد شرعی سزاؤں سے آگاہ رہے۔ تا کہ خود بھی ان سے بچ کر رہے اور دوسروں کو بھی ان سے ڈرائے۔ یہ حقیقت میں نیکی اور بھلائی کے کام میں باہمی تعاون اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

نصوص شریعت کی روشنی میں گناہوں کی دو اقسام ہیں: صغیرہ اور کبیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝٥٢ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝٥٣﴾ [۵۳:۵۴]

''اور انہوں نے جو کچھ کیا سب کتابوں میں ہے۔ اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ۝٣١﴾

''اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ کر رہو جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے چھوٹے گناہ ہم بخش دیں گے اور

تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ﴾[۴۹:۷]

''اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ معاصی (گناہوں) کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

1۔ کفر؛ جس کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہونا لازم آتا ہے۔

2۔ فسق: کبیرہ گناہ۔

3۔ عصیان (نافرمانی) یعنی کبیرہ گناہ۔

قرآن کریم میں وارد دعا میں یوں آیا ہے:

﴿رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا﴾[۳:۱۹۳]

''اے رب! تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ختم فرمادے۔''

پس یہاں پر گناہ اور برائیاں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں۔ گناہوں سے مراد کبیرہ گناہ ہیں۔ اور برائیوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ ان معانی میں بہت ساری نصوص وارد ہوئی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان کو صغیرہ اور کبیرہ گناہوں؛ اور گناہوں کے صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم ہونے کی معرفت ہونی چاہیے اور اسے کبیرہ گناہوں کے خطرات کا بھی علم ہو؛ اور یہ کہ بیشک نیکی کے کام کرنے سے صغیرہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً بڑی بڑی عبادات سے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((الصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ))

(مسلم 233)

''پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اپنے درمیانی اوقات میں سرزد ہونے والے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جب تک کبائر کا ارتکاب نہ کرے۔''

اسی لیے دعا میں یوں آیا ہے:

﴿وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا﴾ [۳:۱۹۳]

''اور ہماری برائیاں ختم فرمادے۔''

یعنی ان نیکیوں کی وجہ سے جن کی اللہ تعالیٰ بندے کو توفیق عنایت کر دیں۔

لیکن کبیرہ گناہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنا ضروری ہے؛اور انہیں فی الفور ترک کر دینا چاہیے۔ اور آئندہ کے لیے اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ کرنا چاہیے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سبق میں اجمالی طور پر کبیرہ گناہوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔اور ذکر کردہ گناہوں سے ان پر بھی تنبیہ کر دی ہے جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔اور یہ کہ اس مختصر سے کتابچہ میں ان میں سے بعض کبیرہ گناہوں کا ذکر ہی کافی ہے۔ اس میں مسلمان کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اہم ترین دروس جن کی معرفت کی مسلمان کو ضرورت ہوتی ہے؛ اور یہ کہ وہ ان کبیرہ اور ہلاک خیز گناہوں کی معرفت حاصل کرے اور ان سے بچ کر رہے۔

لوگوں میں یہ عادت چلتی آرہی ہے کہ وہ ان امور کا خاص خیال کرتے ہیں جو ان کے اجسام کے لیے مضر ہوں ؛اور ان چیزوں کے متعلق پوچھ گچھ بھی کرتے رہتے ہیں تا کہ ان سے بچ سکیں۔حتی کہ بعض لوگ اس سلسلہ میں بہت سخت اہتمام کرتے ہیں ۔اور بہت ساری پاکیزہ چیزوں کو اپنی عافیت؛ بدن اور صحت کی سلامتی کی خاطر ترک کر دیتے ہیں۔ آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ وہ بہت ساری پاکیزہ چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں ؛ نہ ہی کھاتے پیتے ہیں اور نہ ہی ان کے قریب جاتے ہیں تا کہ ان کی صحت اور بدن محفوظ رہیں۔ ایسے ہی اللہ کے حکم سے گناہوں سے دوری میں بدن کی حفاظت ہے ؛ ایسا بدن بروز قیامت جہنم کی آگ میں داخل نہیں ہوگا۔ پس ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو بہت ساری پاکیزہ چیزوں سے ان کے نقصان سے بچنے کے لیے تو پرہیز کرتے ہیں؛ مگر وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن اس کے خوف اور پکڑ کے ڈر سے گناہ کیوں ترک نہیں کرتے۔

اپنی ذات کا خیر خواہ انسان اس سلسلہ میں بہت ہی اہتمام کرتا ہے؛ اور وہ کبیرہ گناہوں سے متعلق پوچھتا رہتا ہے؛ اور ان کی معرفت حاصل کرنے کا بڑا حریص ہوتا ہے؛ تا کہ وہ خود بھی ان سے بچ سکے۔اور دوسروں کو بھی آگاہ کر سکے۔

اس سلسلہ میں بہت زیادہ نصیحت کیا کرتا ہوں کہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الکبائر'' کا اہتمام کیا جائے۔اور یہ بھی میری نصیحت رہی ہے کہ اپنے اہل خانہ ؛اولاد اور قریبی رشتہ داروں کو یہ کتاب بطور تحفہ پیش کی جائے۔یہ دعوت ہمارے اس زمانہ میں خاص اہتمام اور توجہ کی محتاج ہے جب کبیرہ گناہ کا ارتکاب بہت زیادہ ہو گیا ہے؛ خصوصاً انٹر نٹ اور ٹی وی ذرائع سے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان نوجوان لڑکے اور لڑکیاں روزانہ انٹرنٹ اور ٹی وی استعمال کرتے ہیں؛ پس یہ ضرورت بھی بہت بڑھ گئی ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں کو پہچانیں اور ان کے خطرات سے آگاہ رہیں تا کہ وہ ان سے بچ سکیں۔اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے شرعی علم کی روشنی میں ہی ممکن ہے ۔ کیونکہ اکثر لوگوں میں ان گناہوں کے ارتکاب کا سبب فراغت وقت؛ جہالت ؛اور قلت علم اور اللہ تعالیٰ کے دین سے ناآشنائی ہے۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''گناہوں سے بچنا اور ان سے آگاہ کرنا''یعنی انسان خود بھی ان سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی ان سے آگاہ کرے(تا کہ وہ بھی اجتناب کرسکیں)۔''شرک اور مختلف قسم کے گناہ : انہی میں سے سات

ہلاک و برباد کر دینے والے گناہ ہیں۔''ان سات گناہوں کا ذکر ایک ہی حدیث میں آیا ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ نے روایت ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللَّهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَأَكْلُ الرِّبَا وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصِنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ)) (البخاری 2766 ؛ مسلم 89)

''سات ہلاکت میں ڈال دینے والی چیزوں سے بچو،عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! وہ سات ہلاک کرنے والی چیزیں کونسی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) جادو

(۳) کسی ایسے آدمی کی ناحق جان لینا جس کو اللہ نے حرام کیا ہو۔

(۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا

(۶) میدانِ جنگ سے فرار ہونا۔ (۷) بھولی بھالی پاک دامن مومنہ عورتوں پر تہمت لگانا۔''

(اجْتَنِبُوا) کا معنی ہے: ان سے بچ کر اور دور رہو؛ اور ان سے بالکل علیحدہ اور دور رہو کہیں ان کا ارتکاب نہ کر بیٹھو۔جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝۳۵﴾[۱۴:۳۵]

''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا کر رکھ۔''

یعنی مجھے اور میری اولاد کو بتوں اور ان کی عبادت سے بہت دور رکھ۔

پس اس لیے مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچ کر اور بہت دور رہے۔اور ان اسباب سے بچ کر رہے جو ان کا سبب بنتے ہیں؛ یا کبیرہ گناہوں تا کہ رسائی کا وسیلہ بنتے ہیں ۔ اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے کبیرہ گناہوں سے بچ کر رہنے اور ان کے قریب پھٹکنے سے بھی منع کیا؛ تو فرمایا:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾

''اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن کی تمہیں ممانعت ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى﴾[۱۷:۳۲]

''اور بدکاری کے پاس بھی نہ جاؤ۔''

کبیرہ گناہوں کو ''ہلاکت خیز'' کہا گیا ہے؛ اس لیے کہ یہ گناہ اپنے مرتکب کو دنیا اور آخرت میں ہلاکت سے دو چار کر دیتے ہیں ۔ دنیا میں تو: ان کی سزائیں ہیں اور کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے برا انجام ہے۔جب کہ آخرت میں : وہ

سخت ترین سزائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کے مرتکب افراد کے لیے قیامت کے دن میں تیار کر رکھی ہیں۔

❁ فرمایا: ''سات ہلاکت خیز گناہ'' اس جملہ میں اس معاملہ کا خوب اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی لیے شروع میں بتایا کہ ایسے گناہ سات ہیں؛ اگر بعد میں صرف چھ بتائے جاتے تو دل میں یہ بات آتی کہ ایک گناہ رہ گیا ہے۔ اور اگر شروع میں سات نہ کہا ہوتا تو شائد کے بسا اوقات بیان کرنے میں کئی گناہ رہ جاتے۔ اور اس طرف آپ کی توجہ ہی نہ جاتی۔ تو اس حدیث کے شروع میں عدد کے ذکر کرنے کا یہی فائدہ ہے۔ بلکہ بہت ساری احادیث میں ایسے ہی ہے۔ جس سے علم کے ضبط اور اتقان میں مدد ملتی ہے۔

پھر یہ کہ کبیرہ گناہ صرف اس تعداد میں محصور نہیں ہیں۔ بلکہ دوسری احادیث میں ایسی نصوص ہیں جن میں دوسرے گناہوں کو بھی کبیرہ شمار کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حدیث نبوی ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ))

قالوا: بلی یا رسول اللّٰہ! قال:

((الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَشَهَادَةُ الزُّورِ)) (البخاری 2654 مسلم 87)

''کیا میں تمہیں گناہوں میں سب سے بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں! ؟ صحابہ نے عرض کی: ضرور یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔''

والدین کی نافرمانی اور جھوٹی گواہی ان سات گناہوں میں سے نہیں ہیں جن کا تذکرہ پہلی حدیث میں ہوا؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی نصوص کی روشنی میں یہ بھی کبیرہ گناہ ہیں۔ پس ان کبیرہ گناہوں کی تعداد سات سے بہت زیادہ ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کی روشنی میں ان کی تعداد ستر کے قریب ہے۔ مزید برآں یہ بھی محدود گنتی نہیں ہے؛ اور نہ ہی اس تعداد کی کوئی شرط یا قید ہے۔ (عبدالرزاق 19702 ؛ شعب الایمان 290)۔

اس باب میں اہم ترین چیز اس ضابطہ کی معرفت حاصل کرنا ہے جس کی وجہ سے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں میں تمیز ہوتی ہے۔ ہر وہ عمل جس کے شروع میں لعنت کی گئی ہو؛ یا جس پر جنت سے محرومی کی نوید آئی ہو؛ یا پھر جہنم میں جانے کی وعید ہو؛ یا اس پر اللہ کی ناراضگی اور سزا کا ذکر ہو؛ یا ہر وہ عمل جس کے کرنے والے پر لعنت کی گئی ہو؛ یا اس سے ایمان کی نفی کی گئی ہو؛ یا ارشاد فرمایا ہو کہ ایسا کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے؛ تو یہ تمام نشانیاں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ بڑا گناہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی بعض گناہوں کو نام لے کر کبیرہ کہا گیا ہے۔

سب سے بڑا خطرناک اور نقصان دہ کبیرہ گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور جہاں اوامر کا باب ہے تو وہاں پر سب سے پہلے سب سے اہم ترین چیز توحید کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور نواہی کے باب میں سب سے خطرناک کو پہلے ذکر کیا گیا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا

يَزْنُوْنَ﴾ [۲۵:٦٨]

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پوجتے اور اس جان کو جس کی اللہ نے حرمت رکھی ناحق نہیں مارتے اور بدکاری نہیں کرتے۔''

یہاں پر شرک کو دوسرے گناہوں پر مقدم کیا گیا ہے۔ جبکہ سورہ اسراء میں فرمان الٰہی ہے:

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾﴾ [۱۷:۲۲]

''اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرا کہ تو بیٹھ رہے گا مذمت کیا گیا بے کس ہو کر۔''

پھر اس کے بعد جملہ اوامر و نواہی کا ذکر کیا؛ لیکن ان سب سے پہلے شرک سے ممانعت کو ذکر کیا ہے۔ شرک ہلاک کرنے والے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے؛ ایسا گناہ کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔ یہی سب سے بڑا ظلم اور سب سے قبیح ترین نافرمانی کا کام ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾﴾ [۴:۴۸]

''بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑا گناہ کا طوفان باندھا۔''

اور حضرت لقمان علیہ السلام کی وصیت میں ہے:

﴿يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾﴾ [۳۱:۱۳]

''اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا، بیشک شرک بڑا ظلم ہے۔''

شرک کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی غیر اللہ کو اس کے برابر کرنا۔ خواہ دعا ہو؛ یا ذبح کا معاملہ یا نذر و نیاز یا مشکلات میں مشکل کشائی؛ یا ان کے علاوہ عبادت کی کوئی دوسری قسم۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾﴾ [٦:۱٦۳]

''آپ فرما دیں بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو رب سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔''

یہی وجہ ہے کہ بروز قیامت جب مشرکین جہنم میں داخل ہوں گے تو وہ کہیں گے:

﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۷﴾ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۸﴾﴾ [۲٦:۹۸]

''اللہ کی قسم! بیشک ہم کھلی گمراہی میں تھے، جبکہ انہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔''

پس جس کسی نے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس کے برابر ٹھہرایا؛ وہ مشرکین میں سے ہو گیا۔ اور وہ سب سے

بڑا ظالم بن گیا؛ جس نے سب سے بڑے گناہ؛ اور عظیم ترین ظلم اور ہلاک کر دینے والے عمل کا ارتکاب کیا۔

❁ "**جادو**" بھی مہلک ترین کبیرہ گناہوں میں سے ؛ بلکہ ان میں سے ایک بڑا گناہ ہے۔ بے شک جادو کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔ جادو گر اس وقت تک جادو گر نہیں بن سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کا ارتکاب نہ کر لے؛ اور شیطان کی اطاعت گزاری کرتے ہوئے کتاب اللہ کو پس پشت نہ ڈال دے؛ ارشاد ربانی ہے:

﴿نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝١٠١ وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ﴾ [۲:۱۰۲]

"تو کتاب والوں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب پیٹھ پیچھے پھینک دی گویا وہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے۔ اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانہ میں۔"

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کی جادو کے عمل سے برأت بیان کی؛ تو یوں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ﴾

"سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔" اس لیے کہ جادو کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرنا ہے۔

❁ "**جادو**" ان طلاسم ؛ تعویذ گنڈوں اور دم ومنتر کو کہا جاتا ہے جو جادو کئے گئے انسان کے دل ؛ بدن اور مال پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایسا جادو بھی ہے جو قاتل ثابت ہوتا ہے۔ اور کچھ بیمار کر دیتا ہے؛ اور کسی جادو سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دی جاتی ہے۔ اور جادو میں سے کچھ تو حقیقت پر مبنی ہوتا ہے؛ اور کچھ صرف خیال ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝٦٦﴾ [۲۰:۶۶]

"موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو؛ جبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے ان کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں۔"

اور جس "**جادو**" کی جادو کئے گئے انسان پر حقیقی تاثیر ہوتی ہے؛ جیسے موت ؛ مرض؛ یا میاں بیوی میں جدائی ؛ یا اس کے علاوہ کسی بھی صورت میں ؛ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾

"پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند و بیوی میں جدائی ڈال دیں۔"

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمِن شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ ۝٤﴾ [۱۱۳:۴]

"اور گنڈوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی برائی سے۔"

اس سے مراد جادوگرنیاں ہیں۔ ان کی برائی سے پناہ مانگنا اس بات کی دلیل ہے کہ جادوگروں اور جادوگرنیوں کے

اعمال کی تاثیر ہوتی ہے؛ اوراس سے جادو کردہ انسان کو نقصان پہنچتا ہے خواہ وہ بیماری ہو یا کوئی اور شکل۔

۞ **"جادو"** سب سے بڑی اور خطرناک ترین برائی ہے۔ جب کسی معاشرہ میں یہ برائی پھیل جاتی ہے؛ تو اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے؛ اوران کے لئے سب سے بڑی مضر چیز بن جاتی ہے۔ اور جس شہر یا ملک میں توحید کا نور اور روشنی کم ہو؛ اور دعوت توحید اور اس کا بیان کمزور ہو وہاں پر جادو کی کثرت ہوتی ہے۔ جب لوگ توحید اور صحیح عقیدہ سے جاہل ہوں گے؛ تو وہاں پر جادوگروں کو پذیرائی ملے گی اوران کی کثرت ہوگی۔ اور جب بھی توحید کا پرچم سر بلند ہوگا؛ اوراس کے منارے روشن ہوں گے؛ اور دعوت توحید قائم و دائم ہوگی تو جادو ٹوٹ جائے گا؛ بلکہ ختم ہو جائے گا؛ ان شاء اللہ ۔ اس لیے لوگوں کو توحید کے بیان اور وضاحت ؛استدلال کی اوراس کی ضد یعنی شرک سے لوگوں کو خبردار کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

۞ ''شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور کسی ایسے نفس کی ناحق جان لینا جس کو اللہ نے حرام کیا ہو۔'' فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [۲۵:۶۸]

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر۔''

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ﴾ [۴:۹۳]

''اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کسی معصوم جان کو بلا وجہ قتل کرنا بہت بڑا اور انتہائی خطرناک کبیرہ گناہ ہے۔

بہت ساری احادیث مبارکہ میں اس کبیرہ گناہ کے خطرہ اور برائی کا بیان وارد ہوا ہے۔ اور یہ کہ انسان اس وقت تک وسعت اور خوشحالی میں رہتا ہے جب تک وہ حرام خون نہ بہائے۔ اور جب بھی انسان حرام خون بہاتا ہے؛ یعنی کسی بے گناہ شخص کو جان بوجھ کر بلا وجہ قتل کرتا ہے؛ تو مقتول بروز قیامت اس پر مدعی ہوگا۔ اوراس کے ساتھ ہی مقتول کے وارثوں کو بھی حق حاصل ہے؛ وہ چاہیں تو بلا معاوضہ معاف کر دیتے ہیں اور چاہیں تو معاوضہ (دیت) وصول کریں ؛ اور چاہیں تو وہ معاف نہ بھی کریں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مقتول کا حق بھی ہوتا ہے۔ مقتول تو چلا گیا؛ اب وہ اس دنیا میں باقی نہیں رہا۔ اب قیامت والے دن قصاص کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں بچے گی۔ یہی وجہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے دین میں فراخی اور راحت میں رہتا ہے جب تک وہ کسی کو ناحق قتل نہ کرے۔ اگر کوئی انسان کسی کا مال چوری کر لے؛ اور پھر توبہ کرنا چاہے؛ تو وہ مال اس کے حق داروں کو واپس کر سکتا ہے۔ حتی کہ اگر وہ مر بھی جائے تو اس کے وارثوں کو مال دیا جا سکتا ہے۔ گناہوں میں سے کوئی بھی گناہ ہو؛ گنہگار انسان اس سے اللہ کے حکم سے نجات حاصل کر سکتا ہے؛ سوائے قتل کے۔ کیونکہ اس میں حق دار کی روح تو قاتل کے ہاتھوں چلی گئی۔ اب بروز قیامت قصاص کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ اس سے قتل

کی خطرناکی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک کے بعد قتل کرنا سب سے بڑا گناہ ہے۔ خواہ انسان اپنے آپ کو قتل کردے؛ جسے خودکشی کہا جاتا ہے؛ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ [۴:۲۹]

''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔''

یا پھر کسی دوسرے کو جان بوجھ کر ناحق قتل کردے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کے بعد یہ دونوں اور بہت بڑے کبیرہ اور ہلاک کردینے والے خطرناک ترین گناہ ہیں۔

''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور یتیم کا مال کھانا۔'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا﴾ [۴:۱۰]

''بیشک لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔''

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا کبیرہ گناہ ہے جو بروز قیامت جہنم میں داخلے کو واجب کرتا ہے؛ یہاں پر بطور خاص مال کھانے کا ذکر ہے؛ اس لیے کہ مال سے منفعت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے۔ ورنہ مال کو کسی طرح سے تلف کرنا؛ خواہ وہ کھانے پینے سے ہو؛ یا پھر اس سے کپڑے یا سواری یا گھر خریدا جائے؛ یا پھر کسی اور کام میں لایا جائے؛ سبھی امور برابر ہیں۔ اور یہ وعید ان سب کو شامل ہے۔

یتیم میں کمزوری پائی جاتی ہے۔ وہ مال اور اس کی قدر و قیمت کے متعلق نہیں جانتا۔ پس یتیم کا سرپرست اور ولی اس مال کا امین ہوتا ہے۔ کبھی کبھار وہ اس میں کچھ کھا پی لے؛ یا استعمال کرلے؛ تو اسے اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ پس ان نصوص میں یہ وعید وارد ہوئی ہے؛ اور اس سے ڈرایا گیا ہے۔ تاکہ ان کا سرپرست اس مال کی حفاظت کرے اور اسے ضائع نہ ہونے دے۔

''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور سود کھانا۔'' سود بڑے کبیرہ اور خطرناک گناہوں میں سے ہے۔ حقیقت میں یہ لوگوں کا مال باطل ذرائع سے کھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ﴾ [۲:۲۷۶]

''اللہ تعالیٰ سود کو نابود کرتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔''

اور سود کھانے والے کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ [۲:۲۷۵]

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔''

سود اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور اس کی ناراضگی کو واجب کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ))

(مسلم 1598)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے، سود لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

لوگ اس کا نام تبدیل کر کے؛ اور اسے نفع کہہ کر؛ یا کوئی دوسرا نام دیکر اس کی عقوبت سے بچ نہیں سکتے۔ اعتبار تو حقائق کا ہوتا ہے؛ بھلے اس کے نام تبدیل کر دیے جائیں۔ کیونکہ نام کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ اگر سود کو فائدہ کا نام دیا جائے؛ یا رشوت کو نذرانے کا نام دیا جائے؛ یا اس طرح کے دیگر نام بدل دیے جائیں؛ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ؛حقیقت ویسے ہی باقی رہتی ہے۔ اور ان امور کا ارتکاب کرنے والا اپنے آپ کو اللہ کی عقوبت کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

اس باب میں چوکنا اور محتاط رہنا مسلمان پر واجب ہے تاکہ کوئی چیز اس پر مشتبہ نہ رہے؛ اور وہ اپنے دین اور اپنی ناموس کو محفوظ رکھ سکے۔ وہ اپنے لیے خطرہ مول لے کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ)) مسلم

''پس جو شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کرلیا اور جو شبہات میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔''

۞ ''شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''لڑائی کے دن پیٹھ پھیر کر بھاگ جانا'': یعنی دشمن کے سامنے کے وقت۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ﴾ [٨:١٦]

''اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے لیے چال بدلے یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے۔''

جو کوئی جنگ میں ان سے پیٹھ پھیرے گا تو وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

اگر پیٹھ پھیرنا صرف چال چلنے کے لیے ہو؛ یعنی ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ لڑنا چاہتا ہو؛ یا پھر ایسی جماعت سے ملنا چاہتا ہو جو اس کی مدد و نصرت کر سکیں ؛ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں جو کوئی میدان جنگ سے بھاگ جانا چاہتا ہو تو؛ ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ معرکہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا اس میں شریک نہ ہونے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اس سے مسلمان لشکر کی قوت اور دشمن کے سامنے ثابت قدمی میں فرق آتا ہے۔ جب کچھ لڑاکے پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے ہوں تو اس سے ان کا بازو کمزور ہو گا اور ان کی شوکت اور ہیبت جاتی رہے گی اور ہمت ٹوٹ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اس گناہ کو سات ہلاک کر دینے والے گناہوں میں سے ایک شمار کیا گیا ہے۔

''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور بھولی بھالی پاکدامن مؤمن لڑکیوں پر تہمت لگانا'' یہاں پر پاکدامن سے مراد وہ آزاد اور عفت دار بیٹیاں ہیں جو اس قسم کے افعال سے بری ہوتی ہیں۔ بھلے وہ شادی شدہ ہوں یا کنواریاں۔ شوہروں والیاں ہوں یا بغیر شوہروں کے۔ شریعت مطہرہ میں بسا اوقات محصنہ کا لفظ بول کر پاکدامن مراد لی جاتی ہیں۔ اور کبھی کبھار اس لفظ سے مراد وہ شادی شدہ خواتین ہوتی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو شادی کے ذریعہ محفوظ کرلیا ہو۔ یہاں پر مراد پاکدامن ہیں۔

غافل (بھولی بھالی) سے مراد: ان پر لگائی گئی تہمت سے ان کا بری ہونا ہے۔ ان پر بدکاری کی تہمت تو دھری جاتی ہے مگر وہ اس سے بالکل بری اور پاک دامن اور ان افعال سے بہت دور ہوتی ہیں۔

''مؤمنات'' سے مراد اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والیاں؛ اس کی اطاعت گزاری کرنے والیاں ہیں۔ پس ایسی خواتین پر بدکاری کی تہمت لگانا بہت بڑے خطرناک اور ہلاک کر دینے والے گناہوں میں سے ایک ہے۔

''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور انہی میں سے'' یعنی ان کبیرہ گناہوں میں سے ایک ''والدین کی نافرمانی'' ہے۔ والدین تمام لوگوں سے بڑھ کر اچھی صحبت؛ حسن سلوک؛ احسان اور وفاداری کے محتاج ہوتے ہیں؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا﴾[۲۹:۸]

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾[۱۷:۲۳]

''اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔''

پس اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کی وصیت فرمائی ہے تا کہ ان کے اس اچھے سلوک کا خیال رکھا جا سکے جو انہوں نے اپنی اولاد کے ساتھ کیا ہے۔ اور والدین کے ساتھ احسان سب سے بڑی اطاعت گزاری ہے۔ اور ان کی نافرمانی سب سے بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔ کتاب و سنت میں اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ ـ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ!))

''کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

((قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ)) [حوالہ گزر چکا]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا والدین کی نافرمانی کرنا۔''

عقوق والدین [میں لفظ ''عقوق''] عق سے ماخوذ ہے؛ جس کا معنی ہے قطع کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ احسان؛ وفا اکرام اور ان کے واجب حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس جو کوئی ان واجبات کو ترک کرتا

ہے وہ ان کے ساتھ زبانی یا عملی طور پر برائی کے ساتھ پیش آتا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں ممنوع ہیں۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا﴾[۱۷:۲۳]

''تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا۔''

''اف'' کہنے کی ممانعت میں زبانی برائی سے منع کر دیا گیا ہے؛ اور جھڑکی کی ممانعت عملی برائی کی ممانعت ہے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے؛ وہ ان سے قطع رحمی کرتا ہے؛ [اور نافرمان شمار ہوتا ہے۔] یہ انسان کے لیے ملامت کی بات ہے۔ اس لیے کہ والدین ہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اولاد کے ساتھ سب سے زیادہ بھلائی کی ہوتی ہے۔ تو پھر اس نیکی اور احسان کے بدلہ میں ان کے ساتھ برا سلوک کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اور والدین کے ساتھ برا سلوک صرف وہی انسان کرسکتا ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے بڑا کمینہ اور ملامت کا مستحق ہو۔

''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور قطع رحمی کرنا'': اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ﴾[رعد 21]

''اور اللہ نے جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے جوڑتے ہیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾﴾[۴۷:۲۳]

''تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتے توڑ ڈالو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔''

قطعی رحمی کرنا (یعنی خونی رشتے توڑنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا کبیرہ اور ہلاک کردینے والا گناہ ہے۔ شریعت اسلام نے صلہ رحمی کرنے (رشتے ناطے ملانے) اور ان کے ساتھ وفاداری کرنے اور حسن سلوک اور احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس تعلق کو ایک آزمائش بنایا گیا ہے؛ اور صلہ رحمی کو سلامتی؛ ہدیہ محبت اور صفائے قلب کے ساتھ برے سلوک سے دوری کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور جھوٹی گواہی'' جھوٹ: کذب اور بہتان۔ کتاب وسنت میں جھوٹی گواہی کو شرک کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿٣٠﴾﴾[۲۲:۳۰]

''پس پلیدی سے بچو؛ جو بتوں کی ہے؛ اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔''

اور سنت مطہرہ میں؛ جیسا کہ سابقہ حدیث میں گزرا؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ)) قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ۔ قَالَ:((الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ۔)) وَجَلَسَ وَكَانَ مُتَّكِئًا، فَقَالَ :((أَلَا وَقَوْلُ الزُّورِ))۔ قَالَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتَّى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ)) (اس کی تخریج گزر چکی ہے)

''کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟''۔لوگوں نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے فرمایا:''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا والدین کی نافرمانی کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے ؛ آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے:فرمایا:''سن لو جھوٹ بولنا'' اور بار بار اس کو دہراتے رہے حتی کہ ہم نے کہا: کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے۔''یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شفقت کی وجہ سے۔''

جھوٹی گواہی دینا بہت بڑا جرم ہے؛ کیونکہ ایسا کرنے سے حقوق ضائع ہوتے ہیں؛ اور لوگوں کے اموال باطل ذرائع سے ہضم کئے جاتے ہیں اور بسا اوقات ایسا کرنے سے معصوم جانیں تک چلی جاتی ہیں۔جھوٹی گواہی دینے والا کئی وجوہات کی بنا پر ظالم ٹھہرتا ہے:

- وہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے ظالم ہے؛اس کی گواہی غلط بیانی اور بہتان تراشی پر مبنی ہوتی ہے۔
- وہ اس کے حق میں بھی ظالم ہے جس کے خلاف گواہی دی ہے۔اس کی اس گواہی سے اس کا حق مارا گیا ہے۔
- اس کے حق میں بھی ظالم ہے جس کے حق میں گواہی دی ہے؛ کیونکہ اس طرح سے وہ اس چیز کا مالک بن گیا جو در اصل اس کا حق نہیں تھی۔
- مزید برآں وہ اموال کے متعلق امور میں بھی ظالم ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ)) (البخاری 1739و مسلم 1679)

''بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر طرح حرام ہیں۔''

پس جھوٹی گواہی میں کئی اعتبار سے ظلم پایا جاتا ہے؛ اس لیے یہ بہت بڑا جرم ہے؛ اور اس کے بہت ہی بھیانک نتائج برآمد ہوتے ہیں؛ اور آخرت میں اس کے برے انجام کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

- ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اور جھوٹی قسم''یعنی جس کی وجہ سے ناحق لوگوں کے مال ہضم کئے جاتے ہیں۔ یا پھر ناحق لوگوں کے اموال خرچ کروائے جاتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے:

((ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ)) و ذكر منهم ...... ((وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ)) (مسلم 106)

''تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں گناہوں سے پاک وصاف کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' پھر ان کا ذکر کرتے

ہوئے فرمایا: ....اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔'' [1]

مسلمان کے لیے کسی بھی طرح جائز نہیں کہ وہ اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر اپنا سودا و سامان فروخت کرے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ [۲:۲۲۴]

''اور اللہ تعالیٰ کو اس بات کا حیلہ نہ بنانا کہ (اس کی) قسمیں کھاؤ۔''

اس باب میں انسان کو جری نہیں ہونا چاہیے کہ جب بھی وہ کوئی چیز سودا سلف بیچنا چاہے؛ یا کوئی دیگر کام کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں اٹھانا شروع کر دے۔ اور اگر وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو یہ جھوٹی قسم اس کے حق میں بہت ہی خطرناک ہے۔ یہ دراصل کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی؛ اس کے غضب اور سزا کو واجب کرنے والی چیز ہے۔

۞ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور پڑوسی کو تکلیف دینا'' یہ بھی ہلاک کر دینے والا گناہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انسان سے واجب ایمان کی نفی کی ہے جو اپنے پڑوسی کو تکلیف دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ)) قِيلَ : وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟قَالَ : ((الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ)) (سبق تخريجه)

''واللہ وہ آدمی مومن نہیں ہے، واللہ وہ آدمی مومن نہیں ہے، واللہ وہ آدمی مومن نہیں ہے، پوچھا گیا کون یا رسول اللہ!؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے بے خوف نہ ہو۔''

یعنی اس کے ایذاء اور شر سے محفوظ نہ ہو۔

۞ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور لوگوں کے خون؛ مال اور عزت میں ان پر ظلم کرنا۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشہور خطبہ **حجة الوداع** میں ارشاد فرمایا:

((فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا))

''بیشک تمہارے خون اور تمہارے اُموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں، جس طرح تمہارا آج کا دن تمہارے اس مہینہ اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔''

اور ایک دوسری حدیث میں ہے:

---

[1] یہ پوری حدیث اس طرح ہے: ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین آدمی ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں گناہوں سے پاک وصاف کرے گا' اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہ فرمایا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ لوگ تو سخت نقصان اور خسارے میں ہوں گے یہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا اور دے کر احسان جتلانے والا اور جھوٹی قسم کھا کر سامان بیچنے والا۔''

''ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون؛ اس کا مال اور اس کی عزت حرام ہیں۔'' (مسلم 2564)

کسی آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھا کہ: ''اس کے نام تمام دین لکھ کر بھیج دیا جائے۔''

اس سوال کا جواب کیسے ممکن ہے؟ اگر کسی ایک عالم کے پاس کسی سائل کا نصیحت کے طلب گار کا خط آئے: اور وہ کہے کہ اس کے نام تمام دین لکھ کر بھیج دیا جائے۔'' تو اس کا جواب کیسے دیا جائے گا؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو یہ جواب لکھا:

''بیشک علم بہت زیادہ ہے؛ لیکن اگر تم استطاعت رکھتے ہو کہ کل اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملو کہ تمہاری پیٹھ لوگوں کے خون سے ہلکی ہو؛ اور تمہارا پیٹ لوگوں کے مال سے خالی ہو؛ اور تمہاری زبان لوگوں کی اعراض سے بچی ہوئی ہو؛ اور جماعت کو لازم پکڑے ہوئے ہو؛ تو پھر ایسا ضرور کرو۔'' [تاریخ دمشق 31/170]

آپ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس انسان کو ان تین چیزوں سے بچنے کی توفیق دی گئی ہو؛ لوگوں کا خون؛ ان کی عزت و آبرو اور ان کے اموال؛ تو یقیناً اسے بہت بڑی خیر و بھلائی اور عظیم الشان فقہ و علم سے نواز دیا گیا۔

❁ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور نشہ آور مشروب'' خواہ وہ شراب ہو یا کوئی دوسری نشہ آور چیز یا عقل زائل کرنے والی چیز ۔ وہ تمام چیزیں اس میں داخل ہیں جن سے عقل ختم ہو جاتی ہے۔

شراب ام الخبائث اور ہر قسم کی برائی کی جامع ہے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کوئی شراب پیتا ہے اور اس کا عادی ہے؛ اس کی وجہ سے اسے بہت بڑے شر و فساد اور مختلف قسم کے جرائم کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ کیونکہ اس کی عقل تو ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اور جس کی عقل نہ ہو وہ بہت سارے ایسے کام کرتا ہے جن کی اسے کوئی سمجھ بوجھ یا دانست نہیں ہوتی؛ اس کی وجہ یہی مے خوری ہے۔ جو کہ درحقیقت بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے۔

❁ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور جواء کھیلنا۔'' جوا بازی مالی خطرات پر مبنی ہوتی ہے۔ جوئے میں مال ضائع بھی ہوتا ہے اور لوگوں کا مال ناحق کھایا بھی جاتا ہے۔ کتنے ہی لوگ اپنے مال پر جوا کھیل کر سارے کا سارا مال ایک لحظہ میں گنوا دیتے ہیں۔ اور کتنے ہی لوگ اس جوئے کے نتیجہ میں بہت بڑے مال کے مالک تو بن گئے؛ مگر سب ناحق کمائی۔ جو کوئی جوئے سے حاصل شدہ مال کھاتا ہے وہ ناحق کی کمائی کھاتا ہے۔

جو کوئی اپنے مال کو جوئے کی نظر کر کے ضائع کرتا ہے؛ وہ عنداللہ اس ضیاع کاری کا جواب دہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہی تو لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا ہے۔ شریعت مطہرہ ہے جوئے کو حرام ٹھہرایا ہے؛ اور اس سے منع کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جوا ایک شیطانی عمل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ [٥:٩٠]

''بے شک شراب اور جوا اور بت اور پاسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔''

❁ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور غیبت کرنا'' غیبت کا معنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ بیان کیا ہے:

((ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ)) (مسلم 2589)

''تمہارا اپنے بھائی کو ایسے یاد کرنا جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہو۔'' [1]

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ﴾ [۴۹:۱۲]

''اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔''

یہاں پر غیبت کرنے کو کسی مرے ہوئے شخص کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے؛ جس کا مقصد غیبت کی برائی اور اس کے بڑے خطرات کو واضح کرنا ہے اور یہ کہ ایسا کرنے میں مؤمنین کے لیے ایذا رسانی ہے؛ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٨﴾﴾ [۳۳:۵۸]

''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت سے) یذا دیں جو انہوں نے نہ کیا ہو تو انہوں نے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔''

پس مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو تکلیف اور اذیت دینے سے بچ کر رہے؛ خواہ وہ کسی بھی قسم کی اذیت ہو۔ خواہ وہ غیبت ہو یا کوئی دوسرا کام۔

''الادب المفرد'' میں امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

''بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں عورت رات کو نماز پڑھتی ہے، دن کو روزہ رکھتی ہے؛ نیکی کے کام اور صدقہ کرتی ہے؛ لیکن وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس میں کوئی خیر کی بات نہیں؛ وہ اہل جہنم میں سے ہے۔'' پھر پوچھا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فلاں عورت صرف فرض نماز پڑھتی ہے، اور پنیر کے چند ٹکڑے صدقہ کرتی ہے؛ لیکن اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستاتی۔'' فرمایا: ''وہ اہل جنت میں سے ہے۔''

(الأدب المفرد 119، حاکم 7304 ؛ ابن حبان فی صحیحه بر قم 5764 ؛ وصححه الألبانی فی الصحیحة 190۔

پس لوگوں کو زبان سے تکلیف دینا؛ غیبت؛ چغل خوری؛ ٹھٹھہ و مذاق؛ ہنسی اڑانا یہ بہت بڑے ہلاکت خیز گناہ ہیں۔

۞ ''شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور چغل خوری'' اس کا مطلب ہے: ''لوگوں میں باتیں پھیلانا'' ایک انسان کی بات

---

[1] یہ پوری حدیث اس طرح ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارا اپنے بھائی کا وہ عیب ذکر کرنا جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہو۔'' آپ سے عرض کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے کہ اگر واقعی وہ عیب میرے بھائی میں ہو جو میں کہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ''اگر وہ عیب اس میں ہے جو تم کہتے ہو تبھی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو پھر تو تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔''

دوسرے تک اس نیت سے پہنچانا کہ ان کے درمیان خرابی پیدا ہو۔چغل خور انسان زمین میں فساد پھیلانے والا ہوتا ہے۔ بلکہ بعض سلف صالحین -رحمہم اللہ- یحی بن ابی کثیر یمامی -نے یہاں تک فرمایا ہے:''چغل خور ایک لمحے میں اتنا بڑا فساد پیدا کردیتا ہے کہ ایسا فساد جادوگر ایک ماہ میں پیدا نہیں کرسکتا۔''(الحلیة 70/3/ شعب الایمان 10602)

غیبت معاشروں میں فساد اور خرابی پھیلانے والی انتہائی خطرناک چیز ہے؛ جس سے دشمنی پھیلتی ہے؛اور محبت کرنے والوں میں بغض اور نفرت پیدا ہوتے ہیں۔شریعت مطہرہ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ)) (البخاری 6056 مسلم 106)

''چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

❁ ''شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''اوران کے علاوہ دیگر وہ امور جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔'' اس جملہ میں اس طرف تنبیہ کی گئی ہے کہ جو کچھ یہاں پر بیان ہوا ہے؛ وہ بطور حصر کے نہیں(یعنی سبھی کچھ بیان نہیں ہوا)؛ بلکہ یہ ایک مختصر اشارہ ہے جس میں اجمالی طور پر ان کبیرہ گناہوں پر تنبیہ کی گئی ہے۔اور بیشک مسلمان پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کی اور ان کے خطرات کی معرفت حاصل کرے۔تاکہ وہ خود بھی ان سے بچ کر رہے؛اور دوسروں کو بھی ان سے بچنے کی تلقین کرے؛ جیسے اپنے گھر والے؛ اولاد؛ پڑوسی؛ دوست واحباب وغیرہ۔

اٹھارہواں سبق:

میت کی تجہیز، تکفین، جنازہ اور تدفین

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اٹھارواں سبق: ''میت کی تجہیز و تکفین، جنازہ اور تدفین۔''
اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اوّل:...... لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین: جب کسی شخص پر موت کے آثار ظاہر ہو جائیں تو مشروع یہ ہے کہ اسے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی تلقین کرنی چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَقِّنُوْا مَوْتَاکُمْ لَا اِلٰہِ اِلَّا اللّٰہُ۔)) (صحیح مسلم)

''تم اپنے مرنے والوں کو ''لَا اِلٰہِ اِلَّا اللّٰہُ'' کی تلقین کرو۔'' [1]

حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی موت کا وقت آ پہنچا ہو اور ان پر موت کے آثار ظاہر ہو چکے ہوں۔

دوم:...... مرنے والے کی آنکھیں بند کرنا: جب کسی کی موت کا یقین ہو جائے تو اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں [2] اور اس کے جبڑے باندھ دیے جائیں، کیونکہ اس کے بارے میں حدیث وارد ہے۔

سوم:...... میت کو غسل دینا: مسلمان میت کو غسل دینا واجب ہے، لیکن اگر وہ جنگ میں شہید ہوا ہو تو اسے نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔ بلکہ اسے انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائے گا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے شہدائے احد کو نہ تو غسل دیا تھا، اور نہ ہی ان پر جنازہ کی نماز پڑھی تھی۔''

شرح:

یہ ان نفع بخش دروس کے سلسلہ کا آخری درس ہے۔ اسے مصنف رحمہ اللہ نے میت سے متعلق احکام؛ اس کی تیاری؛ اس پر نماز جنازہ اور اس کی تدفین کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسائل بہت اہم ہیں؛ اور مسلمان کو چاہیے کہ ان مسلمان کو اچھی طرح سے سیکھے؛ یاد کرے اور ان کی معرفت حاصل کرے۔ موت ہر انسان پر آ کر رہنی ہے۔

---

[1] سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کا آخری کلام ((لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ)) ہوا وہ جنت میں داخل ہو گیا-[ابو دائود (3116) مستدرك حاكم 351/1 مسند احمد 233/5] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے مرنے والوں کو ((لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ)) کی تلقین کرو'-[مسلم (916) ترمذی (976) ابو دائود (3117)

[2] ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسلمہ کے پاس تشریف لائے تو ابوسلمہ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بند کر دیا، پھر فرمایا: ''جب روح قبض کی جاتی ہے تو نگاہ بھی اس کے پیچھے جاتی ہے۔'' پھر فرمایا: ''اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ، وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، وَافْسَحْ لَهُ فِي قَبْرِهِ، وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ''. ''یا اللہ ابوسلمہ کو معاف فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند فرما اور باقی لوگوں میں سے اس کا جانشین مقرر فرما؛ یا رب العالمین! ہمیں اور اس کو بخش دے اور اس کی قبر میں اس کے لئے کشادگی فرما اور اس میں اس کے لئے روشنی فرما۔'' [رواه مسلم في الجنائز (920).]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ [۳:۱۸۵]

''ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔''

میت کے کچھ خاص احکام ہیں جنہیں اس شریعت مطہرہ نے کھول کر بیان کیا ہے۔ اس میں میت کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کی تیاری؛ غسل اور کفن دینا؛ اس پر نماز جنازہ پڑھنا؛ اور اس کے لیے دعا کرنا اور اسے دفن کرنا؛ درحقیقت یہ بہت بڑے اور عظیم احکام ہیں؛ جن سے میت کا بڑا اور عظیم حق واضح ہوتا ہے جو اس کے اہل خانہ اور اقارب پر عائد ہوتا ہے؛ اور عام لوگوں پر بھی کہ وہ مرنے والے کے لیے دعا کریں اور اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔

اگر ان احکام سے جہالت برتی گئی تو ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات میت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے خلاف معاملہ برتا جائے۔ خواہ وہ میت کو غسل اور کفن دینے کے اعتبار سے ہو یا اس پر نماز جنازہ اور اس کے دفن کے اعتبار سے۔ اس لیے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی شریعت سے جاہل ہوتا ہے وہ بلا شبہ بیشتر اوقات ایسے مخالف شریعت امور میں واقع ہو جاتا ہے جن کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں۔

ایک آدمی نے ہم سے بیان کیا کہ۔ ایک بار ہمارے پاس ایک جنازہ لایا گیا؛ اور ہمیں اس کا پتہ نہیں تھا؛ چنانچہ ہم نے رکوع اور سجدہ کے ساتھ اس پر دو رکعت نماز جنازہ پڑھ لی۔ پس جس کسی کو احکام کا علم نہ ہو؛ وہ اس قسم کی حرکت کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ بسا اوقات اس سے بھی بڑی غلطی ہو جاتی ہے۔ میت کو دفن کرتے وقت کتنی ہی بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے جن سے میت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی زندوں کو اس کا نقصان ہوتا ہے؛ اس کا سبب دین سے جہالت ہے۔

پس اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان مسائل کا اہتمام کرے؛ اور انہیں اچھی طرح حفظ و ضبط کرے تاکہ اس کی طرف سے میت کے ساتھ جو معاملہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور محمد ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کے مطابق ہو۔

اوّل: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین

''شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین: جب کسی شخص پر موت کے آثار ظاہر ہو جائیں تو مشروع یہ ہے کہ اسے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین کرنی چاہیے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) (صحیح مسلم)

''اپنے مرنے والوں کو ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین کرو۔'' نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی صحیح سند سے ثابت ہے کہ:

((من كان آخر كلامه لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دخل الجنة))

''جس کا آخری کلام ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

پس مشروع یہ ہے کہ میت کو یہ اس عظیم کلمہ کی تلقین کی جائے۔تاکہ دنیا میں اس کا آخری کلام یہی کلمہ ہو؛اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی اتباع ہوجائے:

((لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔)) (صحیح مسلم)

''تم اپنے مرنے والوں کو ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین کرو۔''

مراد قریب المرگ لوگ؛ جن پر موت کے آثار ظاہر ہوگئے ہوں۔نہ کہ جو حقیقت میں مرگیا ہو۔پس پیار اور نرمی کے ساتھ اور اچھے انداز میں ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' کی تلقین کرنے میں جلدی کرنا سنت ہے۔تاکہ کلمہ پڑھنے والا کسی تنگی یا سختی کا شکار نہ ہو۔خصوصاً ایسے وقت میں کہ جب وہ سختی اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔جب ایک بار کلمہ پڑھ لے تو اس کا تکرار نہ کرواؤ؛ بلکہ ایسے ہی چھوڑ دو؛ اور اگر اس کے بعد کوئی دوسری بات کرے تو پھر دوبارہ کلمہ پڑھوائیں۔لیکن اس سارے معاملہ میں اس کے ساتھ انتہائی پیار و محبت اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔

دوم: مرنے والے کی آنکھیں بند کرنا

❁ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''مرنے والے کی آنکھیں بند کرنا: جب کسی کی موت کا یقین ہوجائے تو اس کی آنکھیں بند کردی جائیں اور اس کے جبڑے باندھ دیے جائیں۔اس بارے میں سنت میں ایسے ہی وارد ہوا ہے۔''یعنی جب اس کے آس پاس موجود لوگوں کو نشانیاں ظاہر ہونے کی بنا پر یا میڈیکل رپورٹ کی روشنی میں مرنے کا یقین ہوجائے؛ تو اس وقت سنت کے مطابق اس کی آنکھیں بند کی جائیں۔کیونکہ جب مرنے والے کی روح نکالی جاتی ہے؛ تو نظریں اس کا پیچھا کرتی ہیں؛ اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے؛ ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں؛ تو آپ نے ان کو بند کردیا۔'' (مسلم 920)

❁ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''اور اس کے جبڑے باندھ دیے جائیں'' جبڑے وہ دو ہڈیاں ہیں جن میں دانت لگے ہوتے ہیں؛ انہیں کسی کپڑے سے باندھ دیا جائے۔اگر انہیں نہ باندھا گیا تو بسا اوقات منہ کھلا رہ جاتا ہے۔پس جب انہیں باندھ دیا جائے تو میت کے ٹھنڈا ہونے پر یہ ایسے ہی بند رہے گا۔اس میں حکمت یہ ہے کہ غسل کے وقت پانی وغیرہ منہ میں داخل نہ ہو؛ اور دفن کے بعد کیڑے وغیرہ منہ میں نہ جائیں۔اگرچہ اس بارے میں کوئی متعین نص وارد نہیں ہوئی؛ پھر بھی یہ چیز عمومی اصولوں کے تحت داخل ہے۔

سوم: میت کو غسل دینا

❁ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''مسلمان میت کو غسل دینا''یعنی میت کو غسل دینا اس کے ان حقوق میں سے ہے جن کا ادا

کرنا واجب ہے۔اور غسل کے طریقہ کا بیان آگے آئے گا۔

''لیکن اگر وہ جنگ میں شہید ہوا ہے تو اسے نہ غسل دیا جائے گا۔'' کچھ ایسے شہداء بھی ہیں جنہیں شریعت مطہرہ میں شہید کیا گیا ہے؛لیکن وہ اہل معرکہ نہیں ہوتے۔جیسے پیٹ کی بیماری سے مرنے والا؛ ڈوب کرنے مرنے والا۔ یہ لوگ آخرت میں ثواب کے اعتبار سے شہید ہیں۔مگر دنیا میں ان کے ساتھ دوسروں لوگوں والا معاملہ ہوگا۔انہیں غسل اور کفن دیا جائے گا اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔جبکہ معرکہ کے شہید پر نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی،نہ اسے غسل دیا جائے گا؛ بلکہ اسے انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائے گا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے شہدائے احد کو نہ تو غسل دیا تھا، اور نہ ہی ان پر جنازہ کی نماز پڑھی تھی۔'' جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے؛ فرمایا:'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے پاس تشریف لائے تو فرمایا:''انہیں ان کے خون کے ساتھ ہی کفن میں لپیٹ دو۔''(مسند أحمد 23660)

ان شہدا کو بغیر غسل کے ان کے خون میں ایسے ہی دفن کرنے کی حکمت رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان گرامی سے معلوم ہوتی ہے:'' کوئی بھی زخمی ایسا نہیں جسے اللہ کے راستہ میں جو بھی زخم لگتا ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اسے اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوگا؛ اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور اس کی خوشبو مشک کی ہوگی۔''(البخاری 2803 ؛ مسلم 1876)

تاکہ اس عظیم نعمت واطاعت کے اثرات باقی رہیں؛ جو اللہ کی راہ میں اس کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرتے ہوئے اسے پہنچے ہیں۔''

چہارم: میت کو غسل دینے کا طریقہ

❁ ''شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''میت کی شرمگاہ کو ڈھانپ دیا جائے، پھر اسے تھوڑا سا اٹھایا جائے اور اس کے پیٹ کو آہستہ سے دبایا جائے، پھر غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑا یا اسی قسم کی کوئی چیز لپیٹ لے اور اس سے نجاست صاف کرے، پھر اسے نماز کے وضو کی طرح وضو کرائے، پھر پانی اور بیری یا اسی قسم کی کسی اور چیز سے اس کا سر اور داڑھی دھوئے، پھر اس کے دائیں پہلو کو، پھر بائیں پہلو کو دھوئے، پھر اسی طرح دوسری اور تیسری بار اسے غسل دے، ہر دفعہ اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرے اور اگر اس سے کوئی چیز نکلے تو اسے دھو دے اور وہ جگہ روئی وغیرہ سے بند کر دے، اگر نجاست کا نکلنا بند نہ ہو تو خالص نرم مٹی یا جدید طبی ذرائع مثلاً ٹیپ وغیرہ سے اس کو بند کر دے۔

پھر میت کو دوبارہ وضو کرائے، اور اگر تین بار میں صفائی حاصل نہ ہو تو پانچ یا سات دفعہ غسل دے، پھر اسے کپڑے سے سکھا دیا جائے اور سجدہ کی جگہوں اور جوڑوں پر خوشبو لگا دی جائے اور اگر سارے جسم کو خوشبو لگائی جائے تو بہتر ہے، اور اس کے کفن کو خوشبودار دھونی دی جائے، اور اگر اس کے مونچھ یا ناخن لمبے ہوں تو ان کو کاٹ دیا جائے، اور اگر ویسے ہی چھوڑ دیے جائیں تو کوئی حرج نہیں،لیکن بالوں میں کنگھی نہ کی جائے، زیر ناف کے بال نہ مونڈے جائیں اور ختنہ نہ

کیا جائے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور عورت کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر اس کی پشت پر چھوڑ دی جائیں۔

❁ ''شیخ رحمہ اللہ نے ''میت کو غسل دینے کا طریقہ'' ویسے ہی بیان فرمایا ہے جیسے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہوا ہے۔

چنانچہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سب سے پہلے جب میت کے کپڑے اتارے جائیں تو اس کے اعضاء ستر کا پردہ کیا جائے یعنی وہاں پر کوئی کپڑا وغیرہ رکھا جائے جس سے میت کی ستر چھپ جائے۔ اعضاء ستر کی طرف دیکھنا حرام ہے خواہ کسی زندہ کا ستر ہو یا مردہ کا۔ سنن ابی داؤد میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَلَا تَنْظُرَنَّ إِلَى فَخِذِ حَيٍّ وَلَا مَيِّتٍ))

''اور کسی مردہ یا زندہ کی ران کی طرف نہ دیکھو۔''

ابو داؤد 3140 ؛ ضعفه الالبانی فی الإرواء 698 ؛ وقال: وهی ان کانت أسانیدها کلها لا تخلو من ضعف ؛ فإن بعضها یقوی بعضاً لأن لیس فیها متّهم ؛ بل عللها تدور بین الاضطراب و الجهالة۔

جب کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں ہے؛ تو پھر ستر مغلظ یعنی اگلے یا پچھلے حصہ کو دیکھنے کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ پس واجب ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی شرمگاہ کا پردہ کیا جائے۔ جو کہ گھٹنے سے لے کر ناف تک ہے۔ اس کا لباس اس حال میں اتارا جائے کہ اس پر ستر چھپانے کے لیے کوئی کپڑا ڈال دیا جائے۔

❁ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پھر اسے تھوڑا سا اوپر اٹھایا جائے'' یعنی پشت اور سر کی جانب سے؛ اور اس کے پیٹ کو آہستہ سے دبایا جائے؛ اس طرح کہ غسل دینے والا اپنی کلائی پیٹ کے بالائی حصہ پر رکھے؛ اور پھر آہستہ سے نیچے کی طرف دباتا جائے۔ اسے اٹھایا اس لیے جاتا ہے کہ اگر پیٹ سے کوئی چیز نکلنے والی ہو تو وہ نکل جائے؛ اور یہ سب کام نرمی سے کیا جائے۔ اس لیے کہ میت کی حرمت بھی زندہ کی طرح ہوتی ہے؛ یہ نہ کہا جائے کہ یہ میت ہے اس کے ساتھ قوت اور سختی کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔ بلکہ اسے نرمی اور آہستگی سے اوپر کیا جائے؛ اور میت کے احترام کے پیش نظر نرمی سے دبایا جائے۔ جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں قابل احترام تھا۔

''پھر غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کپڑے کا لفافہ یا کوئی چیز چڑھا لے'' اس زمانہ میں کپڑے کے موٹے دستانے آسانی سے دستیاب ہیں؛ جو اس غرض کے لیے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ پھر اس سے اس میت کو استنجاء کروائے؛ اور صاف کرے۔ ہاتھ پر چڑھائے جانے والے اس کپڑے کا مقصد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ براہ راست اس کی شرمگاہ کو نہ لگے کیونکہ شرمگاہ کی طرف نہ ہی دیکھا جائے گا اور نہ ہی اسے براہ راست بلا واسطہ ہاتھ لگایا جائے گا۔

'' پھر اس کو ایسے وضوء کروائے جیسے نماز کے لیے وضوء کیا جاتا ہے'' حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا))(البخاری 167 مسلم 939)

''دائیں طرف سے شروع کرو اور وضو کے اعضاء سے ابتداء کرو۔''

پس شروع میں اسے نماز کے وضوء جیسا وضوء کروایا جائے۔علماء کہتے ہیں: سوائے کلی کروانے اور ناک میں پانی ڈالنے کے۔کیونکہ اگر اس کے ناک یا منہ میں پانی ڈالا گیا تو وہ اس کے پیٹ میں چلا جائے گا۔

پھر اس کے سر کے بالوں کو اور داڑھی کو پانی اور بیر کے پتوں سے دھویا جائے۔جیسا کہ صحیحین میں ہے؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کے بارے میں کہ جو اپنے اونٹ سے گرا اور مر گیا فرمایا:

((اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ))(البخاری 1265مسلم1206)

''اسے بیری کے پتوں کے پانی سے غسل دو۔''

❁ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''پھر اس کا دائیاں پہلو دھویا جائے پھر بائیاں پہلو۔جیسا کہ سابقہ حدیث میں گزرا:''دائیں طرف سے شروع کرو۔'' پھر ایسے ہی دوسری اور تیسری بار غسل دیا جائے۔اگر ضرورت پڑے تو پانچ یا سات بار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دیا جاسکتا ہے۔بس اس کا اختتام طاق عدد پر ہو۔جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ ذَلِكَ))

(البخاری 1265مسلم1206)

''اس کو طاق اعداد میں یعنی تین یا پانچ یا سات بار غسل دو؛ یا اس سے زائد بار؛ اگر تم اس کی ضرورت سمجھو۔''

''ہر بار میت کے پیٹ پر سے ہاتھ گزارا جائے؛ اگر اس سے کچھ نکلے تو اسے دھو دیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔اور پھر اس جگہ کو روئی یا کوئی ایسی چیز رکھ کر بند کردیا جائے۔''اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد پیٹ سے کچھ نہ نکلے۔اور اگر پیٹ سے مادہ نکلنا پھر بھی نہ بند ہو تو گاڑھی لیس دار مٹی یا کوئی ایسی چیز لگائی جائے۔اس مٹی کی پکڑ سخت ہوتی ہے۔''یا پھر جدید میڈیکل کا کوئی نسخہ استعمال کیا جائے۔'' کیونکہ اب ایسے معاملات آسان ہوگئے ہیں جو پہلے آسان نہیں تھے۔پس ایسا کوئی پلستر/ پٹی وغیرہ لگانے میں کوئی حرج نہیں جو اس مادہ کو باہر نکلنے سے روک سکے؛ اور وہ اس روئی یا مٹی کا قائم مقام بن جائے۔''اور اسے دوبارہ وضوء کرایا جائے؛ اور اگر تین بار دھونے سے پاک نہیں ہوا تو پانچ یا سات بار دھویا جائے'' جیسے بھی اس کی ضرورت محسوس ہو۔

''پھر اسے کپڑے سے خشک کرلیا جائے؛ اور اس کے جوڑوں میں خوشبو لگائی جائے۔جیسے بغلوں وغیرہ میں۔خصوصاً وہ مقامات جہاں پر پسینہ یا بو زیادہ ہوتے ہیں۔پس ان جگہوں پر خوشبو لگائیں؛ اور سجدہ کرنے والے اعضاء جیسے پیشانی؛ دونوں ہاتھوں اور ناک کو بھی خوشبو لگائی جائے؛ اس میں اعضائے سجدہ کا شرف اور ان کے مقام و مرتبہ کا بیان ہے۔

''اگر سارے کو خوشبو لگائی جائے تو بہت اچھا ہے'' یعنی جب خوشبو میسر ہو؛ اور کوئی (میت کے) تمام جسم کو خوشبو لگانا چاہے تو اچھی بات ہے۔بعض صحابہ کرام جیسے حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا کرنا منقول ہے۔

''اس کے کفن کو معطر کیا جائے'' یعنی کفن کے کپڑے کو پاکیزہ خوشبو والی چیز لگا کر خوشبودار بنایا جائے (دھونی دی جائے)۔ تاکہ کفن سے اچھی خوشبو آتی رہے۔ اور سنت ہے کہ طاق عدد میں خوشبو لگائی جائے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میت کو خوشبو لگاؤ تو طاق مرتبہ خوشبو لگاؤ۔'' أخرجه أبو يعلى في مسنده 2300 ؛ ابن حبان في صحيحه 3031 ؛ و الحاكم 1310 ؛ و صححه الالبانی /صحيح الجامع 481۔

''اور اگر اس کے مونچھ یا ناخن لمبے ہوں تو ان کو کاٹ دیا جائے، اور اگر ویسے ہی چھوڑ دیے جائیں تو کوئی حرج نہیں'' اصل یہ ہے کہ اس کے پورے جسم کی حفاظت کی جائے۔

''لیکن بالوں میں کنگھی نہ کی جائے، زیر ناف کے بال نہ مونڈے جائیں اور ختنہ نہ کیا جائے، کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے'' ایسا نہ ہو کہ کوئی چیز گر جائے جو اس کے بدن کے کسی حصہ کے زائل ہونے کا سبب بن جائے۔

''عورت کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر اس کی پشت پر چھوڑ دی جائیں۔'' جیسا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ہے؛ فرماتی ہیں: ''کہ ہم نے کنگھی کر کے ان کے بالوں کو تین چوٹیوں میں تقسیم کر دیا۔'' اور ان چوٹیوں (مینڈھیوں) کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا جائے۔

پنجم: میت کو کفن دینا

''افضل یہ ہے کہ مرد کو تین سفید کپڑوں میں کفنایا جائے، جن میں قمیص اور عمامہ نہ ہو؛ جیسے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا گیا، میت کو ان کپڑوں میں اچھی طرح لپیٹ دیا جائے اور اگر قمیص، تہبند اور چادر میں کفنایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنایا جائے: قمیص، اوڑھنی، تہبند اور دو چادریں۔

ویسے سب کے لیے واجب صرف ایک کپڑے میں کفن دینا ہے جو میت کے پورے جسم کو ڈھانک لے۔ لیکن مرنے والا اگر حالتِ احرام میں تھا تو اسے پانی اور بیری سے غسل دیا جائے گا اور اسی چادر اور تہبند میں یا ان کے علاوہ کپڑے میں کفنایا جائے گا، البتہ اس کا سر اور چہرہ نہیں ڈھانکا جائے گا اور نہ ہی اسے خوشبو لگائی جائے گی۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ، قیامت کے دن وہ شخص تلبیہ پکارتا ہوا اٹھایا جائے گا۔ اسی طرح اگر حالت احرام میں مرنے والی عورت ہے تو دیگر عورتوں کی طرح اسے بھی کفنایا جائے گا لیکن اسے خوشبو نہیں لگائی جائے گی، اور نہ ہی اس کے چہرہ کو نقاب سے اور ہاتھوں کو دستانے سے ڈھانکا جائے جس میں وہ کفنائی گئی ہے، جیسا کہ عورت کو کفنانے کے طریقے کا بیان گذر چکا۔ چھوٹے بچہ کو ایک تا تین کپڑوں میں کفنایا جائے گا اور چھوٹی بچی کو ایک قمیص اور دو چادروں میں کفنایا جائے گا۔

شرح:

۞ ''شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میت کو کفن دینا'' یہ مرحلہ غسل کے فوراً بعد ہوتا ہے۔ مذکورہ طریقہ پر میت کو غسل

دینے کے بعد اسے کفن پہنایا جائے۔

۞ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''افضل یہ ہے کہ مرد کو تین سفید کپڑوں میں کفنایا جائے، جن میں قمیص اور عمامہ نہ ہو؛ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا گیا'' کپڑوں سے مراد اس کے لمبے لمبے ٹکڑے ہیں؛ ان میں سے ہر ٹکڑا اتنا لمبا ہونا چاہیے کہ میت کو اس میں لپیٹنے کے لیے کفایت کر جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كُفِّنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ))

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سفید سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا جو روئی کے تھے، اس میں قمیص تھی، نہ عمامہ۔''

''میت کو ان کپڑوں میں اچھی طرح لپیٹ دیا جائے''یعنی میت کو پہلے کپڑے میں رکھ کر مکمل لپیٹ دیا جائے؛ اس کے نیچے دوسرا کپڑا ہو؛ اور اس طرح باقی بھی۔ اور اگر قمیص، تہبند اور چادر میں کفنایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے'اور اگر صرف ایک لفافہ میں ہی کفن دیا گیا تو بھی کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ اس سے مقصود یعنی میت کا ستر حاصل ہو جاتا ہے۔

''عورت کو پانچ کپڑوں میں کفنایا جائے: قمیص، اوڑھنی، تہبند اور دو چادریں'' یہ چیزیں مرد کے کفن سے زائد ہیں؛ اس لیے کہ عورت کے کفن میں اس کے ستر کی وجہ سے مبالغہ اور پردہ پوشی کا زیادہ اہتمام ہوتا ہے۔ عورت اپنی زندگی میں بھی مرد سے زیادہ ستر کرتی ہے؛ کیونکہ اس کے اعضاء ستر مرد کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔ اور یہی حال اس کا مرنے کے بعد بھی ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اسے ستر اور اس کے اردگرد پر تہبند پہنائی جائے گی؛ پھر قمیص؛ پھر سر پر اور اس کے گرد چادر ڈالی جائے گی؛ پھر دو لفافے ایسے ہی پہنائے جائیں گے جیسے مرد کو پہنائے جاتے ہیں۔ یہ افضل طریقہ ہے جیسا کہ اہل علم نے ذکر کیا ہے۔ اور ایسی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اگر اس سے کم کپڑوں میں کفن دیا گیا تو بھی جائز ہے۔ (مجموع فتاوی الشیخ ابن باز رحمہ اللہ 13/127)

اس سلسلہ میں لیلی بنت قانف ثقفیہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی ہے؛ وہ فرماتی ہیں:

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو ان کو غسل دینے والی عورتوں میں میں بھی شامل تھی تو کفن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سب سے پہلے ازار دیا۔ اس کے بعد کرتہ پھر اوڑھنی پھر چادر اور آخر میں ایک اور کپڑا دیا جو اوپر سے لپیٹ دیا گیا۔'' لیلی کہتی ہیں کہ:

''اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر تشریف فرما تھے آپ کے پاس کفن کے کپڑے تھے جو

اس حدیث کا بقیہ حصہ یوں ہے: ''اور رہا حلہ، اس میں ہم کو شبہ ہو گیا، حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خریدا گیا تھا تاکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دیں؛ لیکن اس حلہ کو چھوڑ دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا اور وہ حلہ عبداللہ بن ابی بکر نے لے لیا اور کہا کہ میں اس کو رکھوں گا تاکہ مجھے اسی میں کفن دیا جائے پھر کہنے لگے اگر اللہ کو اپنے نبی کے کفن میں یہ پسند ہوتا تو آپ کو اسی میں کفن دیا جاتا پھر اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت خیرات کر دی۔'' (بخاری 1273؛ مسلم 941)

آپ ہم کو ایک ایک کر کے دیتے جاتے تھے۔'' (أخرجه أحمد 27135 ؛ أبو داؤد 3157)

ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جن اہل علم سے ہم علم کو محفوظ کرتے ہیں؛ ان کی اکثریت کی رائے ہے کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔'' (المغنی لابن قدامه 350/2 ؛ الأوسط لابن منذر 356/5)

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ عورت کے کفن کے کپڑوں کی تعداد بھی تین سفید لفافے ہیں جیسا کہ مردوں کے لیے ہوتا ہے؛ اس لیے کہ احکام میں اصل عورتوں اور مردوں کے مابین مساوات ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس باب میں مروی حدیث کی سند میں کلام ہے۔

''ویسے سب کے لیے واجب صرف ایک کپڑے میں کفن دینا ہے جو میت کے پورے جسم کو ڈھانک لے'' یہ کامل اور اتم ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔ کہ تین کپڑوں میں کفن دیا جائے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا۔ اور اگر اتنے کپڑے میسر نہ ہوں تو ایک ہی ایسے کپڑے سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔

''لیکن مرنے والا اگر حالتِ احرام میں تھا تو اسے پانی اور بیری سے غسل دیا جائے گا اور اسی چادر اور تہبند میں یا ان کے علاوہ کپڑے میں کفنایا جائے گا، البتہ اس کا سر اور چہرہ نہیں ڈھانکا جائے گا''.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اسے بیری کے پتوں کے پانی سے غسل دو اور دو کپڑوں میں اس کو کفن دو اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور نہ ہی اس کا سر ڈھانپو کیونکہ اللہ قیامت کے دن اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ یہ تلبیہ کہہ رہا ہوگا۔'' اور نہ ہی اسے خوشبو لگائی جائے گی، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔''

''قیامت کے دن وہ شخص تلبیہ پکارتا ہوا اٹھایا جائے گا۔''

''اسی طرح اگر حالت احرام میں مرنے والی عورت ہے تو دیگر عورتوں کی طرح اسے بھی کفنایا جائے گا لیکن اسے خوشبو نہیں لگائی جائے گی۔''' اور نہ ہی اس کے چہرہ کو نقاب سے اور ہاتھوں کو دستانے سے ڈھانکا جائے جس میں وہ کفنائی گئی ہے، جیسا کہ عورت کو کفنانے کے طریقے کا بیان گذر چکا۔''

''چھوٹے بچہ کو ایک تا تین کپڑوں میں کفنایا جائے گا اور چھوٹی بچی کو ایک قمیص اور دو چادروں میں کفنایا جائے گا۔'' اس لیے کہ اسے اپنی زندگی میں بھی (پردہ دار) چادر کی ضرورت نہیں ہوتی؛ ایسے ہی مرنے کے بعد بھی۔

ششم: نماز جنازہ

''شیخ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میت کو غسل دینے، اس کی نماز جنازہ پڑھانے اور اس کو دفن کرنے کا سب سے زیادہ حق دار اس کا وصی ہے (وہ مرد جس کو مرنے والے نے وصیت کی ہو) اور پھر باپ، پھر دادا اور پھر درجہ بدرجہ میت کا قریب ترین رشتہ دار حق دار ہے۔''

اسی طرح عورت کو غسل دینے کی سب سے زیادہ حق دار اس کی وصیہ ہے (وہ عورت جس کو میت نے وصیت کی ہو)

اور پھر ماں پھر دادی اور پھر عورتوں میں درجہ بدرجہ قریب ترین رشتہ دار عورت حق دار ہے۔شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کو غسل دینے کا حق ہے، اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی نے غسل دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔''

شرح:

- شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے: ''چھٹے مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ: ''میت کو غسل کون دے گا''؟
- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میت کو غسل دینے، اس کی نماز جنازہ پڑھانے اور اس کو دفن کرنے کا سب سے زیادہ حق دار اس کا وصی ہے (وہ مرد جس کو مرنے والے نے وصیت کی ہو)۔''اس لیے کہ یہ میت کا حق ہے؛ پس وصی کو جنازہ کے لیے دوسروں پر مقدم کیا جائے گا۔
- ''پھر باپ، پھر دادا اور پھر درجہ بدرجہ میت (مرد) کا قریب ترین رشتہ دار حق دار ہے۔''یعنی باپ اور دادا کے بعد بیٹے ؛ بھلے نسل جتنی نیچے چلی جائے؛ پھر بھائی؛ اور ان کی اولاد؛ پھر چاچا اور ان کی اولاد۔
- ''اسی طرح عورت کو غسل دینے کی سب سے زیادہ حق دار اس کی وصیہ ہے (وہ عورت جس کو میت نے وصیت کی ہو) اور پھر ماں پھر دادی اور پھر عورتوں میں درجہ بدرجہ قریب ترین رشتہ دار عورت حق دار ہے۔''اولیٰ اس کی وصیت ہے ؛ اگر وہ نہ ہو تو پھر اس کی ماں؛ اور اس سے اوپر؛ پھر بیٹی؛ اور اس سے نیچے؛ پھر اس کی قریب ترین رشتہ دار خواتین ؛اس کی بہن باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے؛ یا پھر سگی بہن؛ پھر پھوپھی؛ پھر خالہ؛ آخر تک۔
- '' شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کو ایک دوسرے کو غسل دینے کا حق ہے، اس لیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی نے غسل دیا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔''شوہر کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مر جانے پر غسل دے؛ اور عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ شوہر مر جانے پر اسے غسل دے۔

ہفتم: نماز جنازہ کا طریقہ

- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں گی: پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی اور اگر اس کے بعد کوئی چھوٹی سورہ یا ایک دو آیتیں پڑھ لے تو بہتر ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں صحیح حدیث وارد ہے۔پھر دوسری تکبیر کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تشہد والا درود پڑھے۔پھر تیسری تکبیر کہہ کر یہ دعا پڑھے:

((أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، أَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ، أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَ ارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ ،

وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ ، أَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔))

''اے اللہ! ہمارے زندوں اور مُردوں اور ہمارے حاضر و غائب اور ہمارے چھوٹوں اور بڑوں اور ہمارے مردوں اور عورتوں کو بخش دے، اے اللہ! ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو وفات دے اس کو ایمان پر وفات دے، اے اللہ! اس میت کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کو عافیت میں رکھ اور اس سے درگذر فرما اور اس کی با عزت مہمانی فرما اور اس کی قیام گاہ کو کشادہ کر اور اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے اور اسے گناہوں اور غلطیوں سے ایسا پاک کر دے جیسے سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے اور اس کو اس کے گھر کے بدلے اس سے بہتر گھر اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما اور اس کو جنت میں داخل فرما اور اسے عذاب قبر اور عذاب جہنم سے بچالے اور اس کے لیے اس کی قبر کو کشادہ کر اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دے، اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر اور اس کے پیچھے ہمیں گمراہ نہ کر۔''

پھر چوتھی تکبیر کہہ کر اپنے دائیں جانب ایک سلام پھیرے۔ مستحب یہ ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے [رفع الیدین کرے]۔

شرح:

یہ ساتواں مسئلہ ہے جس میں میت پر نماز جنازہ کا طریقہ بیان ہوا ہے۔

- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں گی '' اس کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے:

((فَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلَّى وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تكبيرات)) (البخاری 1245 ؛ مسلم 951)

''ان کو لے کر عید گاہ میں گئے اور چار تکبیریں کہیں۔''

اس باب میں بہت ساری احادیث وارد ہوئی ہیں۔'' (أحکام الجنائز ا ز البانی ص 111)

چار سے زیادہ تکبیریں کہنا بھی ثابت ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی سے روایت ہے؛ فرماتے ہیں:

((كَانَ زَيْدٌ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا وَإِنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُهَا))(مسلم 957)

''حضرت زید رضی اللہ عنہ جنازوں پر چار تکبیرات کہتے تھے اور ایک دفعہ پانچ تکبیرات کہیں تو میں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ تکبیرات بھی کہتے تھے۔''

- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی اور اگر اس کے بعد کوئی چھوٹی سورہ یا ایک دو

آیتیں پڑھ لے تو بہتر ہے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں صحیح حدیث وارد ہے۔''حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں ایک جنازہ کی نماز ادا کی۔ انہوں نے سورت فاتحہ اور ایک سورت پڑھی بلند آواز سے۔ یہاں تک کہ ہم کو ان کی آواز سنائی دی. جس وقت فراغت ہوگئی تو میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ سنت ہے اور حق ہے۔''

(البخاری 1335؛ النسائی 1987)

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''دوسری تکبیر کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تشہد والا درود پڑھے۔''اس لیے کہ علیحدہ سے اس کے کوئی خاص الفاظ منقول نہیں ہیں؛ تو وہی درود پڑھا جائے گا جو فرض نماز میں تشہد میں ثابت ہے۔

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''تیسری تکبیر کہہ کر یہ دعا پڑھے:

((أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، أَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ، أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ، أَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ۔))(ترجمہ گزر چکا ہے)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو دعا ذکر کی ہے؛ اس میں اسے اس باب میں وارد تین احادیث سے جمع کیا گیا ہے۔

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ((أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا ...الی آخر... مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ۔'' پھر اس کے آخر میں دعا ہے: ((أَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ۔)) ۔ یہ دعائیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابی داؤد میں وارد ہوئی ہیں۔ (سنن ابی داؤد 3201 ؛ ابن ماجه 1498 / أحكام الجنائز 124)

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ((أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ وَارْحَمْهُ ...الی آخر... وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ))یہ دعا صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالک کی حدیث سے ثابت ہے۔ (مسلم 963)

اور یہ دعا: ((وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ))، یہ دعا حضرت ابو سلمہ والی روایت میں ثابت ہے۔ (مسلم 920)

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان: ((أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا. أَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ۔''

آپ ذرا اس دعا پر غور وفکر کریں؛ یہ کتنی ہی عظیم الشان دعا ہے؛ اس وقت سامنے تو ایک میت ہوتی ہے؛ یہ دعا اس

میت کو بھی شامل ہوتی ہے؛ اور عمومی طور پر تمام مرے ہوئے اور زندہ مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے؛ بھلے کوئی موجود ہو یا غائب؛ چھوٹا ہو یا بڑا؛ مرد ہو یا عورت۔

یہاں پر زندگی میں اسلام اور وفات کے وقت ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس جو کوئی زندہ ہو اس کے لیے فرصت ہوتی ہے کہ وہ عمل کرے؛ جیسے نماز پڑھنا؛ روزہ؛ حج اور صدقہ وغیرہ دیگر اعمال۔ اور جس کی وفات کا وقت قریب آگیا ہو اب اس کے لیے عمل کی کوئی فرصت نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ اس کی موت صحیح ایمان اور عقیدہ پر آجائے؛ اسی لیے فرمایا:

- ''مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ ''یعنی نیک عمل پر؛ اور ''وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ ''یعنی صحیح عقیدہ پر موت آئے۔
- ''أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ '''' اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما۔'' مغفرت: گناہوں سے درگزر کرتے ہوئے ان پر پردہ ڈالنا؛ رحمت اس سے زیادہ بلیغ ہے اس میں مکروہ کے خاتمہ کی بعد مرغوب کا حصول ہوتا ہے۔
- ''وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ '''' اور اس کو عافیت میں رکھ اور اس سے درگذر فرما'' عذاب سے عافیت اور سلامتی؛ اور جو کچھ اس سے غلطیاں اور کوتاہی ہوئی ہے اس کو معاف کردے۔
- ''وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ '''' اور اس کی باعزت مہمانی فرما'' یعنی: جو کچھ مہمان نوازی اور ضیافت ہو باعزت ہو۔
- ''وَوَسِّعْ مُدْخَلَهُ '''' اور اس کی قیام گاہ کو کشادہ کر'' یعنی اس کی قبر کو کھلا کردے؛ اس میں وسعت دے؛ اور جنت میں اس کی منزل کو وسیع کردے؛ یہاں پر مدخل مفرد مضاف ہے جو کہ عام ہے۔
- ''وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ '''' اور اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو دے'' یہ تینوں امور گناہوں کی گرمی اور حرارت کے مقابلہ میں ہیں۔ پس یہ چیزیں اس کو ٹھنڈک پہنچائیں گی؛ اور اس آگ کو بجھائیں گی۔
- ''وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ '''' اور اسے گناہوں اور غلطیوں سے ایسا پاک کردے جیسے سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے'' یعنی پوری پوری اور مکمل صفائی کردے۔ یہاں پر بطور خاص سفید رنگ ذکر کیا ہے کیونکہ اس سے میل کا ختم ہونا دوسرے رنگوں کی نسبت زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔
- ''وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهِ '''' اور اس کو اس کے گھر کے بدلے اس سے بہتر گھر عطا کر'' یعنی اسے اپنی عزت والی جنت میں داخل کر؛ اس دنیاوی گھر کے بدلے جس سے یہ کوچ کر گیا ہے۔
- ''وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهِ '''' اور اس کے اہل خانہ سے بہتر اہل خانہ عطا فرما'' یہ تبدیلی اعیان اور اوصاف کو شامل ہے۔ جہاں اعیان کا تعلق ہے؛ تو اللہ اس کے بدلے میں بہتر اپنے دار کرامت میں عطا کردے۔ اور اوصاف کے لحاظ بوڑھے کو جوان سے بدل دے؛ بداخلاق کو بااخلاق سے؛ اور بدصورت کو خوبصورت سے بدل دے۔
- ''وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ '''' اور اس کو جنت میں داخل فرما اور اسے عذاب قبر اور عذاب جہنم سے بچالے''. پھر اللہ تعالیٰ سے اس مردہ کی مغفرت اور اس کے جنت میں داخل ہونے اور

قبر کی آزمائش اور اس کے شر اور برے اثرات سے سلامت رہنے کی دعا ہے۔

- ''وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ''''اور اس کے لیے اس کی قبر کو کشادہ کر''''وَنَوِّرْ لَهُ فِيْهِ''''اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دے''یعنی قبر روشن کر دے۔
- ''اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ''''اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ کر'' یعنی اس میت کے ساتھ احسان و بھلائی کرنے کا اجر ثواب؛ جیسے اس کے لیے دعا کرنا؛ اور نماز پڑھنا؛ اس کے حقوق کا ادا کرنا؛ اور اس کے چلے جانے پر صبر کرنا اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھنا ہے۔
- ''وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ۔ اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کرنا'' یعنی اس کے فتنہ میں مبتلا ہو کر گمراہی کا شکار نہ ہو جائیں۔

یہ بہت ہی جامع اور عظیم الشان دعا ہے۔ جس میں میت کے لیے معافی؛ بخشش؛ سلامتی؛ نجات؛ اکرام و احسان کی دعا ہے اور یہ دعا ایسے اہم وقت میں کی جارہی ہی جب میت پر نماز پڑھی جارہی ہے؛ یا ایسا وقت ہے جب میت کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا میں مبالغہ کرنا مستحب ہے؛ کیونکہ اسے اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے اسی لیے لایا گیا ہے کہ اس کے لیے دعا کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کے گناہوں کی مغفرت؛ عیوب کا پردہ اور غلطیوں کی معافی طلب کریں۔ یہ ایسی دعا ہے جو ان شاء اللہ میت کو فائدہ دے گی۔ اور یہ دعا اہل ایمان کے مابین رحمت و شفقت اور پیار و محبت کے گہرے اور مضبوط رشتے اور تعلق پر دلالت کرتی ہے۔

- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''پھر چوتھی تکبیر کہہ کر اپنے دائیں جانب ایک سلام پھیر لے۔ مستحب یہ ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے [رفع الیدین کرے]۔'' شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو کچھ ہر تکبیر کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ یہ صحیح اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا کرتے تھے۔''

رواہ البیہقی فی الکبری 6993 ؛ ابن ابی شیبة 11380 ؛ و صححه الألبانی فی 'الضعیفة 13/ 118۔

یہ اس بات کی دلیل ہے آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہوگا؛ کیونکہ ایسا کام رائے سے نہیں ہوتا۔

دعائے جنازہ کے الفاظ میں فرق

- ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور اگر میت عورت ہو تو ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا ...'' کہے، اور اگر جنازے دو ہوں تو ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا ...'' کہے، اور اگر دو سے زیادہ ہوں تو ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ ...'' کہے۔ اور صرف عورتیں ہوں تو ''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُنَّ....''

اگر میت نابالغ ہو تو دعائے مغفرت کے بجائے یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ فَرَطًا وَذُخْرًا لِوَالِدَيْهِ وَشَفِيْعًا مُجَابًا، اَللّٰھُمَّ ثَقِّلْ بِهِ مَوَازِيْنَهُمَا وَاعْظِمْ بِهِ اَجُوْرَهُمَا وَالْحِقْهُ بِصَالِحِ سَلَفِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاجْعَلْهُ فِيْ كَفَالَةِ اِبْرَاهِيْمَ وَقِهِ بِرَحْمَتِكَ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۔))

''یااللہ! اسے آگے جانے والا اور اپنے والدین کے لیے ذخیرہ اور ایسا قابل قبول سفارشی بنا، یا اللہ! اس کی وجہ سے اس کے والدین کے اعمال کا پلہ وزنی کردے اور ان کا اجر بڑھا دے اور اس کو نیک اہل ایمان میں شامل فرما اور ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں دیدے اور اپنی مہربانی سے اس کو عذاب دوزخ سے بچالے۔''

شرح:

''شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''اور اگر میت عورت ہوتو "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهَا..." کہے'' تاکہ ہر دعاء میں ضمیر کے الفاظ کی شروع سے آخر تک میت کے احوال سے مناسبت ہو سکے۔ اگر میت عورت ہو تو یوں کہے: ((أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا وَعَافِهَا وَاعْفُ عَنْهَا وَأَكْرِمْ نُزُلَهَا وَوَسِّعْ مُدْخَلَهَا)) ۔الخ

اگر دو جنازے ہوں تو "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا..." کہے'' یعنی پھر اس مناسبت سے تثنیہ کی ضمیر لائی جائے؛ اور یوں کہے: ((أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا وَارْحَمْهُمَا وَعَافِهِمَا.......))۔

اگر دو سے زیادہ ہوں تو "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ..." کہے۔''اگر جنازوں کی تعداد زیادہ ہوتو پھر ضمیر بھی اسی مناسبت سے لائی جائی گی؛ اور یوں کہا جائے گا:((أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَعَافِهِمْ وَاعْفُ عَنْهُمْ.....الخ

اگر امام کو پتہ نہ ہو کہ میت مرد ہے یا عورت؛ تو پھر یوں کہے:((أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ....))۔میت کے اعتبار سے۔اور اگر یوں کہے: ((أَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهَا ....))۔جنازہ کے اعتبار سے؛ تو بھی درست ہے۔

اگر میت نابالغ ہوتو دعائے مغفرت کے بجائے یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ فَرَطًا وَذُخْرًا لِوَالِدَيْهِ وَشَفِيْعًا مُجَابًا، اَللّٰھُمَّ ثَقِّلْ بِهِ مَوَازِيْنَهُمَا وَاعْظِمْ بِهِ اَجُوْرَهُمَا وَالْحِقْهُ بِصَالِحِ سَلَفِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاجْعَلْهُ فِيْ كَفَالَةِ اِبْرَاهِيْمَ وَقِهِ بِرَحْمَتِكَ عَذَابَ الْجَحِيْمِ۔))

''یااللہ! اسے آگے جانے والا اور اپنے والدین کے لیے ذخیرہ اور قابل قبول سفارشی بنا، یا اللہ! اس کی وجہ سے اس کے والدین کے اعمال کا پلہ وزنی کردے اور ان کا اجر بڑھا دے اور اس کو نیک اہل ایمان میں شامل فرما اور ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں دیدے اور اپنی مہربانی سے اس کو عذاب دوزخ سے بچالے۔''

فرط:......چھوٹے بچے کو کہتے ہیں؛ جو اپنے والدین سے پہلے آخرت کی طرف چلا جاتا ہے؛ تاکہ ان کے باعث اجر وثواب ہو جائے۔حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں ثابت ہے؛ فرمایا:''حمل گرے بچے پر جنازہ پڑھا جائے گا اور اس کے والدین کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے گی۔''(أحمد 18174 ؛ أبو داؤد 3180

؛ صحیح/الارواء 716)

سقط:...... اس بچے کو کہتے ہیں : جو ماں کے پیٹ سے حمل گر جائے ؛مکمل ہونے سے قبل ۔ بچے کے لیے دعا میں اس کے والدین کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کا حکم ہے۔ یہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔ والدین کے لیے دعا میں حکمت یہ ہے کہ یہ دونوں اس کے وجود کا سبب ہیں۔اور اب انہوں نے اسے کھو دیا ہے؛ اب ان کی نظریں اس پر لگی ہوئی ہیں ؛ حالانکہ ان دونوں کی چاہت تھی کہ یہ زندہ رہے۔

اس باب میں بعض روایات بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے وارد ہوئی ہیں ؛ حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں: ''اللہ سے دعا کرو کہ وہ اس بچے کو ان کے لیے باعث اجر اور ذخیرہ بنا دے۔''(ابن ابی شیبہ 11599)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یا اللہ اسے ہمارے لیے پیش خیمہ؛ باعث اجر اور ذخیرہ بنا دے۔''

(ابن ابی شیبہ 11599)

جنازہ کیسے پڑھائیں؟

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سنت یہ ہے کہ امام، مرد کے سر کے برابر میں اور عورت کے جنازہ کے بیچ میں کھڑا ہو، اور اگر کئی جنازے جمع ہوں تو مرد کا جنازہ، امام سے متصل اور عورت کا جنازہ قبلہ کی جانب ہو، اور اگر ان کے ساتھ بچے بھی ہوں تو بچہ کا جنازہ عورت سے پہلے اور پھر عورت کا اور پھر بچی کا جنازہ رکھا جائے اور بچہ کا سر اور عورت کی کمر مرد کے جنازہ کے سر کے برابر میں ہو، اور اسی طرح بچی کا سر عورت کے جنازہ کے سر کے برابر میں اور اس کی کمر مرد کے سر کے برابر میں ہوگی۔

تمام نمازی امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے، الا یہ کہ اگر کوئی ایک نمازی امام کے پیچھے جگہ نہ پائے تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے۔''

شرح:

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''سنت یہ ہے کہ امام، مرد کے سر کے برابر میں اور عورت کے جنازہ کے بیچ میں کھڑا ہو'' مسند احمد میں ابی غالب خیاط سے روایت ہے؛فرماتے ہیں: ''میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی وہ اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے۔ جب یہ جنازہ اٹھالیا گیا تو پھر لوگ ایک قریشی / یا انصاری عورت کا جنازہ لائے اور ان سے کہا گیا: ''اے ابوحمزہ ! یہ فلاں بنت فلاں ہے؛ اس کی نماز جنازہ پڑھائیے۔'' آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی؛اور آپ چارپائی کے درمیان کے مقابل کھڑے ہوئے۔ہم میں حضرت علاء بن زید عدوی بھی تھے: جب انہوں نے عورت اور مرد کے جنازہ پر کھڑے ہونے میں اس اختلاف کو دیکھا تو ان سے پوچھا: اے ابوحمزہ! کیا

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرد اور عورت کا نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے اسی جگہ کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے جہاں آپ کھڑے ہوئے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر حضرت علاء ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اسے یاد رکھو۔''
(أحمد 13114 ؛ الترمذی 1034 ؛ أحکام الجنائز 109۔)

امام ترمذی فرماتے ہیں: حدیث انس حسن ہے۔اور فرمایا: ''بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ امام احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔''

چھوٹے اور بڑے کے ساتھ ایسا ہی کیا جائے گا۔ اگر مرد یا بچہ ہو تو امام جنازہ کے سر کے قریب کھڑا ہوگا اور اگر عورت یا بچی ہو تو امام جنازہ کے درمیان میں کھڑا ہوگا۔ اور اگر جنازوں کی تعداد زیادہ ہو تو انہیں اس طرح سے رکھا جائے گا کہ امام مرد کے سر کے قریب اور عورت کے درمیان میں کمر کے مقابل کھڑا ہو۔''

- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' اور اگر کئی جنازے جمع ہوں تو مرد کا جنازہ، امام سے متصل اور عورت کا جنازہ قبلہ کی جانب ہو' اگر صرف دو جنازے ہوں؛ ایک مرد اور ایک عورت کا؛ تو مرد کو امام کی طرف رکھا جائے عورت کو اس کے بعد۔ مرد کو اس کے شرف مردانگی کی وجہ سے افضلیت دی جائے گی۔ نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نو جنازوں پر ایک ساتھ نماز ادا کی؛ تو مردوں کو امام کے نزدیک کیا اور خواتین کو قبلہ کی طرف کر دیا۔ ان تمام کی ایک صف بنائی۔''
- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور اگر ان کے ساتھ بچے بھی ہوں تو بچے کا جنازہ عورت سے پہلے اور پھر عورت کا اور پھر بچی کا جنازہ رکھا جائے'' نسائی میں عمار مولی بنی ہاشم سے روایت ہے: کہتے ہیں: ''میں ایک عورت اور لڑکے کے جنازہ میں شریک تھا۔ لڑکے کو لوگوں کی طرف رکھا گیا اور عورت کو اس کے بعد رکھا گیا؛ اور ان دونوں پر جنازہ پڑھ لیا گیا۔ لوگوں میں اس وقت حضرت ابن عباس؛ حضرت ابوسعید؛ حضرت ابوقتادہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے ۔ میں نے ان سے اس کے متعلق پوچھا؛ تو انہوں نے فرمایا یہی مسنون ہے۔'' (سنن الکبری للنسائی 1978؛ احکام الجنائز 103)
- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور بچہ کا سر اور عورت کی کمر مرد کے جنازہ کے سر کے برابر میں ہو، اور اسی طرح بچی کا سر عورت کے جنازہ کے سر کے برابر میں اور اس کی کمر مرد کے سر کے برابر میں ہوگی۔'' بچے کو مرد کی طرح رکھا جائے گا اور بچی کو بڑی عورت کی طرح؛ جیسا کہ گزر چکا۔
- شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تمام نمازی امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے، الا یہ کہ اگر کوئی ایک نمازی امام کے پیچھے جگہ نہ پائے تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے۔'' نجاشی رحمۃ اللہ علیہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جنازہ کے واقعہ میں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے؛ اور لوگوں نے ان کے پیچھے صف بندی کی اور چار تکبیریں کہیں۔''

اگر کوئی ایک نمازی امام کے پیچھے جگہ نہ پائے تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے۔

ہشتم: دفن کرنے کا طریقہ

۞ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مشروع یہ ہے کہ آدمی کی کمر تک قبر گہری کی جائے اور اس میں قبلہ کی طرف لحد بنائی جائے، میت کو لحد میں داہنے پہلو پر لٹایا جائے اور اس کے کفن کی گرہیں کھول کر چھوڑ دی جائیں انہیں نکالا نہ جائے، میت خواہ مرد ہو یا عورت اس کا چہرہ نہ کھولا جائے، پھر لحد کے اوپر سے کچی اینٹیں رکھ کر مٹی سے لیپ کر دیا جائے تا کہ اینٹیں مضبوطی پکڑ لیں اور میت تک مٹی نہ جانے دیں، اگر اینٹیں نہ مل سکیں تو ان کی جگہ تختے یا پتھر یا لکڑی لگا دی جائے جو لحد میں مٹی گرنے سے بچاؤ کرے، پھر اس پر مٹی ڈالی جائے، مٹی ڈالتے وقت "بِسْمِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللهِ" پڑھنا مستحب ہے۔ مٹی ڈالنے کے بعد قبر ایک بالشت کے برابر اونچی کر دی جائے اور اگر دستیاب ہو تو قبر کے اوپر کنکریاں ڈال دی جائیں اور پانی چھڑک دیا جائے۔

جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو چاہیے کہ دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہوں اور میت کے لیے دعا کریں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے: ''اپنے بھائی کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔''

شرح:

۞ شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے اب ''تدفین'' سے متعلق بیان کریں گے:

۞ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مشروع یہ ہے کہ آدمی کی کمر تک قبر گہری کی جائے'' اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''قبر کھودو؛ کشادہ کھودو اور اسے گہرا بناؤ'' (سنن ابو داؤد 3215 ؛ الترمذی 1713 ؛ الارواء 743)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی گہرائی کی کوئی حد منقول نہیں۔ اس گہرائی کی حد میں اختلاف ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان کے قد کے برابر ہو؛ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: اس کی ناف تک ہو۔ اور ایک قول سینے تک کا بھی ہے۔ یہ سبھی اقوال ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ بس اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی بو باہر نہ آئے؛ اور درندوں اور کتوں وغیرہ کی پہنچ سے میت محفوظ ہو جائے۔ اور اس میں زمین کے نرم یا سخت ہونے کا بھی خیال رکھا جائے۔

۞ ''اس میں قبلہ کی طرف لحد بنائی جائے'' یعنی جب قبر کھود کر گہری کر لی جائے تو آخر میں نیچے قبلہ کی طرف لحد بنائی جائے۔ جس میں میت کو داخل کیا جائے۔ اسے لحد اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قبر سے ایک سمت کو مائل ہوتی ہے۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لحد (بغلی قبر) ہمارے لیے ہے، اور شق (صندوقی قبر) دوسروں کے لیے۔'' (ابو داؤد: 3208 ؛ ترمذی 1045 ؛ نسائی 2009 ؛ احکام الجنائز ص 145/ صحیح)

۞ ''میت کو لحد میں داہنے پہلو پر لٹایا جائے'' اس کے چہرہ کو قبلہ کی طرف موڑا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک مسلمانوں کا اس پر عمل چلا آ رہا ہے۔ کبیرہ گناہوں والی حدیث میں ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بیت اللہ جو کہ زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے کی حرمت کو حلال سمجھ لینا۔''

(ابو داؤد 2875 ؛ الارواء 690 /حسن)

- ''اور اس کے کفن کی گرہیں کھول کر چھوڑ دی جائیں انہیں نکالا نہ جائے'' کیونکہ اس کی ضرورت نہیں رہی؛ اور اس سلسلہ میں بعض تابعین رحمہم اللہ سے آثار منقول ہیں؛ جن سے پتہ چلتا ہے کہ سلف کے ہاں یہ معاملہ معروف تھا۔
- ''میت خواہ مرد ہو یا عورت اس کا چہرہ نہ کھولا جائے'' کیونکہ کوئی ایسی دلیل وارد نہیں جو چہرہ کھولنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو۔
- ''پھر لحد کے اوپر کچی اینٹیں رکھ کر مٹی سے لیپ کر دیا جائے'' میت کی حفاظت اس صورت میں ہوتی ہے جب لحد پر مٹی ڈال دی جائے تاکہ کوئی چیز اس میں داخل نہ ہو؛ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض وفات میں فرمایا:

((الْحَدُوا لِي لَحْدًا وَانْصِبُوا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ))

(مسلم 966)

''میرے لئے قبر لحد بنانا اور اس پر کچھ کچی اینٹیں لگانا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قبر بنائی گئی تھی۔''

- ''اگر اینٹیں نہ مل سکیں تو ان کی جگہ تختے یا پتھر یا لکڑی لگا دی جائے جو لحد میں مٹی گرنے سے بچاؤ کرے'' فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [۱۶:۶۴] ''سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔''
- ''پھر اس پر مٹی ڈالی جائے'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین کا علم بیلچے سے مٹی ڈالنے کی آواز سے ہوا۔'' (أحمد 24333 ؛ ابن ابی شیبہ 11839)

اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:

''تمہارے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعش پر مٹی ڈالنے کے لیے کس طرح آمادہ ہو گئے تھے۔'' (البخاری 4462)

''مٹی ڈالتے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ'' پڑھنا مستحب ہے۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو قبر میں اتاتے تو یہ دعا پڑھتے :

((بِسْمِ اللَّهِ وَعَلَى وعلى ملةِ رسولِ اللَّه.))

''اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر۔''

اور ایک روایت میں ہے: وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر۔''

رواه أبو داود (3213)، والترمذي (1046)، وابن ماجه (1550)، وأحمد (4812)، وصحّحه ابن حبان (3110)، والحاكم (366/1).

- ''مٹی ڈالنے کے بعد قبر ایک بالشت کے برابر اونچی کر دی جائے'' اور اسے کوہان کی شکل میں بنایا جائے۔ قبر بنانے کا

یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے؛ اور اس لیے بھی کہ لوگوں اس کے قبر ہونے کا پتہ چل جائے اور وہ اس کی بے حرمتی نہ کریں۔ اور قبر سے نکلی ہوئی مٹی سے زیادہ اس پر نہ ڈالا جائے۔

❁ ''اور اگر دستیاب ہو تو قبر کے اوپر کنکریاں ڈال دی جائیں اور پانی چھڑک دیا جائے۔'' تاکہ قبر کی مٹی کی حفاظت ہو ح اور وہ آپس میں جڑ جائے اور مٹی اڑنے سے بچ جائے۔ اور اگر اس پر نشانی کے لیے کوئی پتھر وغیرہ لگایا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی قبر پر نشانی کے طور پر ایک پتھر لگایا۔''

(سنن ابن ماجه 1561 ؛ أبو داؤد 3206 ؛ الصحيحه 3060/حسن)

❁ ''جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو چاہیے کہ دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہوں'' یعنی دفن کرنے کے بعد میت کے لیے دعا کرنے کے لیے۔

❁ ''اور میت کے لیے دعا کریں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میت کو دفن کر کے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے: ''اپنے بھائی کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔'' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ دیر رکتے اور فرماتے:

((اسْتَغْفِرُوا لِأَخِيكُمْ، وَسَلُوا لَهُ بِالتَّثْبِيتِ، فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ))

(ابو داؤد 3221 صحيح الجامع945)

''اپنے بھائی کی مغفرت کی دعا مانگو، اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔''

نہم: نماز جنازہ کی مدت

❁ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' اگر کسی کو جنازہ کی نماز نہیں مل سکی تو اس کے لیے دفن کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔ لیکن اگر میت کو دفن کیے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ میت کو دفن کر دینے کے ایک مہینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی ہو۔''

شرح:

یہ نوواں مسئلہ ان حضرات سے متعلق ہے جو میت پر نماز جنازہ نہ پڑھ سکے ہوں۔ تو کیا وہ دفن کرنے کے بعد اس پر جنازہ پڑھ سکتا ہے؟

"اگر کسی کو جنازہ کی نماز نہیں مل سکی تو اس کے لیے دفن کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا ہے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کالی عورت مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی یا ایک جوان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گم پایا تو اس کے متعلق سوال کیا۔ صحابہ نے عرض کیا: "اس کا انتقال ہو گیا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟" فرمایا: "گویا کہ انہوں نے اس کے معاملہ کو اہمیت نہ دی۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے اس کی قبر کا بتاؤ۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی پھر فرمایا:

((إِنَّ هَذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوئَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ)) (مسلم)

"یقیناً یہ قبریں ان پر اندھیرے سے بھرئی ہوئی تھیں بے شک اللہ ان کو میری نماز کی وجہ سے روشن کر دے گا۔"

اور دفن کرنے کے بعد بھی نماز کا طریقہ وہی ہے جو دفن کرنے سے پہلے ہے۔

"اس شرط پر کہ دفن کے بعد سے لے کر تقریباً ایک مہینے کے اندر اندر نمازِ جنازہ پڑھ لیا جائے، اگر ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ میت کو دفن کر دینے کے ایک مہینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر پر نمازِ جنازہ پڑھی ہو۔"

امام احمد بن حنبل اور اسحق بن راہویہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں: "قبر پر ایک ماہ تک نماز پڑھی جا سکتی ہے؛ اور فرماتے ہیں: کہ ہم اکثر ابن مسیب رحمہ اللہ کے متعلق سنتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سعد بن عبادہ کی قبر پر ایک ماہ بعد نماز پڑھائی۔"[1]

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ سے کسی کی نماز جنازہ چھوٹ جاتی تو آپ اس کی قبر پر جنازہ پڑھ لیتے؛ کبھی ایک رات بعد؛ کبھی تین راتوں بعد؛ اور ایک روایت میں ایک ماہ بعد بھی ہے۔ لیکن اس میں کوئی وقت متعین نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قبر پر نماز جنازہ پڑھنے میں کون شک کر سکتا ہے؟

---

[1] (الترمذی 1038 / مرسل) پوری روایت اس طرح ہے: سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ام سعد کا انتقال ہو گیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے، جب آپ تشریف لائے تو ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس واقعہ کو ایک ماہ گزر چکا تھا۔"

سنن ترمذی میں ہے: ابن مسیب فرماتے ہیں: "مجھ سے اس آدمی نے بیان کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور اس نے ایک اکیلی قبر دیکھی۔ جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی اور نماز جنازہ پڑھائی۔" شعبی سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہے جس نے آپ کو یہ واقعہ سنایا؟ انہوں نے فرمایا کہ: "حضرت ابن عباس۔" امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے امام شافعی، احمد اور اسحاق کا یہ قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کیا جائے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ ابن مبارک کے نزدیک قبر پر ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سعید بن مسیب سے اکثر سنا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ام سعد بن عبادہ کی قبر پر ایک ماہ بعد نماز جنازہ پڑھی۔" قال الشيخ الألباني: ضعيف، الإرواء (3 / 183)، برقم (736 / 1 و 737)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبر پر نماز جنازہ پڑھنے سے متعلق چھ احادیث مروی ہیں؛ اور سبھی حسن درجہ کی ہیں۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قبر پر نماز پڑھنے کی آخری حد ایک ماہ بتائی ہے؛ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سلسلہ میں منقول یہ آخری حد ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے کہ: ''اتنی مدت جس میں میت ابھی گل نہ گئی ہو۔'' اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ اس سے منع کرتے ہیں؛ ہاں اگر میت کا ولی غائب ہو؛ تو اس کے لیے یہ استثناء ہے۔'' (زاد المعاد 493/1)

دہم: میت کے گھر میں کھانا

۞ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میت کے گھر والوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے لیے کھانا بنائیں۔ صحابی جلیل جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میت کو دفن کرنے کے بعد اہل میت کے گھر جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو ہم لوگ نوحہ شمار کرتے تھے۔'' (اسے امام احمد نے بسند حسن روایت کیا ہے)۔

البتہ اہل میت کے لیے یا ان کے مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میت کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے لیے مشروع ہے کہ وہ اہل میت کے لیے کھانا تیار کریں، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملک شام میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر ملی تو آپ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا بنائیں اور فرمایا:

''ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انہیں غافل کر دیا ہے۔''

میت کے گھر والوں کے یہاں ہدیہ کے طور پر جو کھانا آیا ہو، اس کھانے پر وہ اپنے پڑوسیوں وغیرہ کو بلا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور ہمارے علم کے مطابق اس سلسلہ میں وقت کی شرعاً کوئی تحدید نہیں ہے۔''

شرح:

۞ یہاں پر شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ: میت کے اہل خانہ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میت پر جنازہ اور اس کی تدفین کے بعد اور آنے والے دنوں میں لوگوں کو جمع کریں اور ان کے لیے کھانا تیار کریں۔ سلف صالحین رحمہم اللہ ایسا کرنے کو نوحہ گری شمار کرتے تھے۔ پھر آپ نے اس سلسلہ میں جلیل القدر صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے؛ آپ فرماتے ہیں:

((كُنَّا نَرَى الِاجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنْعَةَ الطَّعَامِ مِنَ النِّيَاحَةِ))

''میت کو دفن کرنے کے بعد اہل میت کے گھر جمع ہونے اور (ان کا ہمارے لیے) کھانا تیار کرنے کو ہم لوگ نوحہ شمار کرتے تھے۔'' (احمد 6905؛ ابن ماجہ 1612 ؛ أحكام الجنائز ص 167/ بسند حسن).

۞ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میت کے اہل خانہ کی طرف سے لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا؛ خواہ وہ وراثت کے مال میں سے ہو؛ میت کے تیسرے حصہ میں سے؛ یا پھر کسی دوسرے انسان کی طرف سے؛ تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ بے شک ایسا کرنا سنت کے خلاف اور جاہلیت کا کام ہے۔ اس لیے بھی اس میں اہل خانہ کے لیے اس مصیبت کے ساتھ

مزید تنگی اور تھکاوٹ اور مشغولیت کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین میں سے کسی ایک سے بھی مطلق طور پر یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے میت پر کوئی ایسی مجلس قائم کی ہو؛ نہ ہی وفات کے وقت اور نہ ہی ایک ہفتے کے بعد اور نہ ہی چالیس دن کے بعد اور نہ ہی وفات کے ایک سال بعد۔ ایسا کرنا بدعت ہے؛ اس کو چھوڑنا؛ اس سے انکار کرنا اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا دین میں بدعت اور اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت ہے۔'' (مجموع فتاوی 2/356۔)

''البتہ اہل میت کے لیے یا ان کے مہمانوں کے لیے کھانا تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میت کے پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے لیے مشروع ہے کہ وہ اہل میت کے لیے کھانا تیار کریں۔ کیونکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملک شام میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر ملی تو آپ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ: ''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا بنائیں'' اور فرمایا: ''ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انہیں غافل کر دیا ہے۔'' حدیث میں ہے:

((اصْنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ أَوْ أَمْرٌ يَشْغَلُهُمْ))[1]

''جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا پکاؤ کیونکہ انہیں ایک آنے والے حادثہ نے سے روک رکھا ہے۔''

اس میں کوئی حرج نہیں کہ ان کے پڑوسی یا قرابت داران کے لیے کھانا تیار کریں؛ اور جب میت کے گھر والوں کے یہاں ہدیہ کے طور پر جو کھانا آیا ہو، وہ ان کی حاجت سے زیادہ ہو؛ اور وہ اس کھانے پر اپنے کچھ پڑوسیوں وغیرہ کو یا فقراء کو بھی بلا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اسے ایک تقریب یا رسم کی شکل نہ دیدی جائے۔ کہ میت اہل خانہ کھانا تیار کرنے لگ جائیں۔ اور پھر اس پر لوگوں کو جمع کریں؛ اس کی کوئی اصل نہیں ؛ یہ عہد جاہلیت کا کام ہے۔

یازدہم: سوگ کی مدت

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''عورت کے لیے کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں، البتہ اپنے شوہر کے انتقال پر چار مہینہ دس دن سوگ منانا واجب ہے، لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو ایسی صورت میں حمل جننے تک سوگ منائے گی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ مرد کے لیے اپنے کسی عزیز وغیرہ کے انتقال پر سوگ منانا جائز نہیں۔

شرح:

یہ گیارہواں مسئلہ میت کے سوگ سے متعلق ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''عورت کے لیے کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں، البتہ اپنے شوہر کے انتقال پر چار مہینہ

[1] (أحمد 1751 ؛ أبو داؤد 3132 ؛ ابن ماجه 1610 ؛ سنن الترمذی 998) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم اسے مستحب گردانتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کے پاس کوئی نہ کوئی چیز بھیجی جائے کیونکہ وہ مصیبت میں مشغول ہوتے ہیں امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ (اس حدیث کو شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ صحیح الجامع 1015۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے)۔

دس دن سوگ منانا واجب ہے، لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو ایسی صورت میں حمل جننے تک سوگ منائے گی، جیسا کہ نبی ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔" سوگ سے پانچ چیزیں مراد ہوتی ہیں:

1۔ جتنا ممکن ہو سکے اسی گھر میں بیٹھی رہے جس میں اس کا شوہر فوت ہوا ہے۔ اور بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہیں۔

2۔ اپنے بدن اور کپڑوں پر خوشبو لگانے سے اجتناب کرے؛ ایسے ہی مہندی سے بھی نہ لگائے۔

3۔ کسی بھی قسم کا زیور پہننے سے اجتناب کرے۔

4۔ زینت والا لباس پہننے سے اجتناب کرے۔

5۔ آنکھوں میں سرمہ وغیرہ نہ لگائے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا: "ہمیں کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا جاتا تھا۔ لیکن شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن کے سوگ کا حکم تھا۔" (البخاري 313؛ مسلم 938)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ سنا ہے آپ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ فَإِنَّهَا تُحِدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا)) (البخاری 1280 مسلم 1486)

"کوئی بھی عورت جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کے سوا کسی کا سوگ تین دن سے زیادہ منائے اور شوہر کا سوگ چار مہینے دس دن کرے۔"

ہاں اگر عورت کو حمل ہو تو یہ علیحدہ بات ہے؛ اس کی مدت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [۶۵:۴]

"اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں۔"

البتہ مرد کے لیے اپنے کسی عزیز قرابت دار وغیرہ کے انتقال پر سوگ منانا جائز نہیں۔ اس لیے کہ سوگ عورت کے ساتھ خاص ہے اور یہ عدت کے تابع ہوتا ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بیشک شوہر کا سوگ عدت کے تابع ہے۔ یہ اس کے تقاضوں اور مکمل کرنے والے امور میں سے ہے۔ بیشک عورت کو اپنے شوہر کے سامنے محبوب بننے کے لیے زینت و جمال اور خوشبو وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے؛ تاکہ اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر سکے۔ اور ان کے درمیان معاشرت اچھی ہو۔ پس جب شوہر مر گیا؛ اور یہ اس کی عدت میں ہے؛ ابھی تک دوسرے شوہر کے پاس نہیں گئی؛ تو پہلے شوہر کے اتمام حق کا تقاضا ہے کہ عدت مکمل ہونے سے قبل دوسرے شوہر سے دور رہے۔ اور اسے ان چیزوں سے منع کیا جائے جو کچھ بیویاں اپنے شوہروں کے لیے کرتی ہیں؛ کیونکہ اس میں ان ذرائع کا بھی سدباب ہے جو مردوں کے اس عورت میں طمع کا سبب بن سکتے ہیں۔ اور ان کی طمع کا سبب زینت و جمال؛ رنگ اور خوشبو بھی ہیں۔ پس جب عدت پوری ہو جائے تو اب اس کو ایسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے کہ اس

کے ساتھ نکاح میں رغبت پیدا ہو۔ پس اب اس کے لیے وہ چیزیں مباح ہوجاتی ہیں؛ جو شوہر والی عورت کے لیے مباح ہیں ۔کوئی چیز حسن میں اس منع و اباحت سے بڑھ کر بلیغ نہیں ہوسکتی۔ اور اگر سب جہاں کے عقل مند کوئی رائے پیش کرنا چاہیں تو وہ اس سے اچھی رائے پیش نہیں کر سکتے۔'' (اعلام الموقعین 167/2)

دوازدہم: قبروں کی زیارت

۞ ''شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مردوں کے لیے اہلِ قبور کے حق میں دعا کرنے، ان کے لیے رحمت طلب کرنے اور موت و مابعد الموت کو یاد کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً قبروں کی زیارت کرنا مسنون ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

((زُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ)) (مسلم 976)

''قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہے۔''

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبروں کی زیارت کریں تو یہ دعا پڑھیں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ،نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ، يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِيْنَ))

''اے اس دیار کے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو، اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہارے پاس یقینا پہنچنے والے ہیں، ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جو پہلے جا چکے اور جو بعد میں آنے والے ہیں ان پر رحم فرمائے۔''

البتہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، اور اس لیے بھی کہ عورتوں کے قبروں پر جانے میں فتنہ کا خطرہ ہے اور ان سے بے صبری کے مظاہرہ کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے قبرستان تک جنازہ کے پیچھے جانا بھی جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا ہے البتہ میت پر مسجد یا نماز گاہ میں جنازہ کی نماز پڑھنا مرد اور عورت سب کے لیے مسنون ہے۔

جو کچھ اللہ تعالیٰ ان مسائل میں جمع کرنے کی توفیق دی؛ ان کی یہ آخری سطور ہیں۔

وصلی اللّٰہ وسلم علی نبینا محمد، وآلہ وصحبہ۔''

شرح:

یہ مسئلہ بارہواں اور آخری مسئلہ ہے جو کہ قبروں کی زیارت سے متعلق ہے۔''

۞ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مردوں کے لیے اہلِ قبور کے حق میں دعا کرنے، ان کے لیے رحمت طلب کرنے اور موت

و ما بعد الموت کو یاد کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً قبروں کی زیارت کرنا مسنون ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((زُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ المَوْتَ)) (مسلم 976)

''قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ موت کی یاد دلاتی ہے۔'' یہ حدیث امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کی ہے۔''

قبروں کی اس زیارت کو شرعی زیارت شمار کیا جاتا ہے؛ کیونکہ یہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہوتی ہے؛ اور اس سے زندہ زائر اور زیارت کئے گئے میت دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ زندہ کو تین فوائد حاصل ہوتے ہیں:

اوّل:......موت کی یاد: اس کے نتیجہ میں انسان نیک اعمال کر کے اس کی تیاری کرتا ہے۔ یہی حدیث شیخ نے یہاں پیش کی ہے:

((زُوْرُوْا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُكم الآخرة))

''قبروں کی زیارت کیا کرو، یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہے۔''

دوم:......زیارت کرنا: قبروں کی زیارت کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اس پر اجر ملتا ہے۔

سوم:......مسلمان مردوں کے ساتھ احسان: ان کے لیے دعا کی جاتی ہے۔ اور اس احسان پر اجر ملتا ہے۔

جہاں تک زیارت کئے گئے میت کا تعلق ہے؛ تو وہ بھی شرعی زیارت کے نتیجہ میں دعا اور اس کے ساتھ احسان سے مستفید ہوتا ہے۔ بلا شک وشبہ مردوں کو زندوں کی دعا سے فائدہ پہنچتا ہے۔

جہاں تک قبروں کی اس زیارت کا تعلق ہے جس میں مردوں کو پکارا جاتا ہے؛ اور مشکل کشائی کے لیے ان کے نام کی دہائی دی جاتی ہے؛ اور ان سے حاجات برآوری طلب کی جاتی ہے؛ تو واضح رہے کہ ایسی زیارت سے مردے کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور زندہ کو اس سے نقصان ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس نے ایک ناجائز کام کیا ہے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے؛ اور اس سے مُردہ کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس زائر نے اس میت کے لیے تو دعا نہیں کی ؛ بلکہ الٹا اللہ کو چھوڑ کر اس سے ہی دعا کرنے لگ گیا۔ شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''منسک ۃ'' مردوں کی اس نیت سے زیارت کرنا کہ ان کی قبروں کے پاس دعا کی جائے؛ یا قبروں پر اعتکاف کیا جائے؛ یا ان سے ضروریات پوری کرنے کا سوال کیا جائے؛ یا مریضوں کی شفا یابی؛ یا ان کے وسیلہ سے؛ اور ان کے مقام و مرتبہ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا یا اس طرح کے دیگر کام کرنا؛ یہ بدعت پر مبنی بری زیارت ہے؛ جس کو اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں ٹھہرایا۔ اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ یا سلف صالحین میں سے کسی نے ایسا کیا ہے۔ بلکہ یہ وہی بری بات ہے جس سے منع کیا گیا ہے؛ ارشاد فرمایا:

((روزروا الْقُبُوْرَ وَلَا تَقُولُوا هُجْرًا))

(سنن نسائي 2033 ح مسند أحمد 23052 ؛ صححه الالباني الاروا3/226)

''قبروں کی زیارت کرو؛ اور بری بات نہ کہو۔''

مذکورہ بالا امور میں بدعات جمع ہیں؛ مگر ان بدعات کے مراتب مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض صرف بدعت ہیں

شرک نہیں؛ جیسے قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا؛ یا میت کے وسیلہ سے سوال کرنا۔ اور بعض شرک اکبر ہیں؛ جیسے قبر والے کو پکارنا اور اس سے مشکل کشائی چاہنا اور اس طرح کے دیگر امور۔'' (مجموع فتاوی 116/16)

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دیتے تھے کہ وہ قبروں کی زیارت پر یہ دعا پڑھیں:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ ،نَسْأَلُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ، يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِيْنَ))

یہ دعا بھی صحیح مسلم میں ہے۔ اور اسی دعا کی جنس سے ہے جو میت پر نماز جنازہ پڑھتے ہوئے مانگی جاتی ہے۔ اس کے لیے دعا؛ رحمت اور استغفار۔

جہاں تک قبرستان کی زیارت کے وقت میت کی روح کے ایصال ثواب کے لیے سورت فاتحہ پڑھنے کا تعلق ہے؛ تو اس کی کوئی اصل اللہ کی شریعت میں نہیں۔ بلکہ یہ بدعت ہے۔ لیکن آپ اس کے باوجود دیکھیں گے کہ بہت سارے لوگ اس غیر مشروع چیز پر عمل کرتے ہیں اور مشروع چیز کو چھوڑ دیتے ہیں جس سے مردوں کو ہو۔

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' البتہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔'' صحیح حدیث میں ثابت ہے:

((لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زُوَّارَاتِ الْقُبُورِ))[1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔''

یہاں پر '' زوّارات'' کا لفظ مبالغہ کے لیے نہیں؛ بلکہ نسب کے لیے ہے؛ یعنی زیارت کرنے والیاں۔

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' اور اس لیے بھی کہ عورتوں کے قبروں پر جانے میں فتنہ کا خطرہ ہے اور ان سے بے صبری کے مظاہرہ کا اندیشہ ہے۔'' اس لیے کہ مرد کی نسبت عورت کمزور دل ہوتی ہے؛ اور بہت ہی جلد گریہ وزاری کرنا اور چیخنا چلانا شروع کر دیتی ہے۔

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' اسی طرح عورتوں کے لیے قبرستان تک جنازہ کے پیچھے جانا بھی جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرمایا ہے۔'' حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ: '' ہمیں (عورتوں کو) جنازے کے ساتھ چلنے سے منع کیا گیا مگر تاکید سے منع نہیں ہوا۔'' (البخاری حدیث نمبر: 1278 ؛ مسلم 938)

---

[1] (ابن ماجہ 1576 ترمذی 1056 ؛ احمد 8449) امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح ہے۔ البانی رحمہ اللہ علیہ نے اسے حسن کہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیادہ زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبروں کی زیارت کی اجازت دینے سے پہلے کی بات ہے۔ جب آپ نے اس کی اجازت دے دی تو اب اس اجازت میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت ان کی قلت صبر اور کثرت جزع فزع کی وجہ سے مکروہ ہے۔

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''البتہ میت پر مسجد یا نماز گاہ میں جنازہ کی نماز پڑھنا مرد اور عورت سب کے لیے مسنون ہے۔''

یعنی اگر عورت مسجد میں آئی ہو؛ اور وہاں پر جنازہ کا اعلان ہو جائے تو یہ عورت بھی کھڑے ہو کر جنازہ پڑھے گی۔ یہ عمل مردوں اور عورتوں کے لیے برابر مشروع ہے۔

❁ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: 'عورت کو میت پر نماز جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا گیا۔ بھلے یہ جنازہ مسجد میں پڑھا جائے یا گھر میں یا عید گاہ وغیرہ میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں خواتین مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا کرتی تھیں؛ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی (یہ سلسلہ آج تک جاری ہے)(مجموع الفتاوي 134/13)

آخر میں اپنی بات ختم کرتے ہوئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: '' جو کچھ اللہ تعالیٰ ان مسائل میں جمع کرنے کی توفیق دی؛ ان کی یہ آخری سطور ہیں۔''

وصلى اللّٰه وسلم على نبينا محمد، وآله وصحبه۔

ہم اللہ تعالیٰ کی مہربان ہستی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کا اجر بڑھا دے اور فردوس اعلیٰ میں ان کے درجات بلند کرے اور آپ کی بھی مغفرت فرمائے اور ہمارے تمام علماء اور تمام مسلمان مَردوں اور عورتوں؛ مؤمنین اور مؤمنات کی؛ زندوں اور مردوں کی مغفرت فرمائے۔ اور ہمارے تمام امور کی اصلاح کر دے؛ اور ہمیں پلک جھپکنے کے برابر بھی ہمارے نفسوں کے سپرد نہ کرے؛ اور ہمارا حسنِ خاتمہ کرے؛ اور ہمیں اسلام پر زندہ رکھے؛ اور ایمان پر موت دے؛ نہ خود گمراہ ہوں نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والے۔ اور ہم سب کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت سے نواز دے۔ آمین

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔))

''اے اللہ تو پاک ہے؛ اپنی تعریفوں کے ساتھ، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے، میں معافی مانگتا ہوں تجھ سے اور رجوع کرتا ہوں تیری طرف۔''

اللهم صلى و سلم على عبدك و رسولك نبينا محمد، وآله وصحبه۔